ذکر
تاج الاولیاءؒ
ملفوظات حضرت سیدنا محمد عبدالشکور
المخاطب
بخطاب الغیب تاج الاولیا قدس سرہٗ العزیز
قاضی سنز (رجسٹرڈ) پبلشرز
جان محمد روڈ ــــ انارکلی لاہور

ذکر تاج الاولیاءؒ

ملفوظات حضرت سیّدنا محمّد عبدالشکورؒ

المخاطب

بخطاب الغیب تاج الاولیاء قدس سرہ العزیز

مُرتّبہ

حضرت سراج السالکین سیّدنا و مولٰینا

مستان شاہ صاحب قادری چشتی شکوری

قیمت : ۵۰/= روپے

ناشر : ملک پیر محمد شکوری۔ کراچی
تعداد : ایک ہزار
طبع دوم : دسمبر ۱۹۹۳ء
مطبع : آرٹ ورلڈ پرنٹنگ پریس، کراچی
زیرِ اہتمام : صاحبزادہ محمد عبداللطیف شاہ شکوری
آستانہ عالیہ چک $\frac{14}{8-R}$ براستہ کچا کھوہ
ضلع خانیوال

قیمت ۵۰/- روپے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

نحمدہٗ و نصلّی علٰی رسولہٖ الکریم۔ ذکر تاج الاولیاءؒ کتاب کی تصنیف کا مقصد آج کے اس بے دین دور میں مخلوقِ خدا کو شمعِ ہدایت بنا کر پیش کرنا ہے۔

میرے مرشدی و مولائی والدِ معظّم و مکرّم حضرت قبلہ پیرستان شاہ صاحب کے ھادیٔ برحق کے حالاتِ زندگی کا یہ گلدستہ جس میں بے چین روحوں کی تسکین کا سامان شریعتِ اسلام کے متلاشیان اور شمعِ رسالت کے پروانوں کی تسکین جان کا سامان ہے۔ حضرت قبلہ گاہی کے ایماء ارشادات عالیہ کا ایک حسین مجموعہ ہے جو محض خلقِ خدا کے فیض کے لیے طبع کرایا گیا ہے تاکہ سرکارِ دوعالم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی رحمت کا وہ مخصوص حصہ جو محض اولیاء اللہ کے لیے مخصوص ہے۔ عام ہو کر مخلوقِ خدا کی فلاح کا ذریعہ بنے۔ اس میں مسائلِ تصوّف نہایت آسان اور احسن طریقہ سے فیصلہ کن انداز میں بیان کیے گئے ہیں۔

بندۂ درگاہ

صاحبزادہ محمد عبداللطیف شاہ شکوری از
آستانۂ عالیہ چک $\frac{14}{A-R}$ براستہ کچا کھوہ
ضلع خانیوال

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ؕ

نحمدہٗ ونصلی علی رسولہ الکریم وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ و

ازواجہٖ اجمعین۔

امّا بعد واضح ہو کہ زیرِ نظر کتاب میں سلطان العاشقین برہان الواصلین شمس المتورین، سند العارفین رئیس العارفین، مخدوم اربابِ شعور، حبیب ربِّ غفور، تاج الاولیاء سیدنا

ومولانا سیّدنا محمّد عبدالشکورؒ

کے مختصر حالاتِ زندگی اور ملفوظات وکرامات کا بیان ہے۔ تاکہ ناظرین اُس نادرالوجود شخصیت سے کما حقہٗ متعارف ہو کر اس ذاتِ مقدس صفات کے حالات اور اقوال وافعال کی روشنی میں صراطِ مستقیم پر گامزن ہو کر فلاحِ دارین حاصل کر سکیں۔

ولادتِ باسعادت

سلطان العاشقین برہان الواصلین شمس المتورین سند العارفین رئیس المتاخرین مخدوم اربابِ شعور، حبیب ربِّ غفور، سیدنا ومولانا شاہ محمد عبدالشکور المخاطب بہ خطابِ غیبی تاج الاولیاء، قادری، چشتی، ابوالعلائی، منعمی، جہانگیری ۱۲۹۴ھ میں لکھنؤ میں جناب وزیر علی کے گھر پیدا ہوئے۔ اُس وقت یہ کسے معلوم تھا کہ آج کے دن پیدا ہونے والا یہ بچہ مستقبل میں اُفقِ معرفت پر سورج بن کر چمکے گا۔ اور اس آفتابِ معرفت کی شعاعوں سے ایک عالم مستفید ہوگا۔

مگر دُنیا نے دیکھ لیا کہ اِس آفتابِ معرفت کی شعاعوں سے انتہائی کور باطن افراد کے دل ودماغ بھی روشن ہوگئے اور انھیں راہِ طریقت ومعرفت سے روشناس کرایا۔ اور نہ صرف

اس آفتاب معرفت کی شعاعیں ارضِ ہند و پاک کو منور کرتی رہیں۔ بلکہ دُنیا کے گوشہ گوشہ کو چمکا دیا۔ ہندو پاکستان میں حقیقت و معرفت کے دریا بہانے کے علاوہ اطراف و اکناف عالم میں بھی مئے عرفاں کے چشمے جاری کر دیے اور کروڑوں تشنہ کامانِ حق و صداقت اور طالبانِ قُرب و معرفت کو اپنے فیضِ عام سے سیراب کر دیا۔ آج دُنیا کا کوئی گوشہ ایسا نہ ہوگا جہاں آپ کے فیض یافتہ اشاعتِ طریقت اور تبلیغِ دینِ متین میں سرگرمِ عمل نہ ہوں۔ بلا مبالغہ آپ اپنے زمانہ کے سب سے بڑے صاحبِ فیض اور عارف باللہ تھے۔ آپ کی پیدائش سے علومِ معرفت میں ایک اور باب کا اضافہ ہوا۔ اِس بات کی تصدیق کچھ وہی لوگ کر سکتے ہیں جنھوں نے اِس باب کا مطالعہ کیا ہے۔ آپ بجا طور پر سلفِ صالحین کی یادگار تھے۔ آپ کی شب و روز کی مجالس دیکھ کر سلفِ صالحین کی یاد تازہ ہو جاتی تھی۔ آپ اپنے وقت کے بے مثال اور صاحبِ نظر انسان تھے ایک ایسے انسان جو کہ صدیوں بعد پیدا ہوتے ہیں۔

نعرہ زد عشق کہ خونیں جگرے پیدا شد — حُسن لرزید کہ صاحب نظرے پیدا شُد
فطرتِ آشفت کہ از خاکِ جہانِ مجبُور — خُود گرے خود شکنے خُود نگرے پیدا شُد

تعلیم و تربیت:

۴ سال ۴ ماہ ۴ دن کی عمر میں رسمِ بسم اللہ ادا ہوئی۔ اور سلسلۂ تعلیم شروع ہوا۔ اور ابتدائی تعلیم و تربیت بھی اُسی مرکزِ علم (لکھنؤ) میں ہوئی۔ بہت جلد تکمیلِ علم کر کے فارغ التحصیل ہو گئے۔

ابتدائی حالات

ظاہری تعلیم و تربیت کے مراحل سے تمام و کمال گزرنے کے بعد دل میں ذوق و شوق اور محبتِ الٰہی نے غلبہ کیا۔ بچپن ہی سے آپ کو اللہ والوں سے ایک بے پناہ عقیدت تھی اور والہانہ اُنس تھا۔ ابتدا سے طبیعت میں جذب اور محبتِ الٰہی کی کیفیت نمایاں تھی۔ اسی کیفیت نے آپ کو رُوحانیت کے میدان میں لا کھڑا کیا۔ اور راہِ طریقت اختیار کی۔ چونکہ راہ بغیر راہنمائی کے طے نہیں ہو سکتی۔ لہٰذا آپ "اُطلب الرفیق ثُم الطریق" کے پیشِ نظر تلاش

مرشد میں لگ گئے۔

آخر کار طلبِ صادق اور سعادتِ ازلی نے آپ کو غوثِ عالم رئیسِ ملت و دین سلطان العارفین، منہاج الواصلین، مردِ حقانی، شہبازِ لامکانی، شیخ المشائخ شاہ محمد نبی رضا لکھنوی قدس سرّہ العزیز کی بارگاہ میں پہنچا دیا۔ اور اُن کے دستِ حق پرست پر سلسلۂ عالیہ قادریہ ابوالعلائیہ میں بیعت کی۔ برسوں خدمت میں رہ کر دولتِ سرمدی سے شرف یاب ہوئے۔

علومِ باطنی کے آغاز کے ساتھ ہی عبادت و ریاضت اور مجاہدۂ نفس کی تمام دشوار گزار منازل جوانمردی اور بلند ہمتی سے طے کر کے بہت جلد قبولیتِ عامہ حاصل کر لی۔ مگر ہمیشہ اپنی درویشانہ روش اور ریاضتوں کو دنیاداری کے لباس میں چھپایا۔ کیونکہ آپ کو نام و نمود اور شہرت طلبی سے ابتدا ہی سے نفرت تھی۔ چنانچہ اسی سلسلہ میں اجمیر مقدس کے دامن میں واقع چھاؤنی نصیر آباد کو تلاشِ معاش (کاروبار) کے لیے مسکن قرار دیا۔ جہاں آپ نے اپنی عمرِ عزیز کا ابتدائی دور آرمی کنسٹرکٹری میں گزارا۔ آپ کا سلسلۂ عالیہ قادریہ ابوالعلائیہ ہے اور مشرباً چشتی ہیں۔

منصبِ خلافت

آپ کا قیام نصیر آباد ہی میں تھا کہ آپ کے پیر و مرشد غوثِ عالم رئیسِ ملت و دین سلطان العارفین، مردِ حقانی، شہبازِ لامکانی، شیخ المشائخ حضرت شاہ محمد نبی رضا لکھنوی قدس سرّہ العزیز نے طالبانِ حق کی روحانی تعلیم کے لیے منتخب فرمایا۔ شیخ کے حکم کو سن کر دوسرے اکابرینِ طریقت کی معرفت اپنے شیخ کی بارگاہ اور دربارِ خواجۂ خواجگان سلطان الہند حضرت خواجہ غریب نواز معین الدین سنجری اجمیری رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں کئی مرتبہ اپنی معذرت پیش کی اور تقریباً ایک سال تک اس بارِ امانت کو قبول نہ کرنے کی سعی کی۔ لیکن جس مردِ حقانی شہبازِ لامکانی کی نظرِ انتخاب نے آپ کو اس عظیم خدمت کے لیے چن لیا تھا۔ اُس کے حضور سرِ نیاز خم کرتے ہوئے رُشد و ہدایت کا سلسلہ جاری کرنا پڑا۔

چنانچہ تیس سال تک نصیر آباد آپ کا تبلیغی مرکز رہا۔ جہاں سے ابتدا میں اس آفتاب ولایت کی شعاعیں نہ صرف اطرافِ اجمیر مقدس و راجپوتانہ بلکہ تمام ہند کو منور کرتی رہیں بلکہ

طلوع ہونے کے بعد جب یہ آفتابِ ولایت جس قدر بلند ہوتا گیا۔ بتدریج شعاعیں شرق تا غرب پھیل کر اجالا کر چکی تھیں۔ دعوتِ الی اللہ اور تبلیغِ دین کا یہ عظیم کارنامہ اور رُوحانی فیض کے اس قدر عروج کا تعلق آپ کی ریاضت و مجاہدہ کی اُس زندگی کا ثمرہ ہے کہ جس کے تصوّر ہی سے رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں۔

ریاضات و مجاہدۂ نفس

ابتدا ہی سے آپ ریاضت و مجاہدۂ نفس میں مشغول ہو گئے۔ کم خفتن و کم خوردن آپ کا خاص معمول ہو گیا تھا۔ چنانچہ اخیر عُمر میں بھی اس پر سختی سے پابند رہے۔ وجود میں خُون کی انتہائی کمی ہو گئی اور اکثر معالجین خُون کی انتہائی کمی کو محسوس کر کے آپ کے زندہ رہنے پر حیرت کا اظہار کرتے۔ چنانچہ ایک مرتبہ ڈاکٹر کرنل ضیاء اللہ خاں نے دورانِ تشخیص آپ کی خدمت میں عرض کیا۔

"حضرت! آپ کے وجُود میں خُون کی اِس قدر کمی ہے کہ جس سے انسان زندہ نہیں رہ سکتا۔ آپ کو دیکھ کر سخت حیرت ہو رہی ہے کہ آپ زندہ کیسے ہیں؟" جواباً ارشاد ہُوا:

"میرا زندہ رہنا میرے حضرات بزرگانِ سلسلہ کا فیض اور تصرّف ہے۔"

اور کم خفتن بھی آپ کا معمولِ خاص تھا۔ ابتداء میں تو آپ تکلّفاً نیند نہ آنے دیتے مگر جب آپ رُوحانیت کے انتہائی بلند مقامات طے کر گئے۔ تو آپ کا سونا اور جاگنا برابر ہو گیا۔ آپ کو نیند آتی ہی نہیں تھی مسلسل تیس برس آپ بالکل نہیں سوئے۔ چنانچہ اُسی ڈاکٹر کرنل ضیاء اللہ خاں نے دورانِ تشخیص دریافت کیا "حضرت! آپ کو نیند آتی ہے یا نہیں؟"

"فرمایا۔ نہیں۔ نیند نہیں آتی۔"

ڈاکٹر صاحب نے دریافت کیا۔ "نیند کب سے نہیں آتی؟"

فرمایا۔ "ایک مُدّت سے۔"

ڈاکٹر صاحب نے پُوچھا۔ "آخر کتنی مُدّت سے؟"

فرمایا "کیا تجزیہ کیا جارہا ہے۔ کہہ تو دیا کہ مدت سے نیند نہیں آتی۔"

ڈاکٹر صاحب نے ملتجیانہ گزارش کی "حضرت! آپ کو بتا دینا چاہیئے۔ کہ کب سے نیند نہیں آتی؟ تجویز و تشخیص کے لیئے یہ ضروری ہے۔"

فرمایا "غالباً تیس برس سے۔"

یہ سن کر ڈاکٹر صاحب کی آنکھیں حیرت سے کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ حیرت زدہ ہو کر پوچھا۔ کہ یہ حضرت کا اختیاری فعل ہے۔ یا کہ طبعی (قدرتی طور پر) ایسا ہوتا ہے۔"

فرمایا۔ "ابتداء میں تو نیند آنے نہیں دی جاتی تھی۔ مگر اب آتی ہی نہیں۔"

ڈاکٹر صاحب نے پوچھا۔ "حضرت! اونگھ تو آجاتی ہو گی؟"

فرمایا۔ "یہ آپ خود اندازہ لگا لیں کہ میرا سونا جاگنے کے برابر ہے۔ لیٹا رہتا ہوں۔ مگر غفلت طاری نہیں ہوتی۔"

اب ناظرین خود اندازہ لگائیں۔ کہ آپ روحانیت کے کس قدر بلند مقام پر پہنچ گئے تھے۔ ایک ایسے مقام پر کہ جہاں صحتِ انسانی کے لیئے نیند جیسی مفید چیز بھی آپ کی ذاتِ مقدسہ سے اٹھالی گئی تھی۔ روحانیت کا اِس قدر بلند مقام حاصل ہونا آپ کے ایسے مجاہدہ کی نشان دہی کرتا ہے جو صرف آپ کی ذات کے ساتھ خاص ہے۔

حسنِ معاشرت

اِس مادہ پرستی کے دور میں عیال داری کے ساتھ اِس قدر پاکیزہ و ستھری زندگی اور حسنِ معاشرت کا وہ بہترین نمونہ پیش فرمایا۔ جو اپنی مثال آپ ہے۔

آپ کی زندگی کا ایک ایک لمحہ طالبانِ حق کے لیئے وقف تھا۔ مگر اس کے باوجود آپ مالی طور پر کبھی کسی کے لیئے بوجھ نہ بنے۔ اور نہ ہی آپ کی محتاط و غیور طبع نے ایسا پسند کیا۔ رزق کے معاملہ میں آپ کا توکل ہمیشہ بمصداقِ حدیث مبارک "قید و توکل" عالمِ اسباب کی ظاہری مساعی سے بھی وابستہ رہا۔ مگر آپ کو نہ اپنی خورد و نوش کی فکر ہوتی تھی اور نہ دن کو چین میسر ہوتا تھا۔ نہ رات کو آرام ملتا تھا۔ ہر وقت طالبانِ حق کا میلہ لگا رہتا تھا۔ حتیٰ کہ ایک وقت ایسا آیا کہ صبح سے شام تک شام سے صبح تک پورا پورا دن اور

راتیں تشنگانِ حق کی سیرابی میں بسر ہو جاتیں۔ لوگ دُور دراز سے آتے اور مدتوں کے بھٹکے ہُوئے ایک ہی صحبت میں " الا بذکر اللہ تطمئن القلوب " کی دولت سے مالا مال ہو کر جاتے۔ بالآخر کسبِ معاش کا ظاہری ذریعہ بھی اسی خدمتِ خلق کی نذر ہو کر رہ گیا۔ مگر آپ نے معاشی پابندیاں اُٹھ جانے کے باوجود بھی اپنے بزرگوں کے طرزِ عمل کو مدِ نظر رکھتے ہُوئے نہ تو کسی انگریز افسر سے ملاقات کی اور نہ ہی کسی نواب یا مہاراجہ کے سلام کے لیے گئے بلکہ بڑے بڑے جاگیردار اور حکام خود آکر ملاقات کی سعادت حاصل کرتے اور اپنی مشکلات کا حل تلاش کرتے۔

انتہائی تنگدستی اور عسرت کے دور میں بھی آپ نے حُسنِ معاشرت کو برقرار رکھا اور لالچ یا طمع سے آپ کا دل ہمیشہ پاک و صاف رہا۔ چنانچہ ایک دفعہ آپ کے متوسلین میں سے دو بھائیوں نے اپنا کچھ مال فروخت کر کے روپوں کی ایک تھیلی فراہم کی اور وہ تھیلی آپ کی خدمت میں نذرانہ کے طور پر پیش کر دی۔ آپ نے اُن کے اخلاص کو مدِ نظر رکھتے ہُوئے روپوں کی تھیلی نذرانہ کے طور پر قبول کر لی۔ اور کچھ دیر بعد انھیں حکم دیا کہ یہی تھیلی میری طرف سے تم قبول کر لو۔ اور اس رقم سے کاروبار کرو۔ اور اپنے اہل وعیال پر خرچ کرو۔ اور اس کاروبار میں کاروباری بددیانتی نہ کرنا۔ چنانچہ انھوں نے آپ کی نصیحت پر عمل کیا اور کامیاب ہُوئے۔ سُبحان اللہ ایسی مشکلات کے دور میں اپنے متوسلین کا کتنا خیال رکھا۔ اور اپنی ضروریات پر اُن کی ضروریات کو ترجیح دی۔

آپ نے ہمیشہ مخلوق کے ساتھ خدا واسطے کا تعلق رکھا اور اس تعلق میں کبھی کوئی ذاتی غرض اور مفاد حائل نہ ہونے دیا۔ یہاں تک کہ لوگوں کو مُرید کرتے وقت بھی اس بات کا خاص خیال رکھتے کہ آیا اس کی طلب صحیح ہے۔ یا کسی دُنیوی غرض و پریشانی کے تحت مرید ہو رہا ہے۔ اگر آپ اُس کی طلب کو صحیح نہ پاتے۔ تو اُس کے حق میں دُعا فرما دیتے مگر مُرید نہ کرتے اور فرماتے کہ طلبِ صادق کے بغیر مرید ہونے کا کوئی فائدہ نہیں۔

آپ غیر مسلموں کے ساتھ بھی اچھا برتاؤ کرتے تھے۔ کبھی کسی کا دل نہیں دکھایا۔ اور نہ کبھی کسی نے آپ سے کوئی تکلیف پائی۔ چنانچہ ہندوستان سے ہجرت کے وقت وہاں

کے ہندو اور سکھ بھی آپ کی ہجرت سے سخت رنجیدہ ہوئے۔ چنانچہ سکندر آباد (بھارت) سے روانگی کے وقت وہاں کے ہندو تھانے دار نے آبدیدہ ہو کر کہا۔ حضرت! ہم ہی بدنصیب ہیں کہ آپ جیسی دولت سے محروم ہو رہے ہیں۔ اور وہاں کے تمام غیر مسلم حسرت بھری نظروں سے آپ کو دیکھتے رہے۔ یہ آپ کے حسنِ معاشرت کا بہترین نمونہ ہے کہ ہر طبقہ و فرقہ کے لوگ آپ کے گرویدہ تھے۔

چنانچہ آپ نے مشیتِ ایزدی کے ماتحت ہمیشہ مسافرانہ زندگی گذاری۔ جب بھی آپ ایک جگہ سے دوسری جگہ نقلِ مکانی کا ارادہ کرتے۔ تو وہاں کے لوگ آپ کی جدائی کو نہایت شدت سے محسوس کرتے اور عرض پیرا ہوتے کہ حضرت ہمیں روندتے اور کچلتے ہوئے تشریف لے جائیں۔ آپ کے بغیر جینا کیا جینا ہے۔ آپ جہاں بھی رہے۔ آپ کے ساتھ یہی معاملہ ہوتا رہا۔ مگر آپ مشیتِ ایزدی کے ماتحت نقلِ مکانی فرماتے رہے۔

امورِ دنیا میں بھی آپ نہایت چاق و چوبند تھے۔ ہر کام اپنی نگرانی میں سر انجام دلاتے۔ رہن سہن کے نہایت ہی سادہ اور اسلامی اصولوں کی پابندی فرماتے۔ زندگی کے کسی بھی مرحلہ میں حدِ شریعت سے تجاوز نہ کیا۔ چنانچہ نفس کشی کے متعلق آپ ہمیشہ یہی فرماتے کہ جب نفس شریعت کی پیروی قبول کرے اور کوئی کام خلافِ شریعت سرزد نہ ہو تو سمجھنا چاہیے کہ نفس کشی ہو گئی۔ دراصل آپ کے حسنِ معاشرت کا اصل راز شریعت کی پابندی تھا۔

آپ نے کبھی کسی کو آسائش و آرام کے لیے زندگی بھر تکلیف نہ دی اور نہ ہی اسے پسند کیا۔ ایک دفعہ بمقام گارڈن ٹاؤن لاہور حاضرینِ مجلس سے فرمایا " اب جب کہ میں بوڑھا اور کمزور ہونے کے ساتھ ساتھ مسلسل علیل بھی رہتا ہوں۔ آئے دن مختلف امراض کے حملے بھی ہوتے رہتے ہیں۔ کیا اس صورت میں میرے لیے ایک قابل حکیم یا ڈاکٹر مقرر ہو جانا چاہیے۔ جو صبح و شام یا بوقتِ ضرورت خصوصی دیکھ بھال اور علاج معالجہ کرتا رہے؟"

اس پر مجلہ حاضرین کی طرف سے متفقہ رائے اور التجا پیش ہوئی کہ حضرت ضرور

ایک قابل ڈاکٹر یا حکیم مقرر ہونا چاہیے۔ حاضرینِ مجلس کی رائے معلوم کرکے فرمایا:

"درست ہے۔ مگر اخراجات کون برداشت کرے گا؟" بلا تاخیر خود ہی فرمایا "یہ میں جانتا ہوں کہ بفضلِ خدا ایک بہت بڑا سلسلہ ہے۔ اور تم میں سے جس کی طرف بھی ادنیٰ سا اشارہ کروں۔ میرے حسبِ منشا وہی کچھ ہو سکتا ہے۔ اور میں آج سب کچھ کر سکتا ہوں۔ مگر غور سے سن لو۔"

"یہ مجھ سے نہیں ہو سکے گا کہ اپنی جان اور آسائش کے لیے تمھیں تکلیف دوں۔ یہ ایک ناممکن بات ہے اور اسے میری طرف سے ناممکن سمجھ لیا جائے۔

سنو! میرے دل میں تمھارے لیے ایک عجیب درد موجود ہے۔ اور میں تمھاری کوئی تکلیف برداشت نہیں کر سکتا۔ پھر اپنی ذات کے لیے تمھیں کیوں تکلیف دوں۔"

لہٰذا آپ نے کبھی کوئی جائداد وغیرہ پیدا کرنے کا خیال تک نہیں فرمایا۔ زندگی بھر اپنے خالق و مالک کی محبت میں سرشار رہے۔ ایک عرصہ تک آپ کی یہ حالت رہی کہ تین تین دن تک گھر میں مسلسل فاقہ ہوا کرتا اور اگر کوئی اس حالت میں نذر و نیاز پیش کرتا۔ تو اسے قبول نہ فرماتے اور نہ ہی اس کا کسی سے ذکر تک فرماتے۔ کوئی متنفس بھی آپ کی اس حالت کو محسوس نہ کر سکا۔ ہمیشہ صبر و شکر سے رہتے۔ سبحان اللہ۔ آپ کو جو چادرِ امانت تفویض ہوئی تھی۔ ہمیشہ پاک و صاف اور بے داغ رہی۔ چنانچہ قائل صاحب نے خوب ہی فرمایا ہے۔ ؎

یہ بات سچ ہے کہ ہم پایۂ حضور ہیں کم
پھر ان میں ایسے جو کامل بھی ہوں ضرور ہیں کم
کلامِ حق سے یہ ثابت ہوا ہے اے قائل
خدا کے بندے بہت ہیں مگر شکورؔ ہیں کم

سکونت نصیر آباد و آغاز مسافرانہ زندگی

آپ کا ابتدائی دور اپنے وطنِ مالوف (لکھنؤ) ہی میں گزرا۔ علوم ظاہری کی تکمیل کے بعد تلاشِ معاش کے سلسلہ میں اجمیر مقدس کے دامن میں واقع نصیر آباد چھاؤنی کو مسکن قرار

دیا۔ اولاً تا سرفرازیٔ خلافت وہیں اقامت پذیر رہے۔ خلافت سے سرفراز فرمانے کے بعد آپ کے پیر و مرشد اپنے ہمراہ لکھنؤ لے گئے۔

لکھنؤ سے چل کر کچھ عرصہ الہ آباد قیام فرمایا اور وہاں بے شمار مخلوق کو فیض یاب فرما کر الہ آباد سے شاہجہان پور رونق افروز ہوئے۔ وہاں بھی کافی تعداد میں تشنگانِ حق کو سیراب فرمایا اور اہلِ عشق و محبت کو ماہیٔ بے آب کی طرح تڑپتا چھوڑ کر بارِ دیگر نصیر آباد نزولِ اجلال فرمایا۔ کچھ عرصہ وہاں قیام کرنے کے بعد پھر لکھنؤ کا قصد فرمایا۔ اس دفعہ عوام و خواص کچھ ایسے بے چین و بے قرار ہوئے کہ آپ کو دوبارہ نصیر آباد میں تشریف فرما ہونے کا وعدہ کرنا پڑا۔ اور اہلِ نصیر آباد یہ کہتے رہ گئے ؎

حیف در چشم زدن صحبتِ یار آخر شد　　رُخِ گل سیر ندیدیم و بہار آخر شد

کچھ عرصہ لکھنؤ قیام فرما رہنے کے بعد کان پور کا عزم فرمایا۔ کان پور کے قیام کے دوران کافی مخلوق فیض یاب ہوئی۔

کان پور سے حسبِ وعدہ نصیر آباد تشریف لائے۔ اور اہلِ نصیر آباد پروانہ دار شمع جمالِ جہانگیری پر نثار ہوئے۔ پھر وہاں سے بظاہر خرابیٔ صحت کی بنا پر نقل مکانی فرمائی اور وہاں سے سکندر آباد (یو پی ضلع بلند شہر) وارد ہوئے۔ اُس وقت سکندر آباد فرقۂ اہلِ حدیث کا گڑھ سمجھا جاتا تھا۔ آپ نے بتائیدِ غیبی قیام اختیار فرمایا۔ اور چند ہی روز میں وہاں ایک عظیم انقلاب برپا کر دیا۔ آپ کے مخالفین ہر چند کوشاں رہے۔ مگر آپ کے سامنے بے بس ہو کر رہ گئے۔ وہم و شکوک کے قلعے مسمار ہوتے چلے گئے۔

سکندر آباد اہلِ محبت کا مرجع و مرکز بن گیا۔ روزانہ لاتعداد افراد آپ کے دستِ حق پرست پر تائب ہوتے اور رُوحانی تسکین کی دولت سے مالا مال ہوتے۔ کچھ عرصہ کے بعد وہاں سے کُوچ کا حکم ہُوا۔ اور آپ نے جالندھر کے سفر و قیام کا اظہار فرمایا۔ اہلِ سکندر آباد نے ہر چند ارادۂ سفر ملتوی کرانے کی سعی کی مگر انھیں کوئی کامیابی نہ ہوئی۔ آخر کار آپ نے فرمایا کہ ہمارا مختصر سامان گاڑی پر بعد میں بھیج دیا جائے۔ اور خُود مع اہل و عیال بذریعہ موٹر جالندھر کے لیے روانہ ہُوئے۔

آپ کے سوار ہونے کی دیر تھی کہ اہلِ سکندر آباد بچوں سمیت موٹر کے سامنے لیٹ گئے۔ کہ ہمیں روندتے اور کچلتے ہوئے گزر جائیں۔ آپ کے بغیر جینا کیا جینا ہے۔ آپ نے اہلِ سکندر آباد کے محبت بھرے دلوں کو تسلی اور تشفی دی اور جالندھر روانہ ہو گئے۔

جالندھر سے کچھ عرصہ بعد پھر سکندر آباد کا قصد فرمایا اور تقسیم ہند تک وہیں اقامت اختیار فرمائی۔

آپ نے عمر بھر کہیں مستقل سکونت اختیار نہیں فرمائی اور نہ ہی کوئی جائداد منقولہ غیر منقولہ پیدا کرنے کا خیال آپ کے دل میں آیا۔ ہمیشہ آپ کا قیام بتائیدِ غیبی خدمتِ خلق و تشنگانِ حق کی سیرابی کے لیے ہی رہا۔

مجاہدانہ سرگرمیاں

حضرت قبلہ تاج الاولیاؒ اپنی ساری زندگی میں ہر اس تحریک کے مخالف رہے۔ جس سے مسلمانوں کو ادنیٰ سا بھی نقصان پہنچنے کا احتمال ہوتا تھا۔ چنانچہ ۲۱-۱۹۲۰ء میں جب خلافت کا طوفان اُمڈ رہا تھا اور اکثر علماء و زعماء اس سیلاب میں بہتے چلے جا رہے تھے۔ حضرت قبلہ اُس وقت بھی ہندوؤں کے ساتھ اشتراکِ عمل کو مسلمانوں کے لیے انتہائی مضرت رساں جانتے تھے۔ بالآخر وقت آنے پر ہر ذی ہوش کی آنکھ کھلی۔ اور ہندو کی منافقت سے یہ ہندو مسلم اتحاد کے خطرناک نتائج سامنے آئے۔ تقسیم ہند سے قبل پھر کانگرس نے زور پکڑ لیا۔ مگر حضرت مسلم لیگ کی حمایت ہی میں رہے۔ اور اسی بنا پر ۱۹۴۷ء کے بلووں میں ہندو اپنی پوری قوت سے کئی بار بھاری تعداد میں سکندر آباد پر حملہ آور ہوئے۔ لیکن حضرت نے روحانی پیشوائی کے ساتھ ساتھ ایک آزمودہ کار جرنیل کی طرح مسلمانوں کے محلہ جات میں جا بجا مورچہ بندیاں کرائیں۔ اور مستورات اور بچوں کی محافظت کے لیے ضروری تدابیر اختیار فرمائیں۔ مسلمانوں میں مدافعت اور حریت کا والہانہ جذبہ پیدا فرمایا۔ چنانچہ ہندو بلوائی ہر موقع پر ناکام ہوتے رہے۔ اس ضمن میں آپ کی ایک عظیم الشان کرامت مشہور ہے۔ جس کے بہت سے عینی شاہد اب بھی موجود ہیں۔

ہندوستان سے ہجرت اور لاہور میں قیام

جب فضا پُرامن ہوگئی اور شرعی نقطۂ نظر سے احکامِ الٰہیہ کی بجا آوری میں مشکلات پیش آنا شروع ہوگئیں۔ تو آپ نے عزمِ ہجرت فرمایا۔ اور حقیقتاً یہ سب کچھ ایک اللہ والے یعنی آپ کے پیر و مرشد کی جانب سے یہ حکم ہوا تھا کہ پنجاب ایک پیش گوئی کی تصدیق ہو رہی تھی۔ ابتداء میں آپ کو پیر و مُرشد کی جانب سے یہ حکم ہوا تھا کہ پنجاب یا راجپوتانہ کو اپنا تبلیغی مرکز بنائیں۔ چنانچہ پیش گوئی کا پہلا حصہ اُس وقت پورا ہوا۔ جب کہ تیس برس تک یہ چشمۂ فیض راجپوتانہ کے علاقہ اور نواحِ اجمیر شریف میں، جاری رہا۔ اور دُوسرے حصہ کا ظہور قیامِ پاکستان کے بعد ہوا۔ جون ۱۹۴۸ھ میں سکندر آباد (یو پی) سے عازمِ لاہور ہوئے۔ آپ نے بذریعہ ہوائی جہاز سفرِ ہجرت طے فرمایا۔ جس کا انتظام و اہتمام ہندو فوجیوں نے کیا۔

حالانکہ حکومتِ ہند کی طے شدہ پالیسی کے مطابق معزز اور بااثر طبقہ کے لوگوں کو شہید کر دیا جاتا تھا۔ مگر آپ کی ہجرت کا انتظام و انصرام حکومتِ ہند کے اعلیٰ فوجی افسران نے نہایت عقیدت و احترام سے کیا۔ روانگی کے وقت سکندر آباد کے لوگ اور مقامی افسران نہایت دلگیر ہوئے اور بچشمِ گریاں ملتجی ہوئے کہ حضرت ہند کی دولت تو پاکستان جا رہی ہے۔ ہم لوگوں کی انتہائی کم نصیبی ہے کہ آپ جیسی عظیم نعمت سے محروم ہو رہے ہیں پاکستان پہنچ کر آپ نے لاہور ہی کو اپنے قدومِ میمنت لزوم سے نوازا۔ اور نمبر ۶ گارڈن ٹاؤن لاہور میں اقامت اختیار فرمائی۔

لاہور میں آپ کے محبوب و معزز خلفاء حضرت قبلہ پیرستان شاہ صاحب اور حضرت قبلہ پیر غلام محمد شاہ صاحب نے تمام انتظامات مکمل کر لیے تھے۔ حالانکہ آپ کے بعض حلقہ بگوش آپ کو اپنے اپنے علاقوں میں لے جانے کے لیے مُصر تھے۔ مگر آپ نے لاہور کو ترجیح دی۔ ۱۹۵۱ھ میں مظفر گڑھ اور ضلع ملتان کے بعض مریدین کے اصرار پر مظفر گڑھ تشریف لے گئے۔ تقریباً ایک ماہ وہاں قیام فرما رہے۔ لیکن وہاں پہنچ کر کچھ عرصہ بعد ہچکی کا عارضہ لاحق ہوگیا۔ اس خبر نے مریدین اور غیر مریدین میں کافی اضطراب و بے چینی

پیدا کر دی

قصبہ جیون ہانہ گارڈن ٹاؤن لاہور میں قیام

قصبہ جیون ہانہ کے مریدین اور مخلص احباب کا ایک وفد بدوران قیام کوٹ سلطان (ضلع مظفر گڑھ) آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ کہ جس نے اپنے قصبے میں مستقل سکونت کی درخواست بالحاح وزاری پیش کی۔ آپ نے وفد کی محبت بھری دعوت کو شرفِ قبولیت بخشا اور پھر قصبہ جیون ہانہ میں مراجعت فرما ہوئے اور بتاریخ ۲۰ جولائی ۱۹۵۲ء خانقاہ مبارک کا سنگِ بنیاد اپنے محبوب و معزز خلیفہ حضرت قبلہ پیر غلام محمد صاحب کے ہاتھ مبارک سے رکھوایا۔

مشیتِ الہٰی کی کارسازیاں

مشیتِ الہٰی کی کارسازیوں اور اس کی قدرتِ کاملہ کی کارفرمائیوں پر ذرا غور کیجیے کہ ذاتِ باری تعالیٰ نے اپنے اس مقبول بندے (حضور تاج الاولیاءؒ) سے اپنے محبوب نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے درماندہ اُمتیوں کو راہِ فوز و فلاح پر گامزن کرانے کی جو خدمات لی ہیں۔ ذرا اُس کے طور و طریقہ پر نظر ڈالیں تو عجیب سربستہ راز کا انکشاف ہوتا ہے۔ یہ مقدس و برگزیدہ ہستی جب اپنے پیر و مرشد کی ہدایت و ایما کے تحت اپنے وطنِ مالوف لکھنؤ کو خیر باد کہتی ہے تو ایک ایسے مقام (نصیر آباد چھاؤنی) پر قیام کا اشارہ ہوتا ہے۔ جہاں کے لوگ رُشد و ھدایت سے بے بہرہ تھے اور جہاں آپ نے تقریباً تیس سال قیام فرما کر نہ صرف وہاں کے کور باطن باشندوں کو راہِ طریقت و معرفت سے رُوشناس کرایا۔ بلکہ اطراف و اکنافِ ہند اور چار دانگ عالم میں حقیقت و معرفت کے دریا بہا دیے۔ اور لاکھوں کروڑوں تشنہ کامانِ حق و معرفت کو اپنے فیضِ عام سے سیراب کر دیا۔ اس مدت میں آپ نے تبلیغِ دین اور اشاعتِ طریقت میں جس جانفشانی و سرگرمی سے کام لیا۔ اُس کا مشاھدہ اُن خوش نصیب اور سعادت مندوں نے کیا ہے۔ جو اس زمانہ میں سلسلۂ عالیہ میں داخل ہو کر حلقۂ عقیدتمنداں میں شامل ہو چکے تھے۔

نصیر آباد چھاؤنی میں زمانۂ مذکور میں قیام فرما رہنے کے بعد وہاں سے بھی نقلِ

سکونت کی ہدایت ہوئی۔ اور آپ نے وہاں سے رختِ سفر باندھا۔ تو ایسے ہی ایک دُوسرے مقام (الٰہ آباد) پر سکونت اختیار فرمائی۔ پھر وہاں سے بھی رختِ سفر باندھا اور مختلف مقامات پر آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسّلام کے درماندہ اُمتیوں کو راہِ فوز و فلاح پر گامزن کرتے رہے۔ اور سب سے آخر میں سکندر آباد (یوپی ضلع بلند شہر) کو اپنے قیام کے لیے نامزد فرمایا۔ اسے حُسنِ اتفاق کہیے یا منشائے الٰہی کہ وہاں کے عامتہ الناس کی بھی وُہی کیفیت تھی۔ جو ابتدائے قیام میں نصیر آباد اور دیگر مقامات کے لوگوں کی تھی۔ سکندر آباد میں تقریباً دس سال قیام فرمایا تو وہاں کے لوگوں کی بھی دُنیا بدل گئی اور وہاں بھی رُشد و ہدایت اور حقیقت و معرفت کے دریا بہا دیئے۔ تقسیمِ ہند کے بعد ذاتِ باری نے آپ کو پاکستان کے لیے منتخب فرمایا اور اس طرح یہ برگزیدہ ہستی پھر ایسے ہی ایک کور باطن علاقے کی ہدایت و اصلاح کے لیے مامور فرمائی گئی۔ وُہ یہی بستی جیون ہانہ ہے۔ جہاں اب غلغلۂ ہُو و حق بلند ہو رہا ہے۔ حالانکہ یہاں کے عوام الناس کا اخلاقی پہلو اتنا درخشاں نہ تھا۔ لیکن اب اس بستی سے ایمان و ایقان اور حق و عرفان کے دریا ہر سُو بہہ رہے ہیں۔ اور اِس وقت پاکستان کے اکثر شہروں اور دیہات میں ہزارہا سعید رُوحیں آپ کی وساطت سے ایمان و عرفان کی دولت سے مالا مال ہو کر فائز المرام ہو چکی ہیں۔

آپ کی حیات ہی سے حسبِ معمول ہر سال ۱۱۔ ۱۲۔ ۱۳ اور ۱۴ مارچ کی تاریخوں کو عُرس شریف کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ اور عُرس شریف کے اجتماعِ عظیم میں دُور دراز مقامات سے بھی شمعِ طریقت کے پروانے، سلسلۂ عالیہ کے خدّام، خلفاء، عقیدتمند جوق در جوق دربارِ عالیہ شکوریہ کی طرف کھنچے چلے آتے ہیں۔ نفوسِ قدسیہ صُوفیائے باصفا اور علماء و صلحاء کا ایک جان فزا اور رُوح پرور اجتماع ہر سال معینہ تاریخوں میں نگاہیں دیکھتی ہیں۔ کیفِ رُوحانی اور ذوقِ سرمدی کی فضا میں عُرس شریف کا آغاز کتنے ہی تشنہ کامانِ حق کی سیرابی کا پیغام لاتا ہے۔ ہر سال ۱۴ مارچ کو حسبِ ترتیب نظام العمل عُرس شریف کی محافل اختتام پذیر ہُوا کرتی ہیں اور مقامی و غیر مقامی آئے ہوئے مہمان، صوفیا، علماء، صلحا اور وابستگین نیز و گیماسِل سلسلہ و غیر سلسلہ اس آفتابِ معرفت و

داعی الی اللہ کے دربارِ گوہر بار سے دولتِ فیوض و برکات سے مالا مال ہو کر یہ کہتے ہوئے رخصت ہوتے ہیں : قطعہ

جہاں کو راہِ حقیقت دکھائی جاتی ہے
عطا کی شان عجب شان پائی جاتی ہے
نگاہِ خاص سے میخانۂ شکور میں بھی!
شرابِ معرفتِ حق پلائی جاتی ہے

نظریہ ترکِ دُنیا اور دُنیا داری

آپ نے ہمیشہ اپنے آپ کو دُنیا داری کے لباس میں چھپایا اور دُنیا داری کے پردہ میں دینداری کو پسند فرمایا۔ دینداری کے رُوپ میں دُنیا داری کرنے سے ہمیشہ آپ کو نفرت رہی۔ آپ اپنے متوسلین اور متعلقین کو بھی ہمیشہ یہی نصیحت فرماتے۔ اِسی لیے آپ رسمی اور روایتی قسم کے پیروں سے عمر بھر رنجیدہ خاطر رہے۔ آپ نے کبھی خلوت میں بیٹھ کر چلّہ کشی نہیں کی اور نہ ہی دُنیا سے الگ تھلگ رہ کر اللہ اللہ کیا۔ بلکہ بیوی بچوں میں رہ کر ان کی نگہداشت بھی کرتے اور اللہ اللہ بھی کرتے۔

آپ کے نزدیک احکامِ الٰہیہ کے تحت دُنیا داری عین دینداری ہے۔ آپ نے احکامِ الٰہیہ کے تحت دُنیا داری کو نفلی عبادت اور لُطفِ خاص کے حصُول کا ذریعہ قرار دیا۔ اور دُنیا داری کرنے کا یہ نکتہ تعلیم فرمایا۔ کہ اپنی ہر مقبوضہ چیز کو مالکِ حقیقی کی ملکیت اور عنایت سمجھا جائے۔ اور خود کو ایک خادم و امین (امانت دار) تصوّر کیا جائے۔ جس طرح ایک امین امانت میں خیانت نہیں کرتا۔ اُسی طرح اپنی مقبوضہ اشیاء اور مال و متاع میں اُس مالکِ حقیقی کی مرضی کے تحت تصرّف تو کر سکتا ہے۔ مگر خیانت جائز نہیں۔ مالک کی مرضی کے خلاف اپنی خواہش سے صرف کرنا خیانت ہے۔ حصولِ دُنیا بھی مالک کے بتائے ہوئے طریقوں کے مطابق ہو اور صرف بھی اُسی کے رستہ میں ہو اپنی خواہش یا مرضی کو دخل نہ ہو تو یہ عین دینداری ہے حصُولِ رضائے مالک کا بہترین ذریعہ ہے اور یہ اُسی وقت صحیح منصور ہوگا۔ جبکہ حقِ امانت ادا کر دکھلایا جائے اور خود کو امین و خادم

ثابت کیا جائے۔

اور ترکِ دُنیا آپ کے نزدیک یہ نہیں کہ دُنیا کو چھوڑ کر اور امورِ دنیا کی نگہداشت سے مُنہ موڑ کر ایک جگہ دھرنا دے کر بیٹھ جانا چاہیے۔ آپ کے نزدیک ترکِ دُنیا یہ ہے کہ دُنیا داری نہایت ہوشیاری سے کی جائے اور اپنے ذمّہ فرائض سے بخوبی عہدہ برآ ہونا چاہیے۔ مگر دل میں ماسویٰ اللہ کسی چیز کی حسرت اور آرزو نہ ہونی چاہیے۔ دل کو محبّتِ دنیا سے الگ رکھنا چاہیے۔ دل محبتِ الٰہی میں لگا رہے۔ اگر دل محبّتِ دُنیا میں مُبتلا رہے تو الگ بیٹھنے سے کیا فائدہ۔ مزہ تو جب ہے کہ غریقِ دُنیا ہو کر دل کو محبتِ دُنیا کی آلودگی سے محفوظ رکھا جائے۔ چنانچہ آپ فرمایا کرتے ے

دست بکار و دل بیار

ایک شخص جو کہ مُفلس و تہی دست رہے۔ اگر دُنیا سے منہ موڑے تو وہ تارک الدنیا کیونکر ہو گا۔ وہ تو پہلے ہی مُفلس و تہی دست تھا جس کے پاس کچھ بھی نہ ہو — وہ تارک الدنیا کیسے ہُوا۔ تارک الدنیا تو وُہ ہے۔ جس کے پاس دُنیا ہو اور وہ دُنیا کو چھوڑ دے۔ اور جس چیز کو چھوڑا جاتا ہے۔ تو پہلے دل کو اس سے الگ کیا جاتا ہے اور جب دِل الگ ہو گیا اور دل میں ماسویٰ اللہ کوئی حسرت و آرزو نہ رہے۔ مخلوق سے نفع و نقصان کی اُمید منقطع ہو گئی تو دُنیا ترک ہو گئی۔

دل کو محبّتِ دنیا کی آلودگی سے محفوظ رکھنا ہی اصل میں ترکِ دنیا ہے۔ دُنیا چھوڑ کر الگ ہو جانے میں کون سا کمال ہے۔ اگر دُنیا کو چھوڑ کر الگ ہو جانا کمال ہوتا۔ تو حضور نبیؐ کریم علیہ الصلوٰۃ و السلام بھی دُنیا سے الگ ہو جاتے۔ کیونکہ آپ سے بڑھ کر کوئی صاحبِ کمال نہیں ہے۔ کمال تو اس میں ہے کہ دُنیا میں رہ کر دُنیا سے دُور رہا جائے اور خُود کو آلودہ نہ ہونے دیا جائے۔

تسلیم و رضا

آپ زندگی بھر مجسّمہ تسلیم و رضا بنے رہے۔ حتیٰ کہ اپنی ذات کے لیے کبھی کوئی دُعا بھی نہ مانگی۔ کیونکہ دُعا ایک التجا ہے۔ کہ اے اللہ مجھے ایسا کر دے۔ اور فلاں فلاں

خبردار

اللہ کے ولی مرتے نہیں بلکہ ایک مکان سے دوسرے مکان میں نقل فرماتے ہیں (الحدیث) ؎

ہرگز نمیرد آں کہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت است بر جریدۂ عالم دوامِ ما (حافظؒ)

تصرّفِ خاص بعد وفات

بعد وفات آپ بستر راحت پر نہایت پُرسکون حالت میں محوِ خواب نظر آرہے تھے۔ رُخِ انور نہایت ہی تر و تازہ اور ہشاش بشاش انوار و تجلیات کے جلووں سے جگمگا رہا تھا۔ صاحبزادۂ محترم جناب محمد عبدالرؤف شاہ صاحب، آپ کے سینۂ اطہر سے لگے ہوئے تھے اور حضرت قبلہ جناب پیرستان شاہ صاحب مدظلہٗ العالی آپ کی داہنی جانب تشریف فرما تھے اور جناب قبلہ پیر غلام محمد شاہ صاحب مدظلہٗ، راولپنڈی والے آپ کے قدوم میمنت لزوم سے لپٹے ہوئے تھے کہ دریں اثناء حضرت پیر غلام محمد شاہ صاحب نے فرمایا۔ دیکھیے حضرت سراپا برکت کی نبض چل رہی ہے۔ دیگر احباب بھی اس امر سے چونکے اور نبض کو دیکھا تو وہ چل رہی تھی۔ اسی طرح نبض کبھی چلتی اور کبھی رُک جاتی۔ یہ سلسلہ کافی دیر تک قائم رہا۔ اِس طرح اُمڈتا ہوا طوفانِ اشک و غم تھم گیا اور سکون پیدا ہو گیا۔ یہ آپ کا ایک عظیم الشان تصرّف تھا کہ انتہائی بے قراری کے وقت بھی عالم کو محوِ حیرت کر دیا۔ اور ہر زائر آپ کی آخری زیارت سے مشرف ہو کر یہی محسوس و معلوم کرتا کہ آپ محوِ استراحت ہیں۔ اور بظاہر مفارقتِ دائمی کا کوئی امکان ہی معلوم نہ ہو رہا تھا۔ آپ کے تصرّف سے سب کے قلوب مطمئن ہو چکے تھے۔ مگر درحقیقت آپ واصل باللہ ہو چکے تھے

حضرت ممدوح قدس سرہ السامی کے واصل باللہ ہونے کی اطلاع مقامی طور پر زبانی اور غیر مقامی طور پر بذریعہ ٹیلیگرام فوراً کی گئی۔ خبر پھیلنے کی دیر تھی۔ ایک ہجوم بے پناہ بطور تعزیت دل گرفتہ و نم دیدہ آستانۂ عالیہ پر نظر آنے لگا۔ دوسرے

طالبانِ مولیٰ کی بھی آزمائش ہوتی ہے۔ اور بازارِ عشق و محبت کی بیع میں کوئی خسارہ ہو ہی نہیں سکتا۔ جس کا نعم البدل رضاء و لقاء ہو۔ تو اس کے سامنے جملہ متاع دو عالم محض ہدیہ ہے" آپ نے زندگی بھر اسی نظریہ کو قائم رکھا اور ہر سخت سے سخت مصیبت و تکلیف کو رحمتِ الٰہی سمجھ کر خندہ پیشانی سے برداشت کرتے رہے۔ آپ آئے دن کی تکالیف و مصائب اور نامعلوم الکیفیات امراض کی حالت میں بھی انتہائی پُرسکون نظر آتے۔ آپ کا چہرۂ اقدس ہمیشہ ہشاش بشاش اور تر و تازہ رہتا۔ یقیناً آپ تسلیم و رضا کا اعلیٰ مقام حاصل کر چکے تھے۔ آپ کے نزدیک حیاتِ مستعار کا سرمایہ یہی (تسلیم و رضا) تھا جسے آپ نے زندگی ہی میں پا لیا۔ چنانچہ فرمایا۔ "ہمیں آٹھ سو سال قبل کا زمانہ ملا ہے۔" یعنی آٹھ سو سال پہلے کی بزرگی عطا ہوئی ہے۔ اور یہ ایک بہت بڑا انعام تھا۔ جو آپ کو حیاتِ مستعار ہی میں مل گیا۔

فیضِ صحبت

آپ کی مجالسِ شب و روز دیکھ کر سلفِ صالحین کی یاد تازہ ہو جاتی تھی۔ قرآنِ حمید کے حقائق اور تصوّف کے دقیق مسائل، حقیقت و معرفت کے وجد آفرین مناظر سحر بیانی سے سامعین پر وجد و کیف کا عالم طاری ہو جایا کرتا تھا۔ آپ کا کلام شیریں، دلکش اور پُرجوش ہوتا تھا۔ جس کو سُن کر اہلِ ایمان کے دل اس طرح کھل جاتے تھے۔ جس طرح پھولوں کی پنکھڑیاں نسیمِ سحر کی خاموش جنبش سے کھل جاتی ہیں۔ بارہا ایسا ہُوا کہ جو لوگ شکوک و شبہات میں مبتلا ہو کر آئے۔ وہ دولتِ یقین و عرفان سے مالا مال ہو کر گئے۔ بعض معترضین نکتہ چینی کی غرض سے آتے لیکن مختصر سی صحبت میں حلقہ بگوشِ عقیدت ہو کر جاتے۔ اسرار و رموزِ حقیقت و معرفت کے بیان سے یقین ہوتا تھا کہ واہب العطایا نے ابوابِ علوم آپ پر کھول دیے ہیں۔

یہ عجیب اتفاق تھا کہ بدورانِ قیام نصیر آباد جس محلہ میں آپ سکونت پذیر تھے۔ وہاں کی اکثریت صوفیائے کرام اور بزرگانِ دین پر زبانِ طعن دراز کرنے اور خانقاہی مراسم پر نکتہ چینی کرنے والوں کی تھی۔ جن کی زندگی کا محبوب مشغلہ بات بات پر اہلِ ایمان

کو بدعتی و مشرک بنایا تھا۔ اس سلسلہ میں مولوی عبدالحکیم صاحب امام جامع مسجد اہلِ حدیث خصوصیت سے نمایاں تھے۔ اکثر اُن کے شاگرد اور بعض بیرونی علماء بھی آپ پر اعتراض اور نکتہ چینی کرنے کے لیے آتے۔ مگر جب آپ کی زبانِ گوہر فشاں سے اسرار و رموزِ حقیقت و معرفت کا بیان سُنتے۔ تو سرِ عقیدت خم کر دیتے۔ اور بزرگانِ دین کی عقیدت و محبت سے سرشار ہو کر مجلسِ مبارک سے اُٹھتے۔ اور نہ صرف ایسے متعدد علماء نے آپ کے دستِ حق پرست پر توبہ کی سعادت پائی بلکہ الحاد و زندقہ کے شکار بے شمار فلسفی آئے اور تبادلۂ خیالات کے بعد تائب ہو کر داخلِ سلسلۂ عالیہ ہوئے۔ اِس قسم کے واقعات بارہا پیش آئے۔ یہی وہ فراستِ ایمانی ہے کہ جس کا ذکر حدیث شریف میں آیا ہے۔ "اتقوا بفراسته المؤمن فانه ينظر بنور الله۔" یعنی مومن کی فراست سے ڈرتے رہو۔ بے شک وُہ اللہ کے نُور سے دیکھتا ہے۔" آپ کی مختصر سی صحبت بے ریا عبادت صد سالہ سے بڑھ کر تھی۔ کیونکہ جو طمانیت و سکون آپ کی صحبت میں حاصل ہوتا تھا۔ وہ سیکڑوں سال کی عبادت سے بھی حاصل نہ ہو سکتا تھا۔

ہزارہا بندگانِ خدا ایسے ہیں جو بغیر کسی ریاضت و مجاہدہ کے صرف آپ کی ایک ہی جُنبشِ ابرُو سے کامیاب و کامراں ہوئے۔ آپ کی ایک ہی نگاہ سے تقدیریں بدل جاتیں۔ آپ عموماً نگاہِ کرم ہی سے تشنہ لبانِ حق کی تسکین کا سامان فراہم کیا کرتے۔ آپ کی توجہ مبارک مشہورِ زمانہ ہے۔ علامہ اقبال علیہ الرحمۃ اسی ضمن میں فرماتے ہیں۔ ؎

نگاہِ مردِ مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں

اور عارف رومیؒ فرماتے ہیں ؎

یک زمانہ صحبتے با اولیا

بہتر از صد سالہ طاعتِ بے ریا

آپ کی زندگی مکارمِ اخلاق و حُسنِ معاشرت کا بہترین نمونہ ہے۔ آپ حلم و بُردباری تواضع اور منکسر المزاجی کے پیکر تھے۔ آپ کی حق گوئی و صداقت کا یہ عالم تھا کہ تقسیمِ ملک سے قبل نصیر آباد کے ہنود معاشرتی و قومی تنازعات میں اکثر آپ کو اپنا ثالث تسلیم کیا کرتے تھے

اور آپ کے فیصلوں پر سرِ تسلیم خم کرتے تھے۔ ؎

ان کے اقوال کی قدروں کا تعین مشکل

ان کے افعالِ گرامی سے دو عالم تسخیر

اِستغراق

وصال سے کچھ عرصہ پہلے آپ سراپا محویت و استغراق میں رہتے۔ ایک مرتبہ بموقع سالگرہ مخدوم زادہ عبدالقدوس صاحب طول عمرہٗ خلف الرشید صاحبزادہ محترم جناب عبدالرؤف صاحب رحمۃ اللہ علیہ محفلِ سماع کا اہتمام کیا گیا۔ آپ کو ایک کرسی پر لاکر باہر لایا گیا۔ حسبِ معمول ختم شریف پڑھا گیا اور ایصالِ ثواب کے بعد دعائے خیر کے لیے استدعا کی گئی معصومانہ انداز سے ساعت فرما کر خاموشی اختیار فرمائی۔ مکرّر سہ کرر استدعا پیش کی گئی۔ بالآخر وضاحت کے ساتھ التماس کیا گیا۔ آپ ہر بار ملتجی و ملتمس کی جانب نگاہ اُٹھا کر دیکھ لیتے اور پھر مستغرقِ انوار و تجلیات ہو جاتے۔ دریں اثنا صاحبزادہ محترم جناب عبدالرؤف صاحب اور حضرت غلام محمد شاہ صاحب مدظلہٗ العالی ایک دوسرے کی جانب دیکھ مسکراتے رہے کہ "باباجی" سے اب کیا التماس کیا جائے۔

شہنشاہانِ ولایت کے نازبردار اصحاب مزاج داں بھی ہوا کرتے ہیں۔ چنانچہ حضرت قبلہ پیرستان شاہ صاحب مدظلہٗ العالی نے اپنی زبان دُرفشاں سے دعائے خیر کا معاملہ پیش کیا۔ اور ساتھ ہی دونوں ہاتھ دعا کے لیے اُٹھا دیے۔ تقلید میں جملہ حاضرین مجلس بھی دست بدعا ہوئے۔ اُدھر سراپا محبوبیت و معصومیت نے جب اپنے معزز و محبوب خلیفہ اور جملہ حاضرین کو دست بدعا ملاحظہ فرمایا تو اپنے دستِ رحمت دعا کے لیے بلند فرما دیے۔ اس طرح محویت و استغراق کی حالت میں آپ سے دعا کرائی گئی۔

ایک مرتبہ بحالتِ استغراق ایک آدمی نے مرید ہونے کی استدعا پیش کی تو فرمایا "وضو ہے؟" اُس نے عرض کیا حضور! باوضو ہوں۔" تو اپنے دونوں دست رحمت ملاحظہ فرمائے پھر دستِ راست آگے بڑھا کر فرمایا۔ "مضبوطی سے پکڑ لو۔" اور پھر حسبِ معمول مشاہدۂ ذات میں مستغرق ہو گئے۔ اور آپ کے چہرۂ اقدس سے محویت و یکسوئی کے آثار کا ظہور ہونے

لگا۔ اس کے بعد ایک شخص بیعت ہونے والا آدمی مضبوطی سے دونوں ہاتھ پکڑے بیٹھا رہا۔ جب بہت زیادہ دیر ہو گئی تو آپ کے خدام میں سے ایک خادم نے ذرا قریب ہو کر گزارش کی۔ حضور ان کو مرید فرما لیا جائے۔ تو فرمایا۔ کہئے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ اس کے بعد پھر محویت و یکسوئی کا اظہار ہونے لگا۔ خادم نے پھر گزارش کی۔ تو فرمایا "اب کیا پڑھانا ہے؟"

ناچار صاحبزادہ جناب محمد عبدالرؤف قدس سرہ العزیز سے درخواست کی گئی۔ اور انھوں نے اندر تشریف لے جا کر عرض کیا۔ حضرت! ان کو مرید کر دیجئے۔ تو متبسم انداز میں فرمایا "اب کیا پڑھاؤں؟" اس پر حضرت صاحبزادہ صاحب پڑھتے اور آپ ارشاد فرماتے اور وہ مرید ہونے والا دہراتا جاتا۔ آخر خدا خدا کر کے وہ صاحب مرید ہو ہی گئے۔ اور پھر ارشاد ہوا۔ ان کو ذکر تعلیم کر دو۔ گرمی زیادہ ہے ذکر تھوڑا کرانا۔ اتنا فرما کر پھر مشاہدۂ انوارِ ذات میں مستغرق ہو گئے۔

نسبتِ ابراہیمی

آپ کو حضرت خواجہ غریب نواز اجمیریؒ سے ایک خاص عقیدت و محبت اور بے پناہ اُنس تھا اور حضرت خواجہ نواز اجمیریؒ کی آپ پر خاص نظرِ عنایت و شفقت تھی۔ آپ کے اکثر خدام پر یہ بات اظہر من الشمس ہے۔ کہ حضرت خواجہ غریب نواز اجمیریؒ کی رحمت و شفقت کا ظہور اکثر و بیشتر آپ پر ہوتا رہا۔ چنانچہ مولانا نور محمد صاحب معروف بہ نوری بابا اور بہت سے آپ کے محبوب خدام حضرت خواجہ غریب نوازؒ ہی کے حکم سے آپ کے حلقہ بگوش ہوئے۔ چونکہ حضرت خواجہ غریب نوازؒ کی مقدس نسبت ابراہیمی ہے۔ لہٰذا خواجہ غریب نواز کی ذاتِ ستودہ صفات سے والہانہ عقیدت و بے پناہ اُنس کے باعث آپ کو نسبتِ ابراہیمی نصیب ہوئی۔ اور اللہ تعالیٰ نے اسی نسبتِ مقدس سے سرفراز فرمایا۔

مذہب

مذہباً آپ سُنی حنفی تھے۔ مسلمانوں میں افتراق آپ کو پسند نہ تھا۔ اور افتراق

اہلِ اسلام کے پیشِ نظر حتی الامکان فروعی مسائل میں اختلاف کے باعث کسی سے
نہ اُلجھتے اور نہ ہی اسے پسند فرماتے۔ البتہ اصولی اختلاف میں نہایت بے باکی سے
گفتگو فرماتے۔ اپنے سلسلۂ عالیہ کی صداقت نہایت ہی مدلّل اور بے باک انداز میں بیان
فرماتے۔ بے باکانہ حق گوئی آپ کا خاص مسلک تھا۔ کسی کی ناجائز رعایت نہ فرماتے۔
اور نہ ہی خوشامد کو پسند فرماتے۔

ہمہ وقت استقامت فی الدین میں کوشاں رہتے۔ ہر لمحہ عشق و محبتِ حق میں صرف
فرماتے۔ شریعت و طریقت کے ہر معاملہ پہ پابندی فرمائی جاتی۔ اُسوۂ حسنہ رسولِ مقبول
علیہ الصلوٰۃ والسلام سے نہایت وابستگی و شیفتگی تھی۔

اولادِ صلبی

آپ کی اولاد میں تین صاحبزادے اور سات صاحبزادیاں تھیں۔ فرزندانِ گرامی
میں بڑے حضرت حکیم علی احمد شاہ صاحب معروف بہ حضرت علاء الدین شاہ صاحبؒ

(۲) حضرت عبدالستار شاہ صاحبؒ تیغ

(۳) حضرت محمد عبدالرؤف شاہ صاحبؒ نیّر

بڑے صاحبزادے حضرت علاء الدین شاہ صاحبؒ نے آپ کے زمانۂ علالت
سے سلسلۂ رشد و ہدایت، و تعلیم و تلقین جاری فرمایا۔ اور تھوڑی ہی مدّت میں ہزاروں
طالبانِ حق داخل سلسلۂ عالیہ ہوئے۔ بڑے صاحبِ کمال بزرگ ہو گئے۔ حضرت قبلہ
تاج اولیاءؒ کے وصال کے بعد شورکوٹ روڈ اسٹیشن پہ اقامت گزیں ہوئے۔ کچھ
عرصہ وہاں مقیم رہے۔ بعد ازاں موضع [illegible] تحصیل شورکوٹ ضلع جھنگ میں مستقل
رہائش اختیار فرمائی۔ اور نہایت تندہی سے تشنگانِ حق کی سیرابی فرمائی۔ بے شمار
خلفاء تھے۔ آخر ۱۰ / ۱۹ [illegible] بروز [illegible] واصل بحق ہوئے۔

حضرت عبدالستار شاہ صاحب مرحوم و مغفور حضرت اقدسؒ کی زندگی ہی میں واصل
باللہ ہو گئے۔ آپ بغرض [illegible] بمبئی تشریف لے گئے اور وہیں اللہ کو پیارے
ہو گئے۔ آپ نے اپنی نوعمری ہی میں اپنی خداداد صلاحیتوں اور فہم و فراست سے اپنے

اُستاد وابادور وابستگانِ سلسلۂ عالیہ کے دلوں میں ناقابلِ فراموش مقام پیدا کر لیا تھا۔ نہایت شُستہ اور مُرصّع اشعار کہتے تھے۔ زندگی بھر حضرت اقدسؒ کی مرضی کے خلاف کوئی کام نہ کیا۔ زندگی میں تو سلسلۂ عالیہ کی تبلیغ نہ کر سکے۔ مگر بعد وصال آپ کے کمال کا چرچا عام ہوا۔ دورِ حاضرہ میں مُسلم وغیر مسلم عقیدت مند آپ کے آستانہ سے فیض یاب ہو رہے ہیں۔ قبرستان نمبر وش ناریل باڑی بمبئی میں آپ کا مزار مبارک درگاہِ ستاریہ کے نام سے مشہور ہے۔

سب سے چھوٹے صاحبزادہ حضرت محمد عبدالرؤف شاہ صاحبؒ حضرت اقدسؒ کی زندگی میں تجارتی کاروبار میں مشغول رہے۔ بعد وصال حضرت اقدسؒ سجادہ نشین منتخب ہوئے۔ بڑے صاحبِ کمال ہوئے۔ ہزاروں لوگوں کو داخل سلسلۂ عالیہ کیا۔ نہایت ہی مرصّع اشعار فرماتے۔ نیرؔ تخلّص فرماتے۔ ۱۹۶۷ء میں واصل بحق ہوئے۔ اور حضرت قبلہ کے پہلو میں دفن ہوئے۔

عارضۂ ہچکی وعلالتِ مسلسل

ابتدا ہی سے آپ نے شدید ریاضتیں اور مجاہدے اختیار فرمائے۔ اور رات رات بھر ایک عاشق زار ہمہ دم بیدار کی طرح زندگی بسر فرمائی۔ اور اپنے نفس کو ہر شعوری غذا سے بے نیاز رکھا۔ اور زندگی کے آخری زمانہ میں تو غذا بالکل ترک فرما دی۔ جس سے آپ کی صحتِ مبارک خاصی متاثر ہوئی۔ یوں تو آپ کی زندگی کا بیشتر حصہ بیماریوں میں گذرا اور اس طرح اکابر اولیائے کرام کی سُنت ادا ہوتی رہی۔ مگر تقسیم ملک کے دوران ہندوستان کے مسلمانوں پر ڈھائے گئے مظالم اور اُن کی تباہی وبربادی نے آپ کی حساس طبع مبارک پر نہایت گہرا اثر ڈالا۔ آپ اہلِ اسلام کی تکالیف کو خاص طور پر محسوس فرمایا کرتے۔ اس سے آپ کی صحت مبارک اور بھی کمزور ہوگئی۔ اور ۱۳۷۰ھ میں رمضان المبارک کے مہینہ میں بائیں جانب فالج گرا جس سے آپ کی صحت انتہائی تشویش ناک صورت اختیار کر گئی۔

پاکستان بھر کے بہترین معالج نے علاج کی سعادت پائی۔ جن میں جناب ڈاکٹر

کرنل الٰہی بخش، جناب ڈاکٹر کرنل ضیا اللہ خاں۔ جناب ڈاکٹر عوان محمد خاں، جناب حکیم نیر واسطی، جناب حکیم پیر فتح شاہ صاحب اور جناب حکیم سید صغیر الحسن شاہ صاحب زیبا ناروی خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔ علاج معالجہ سے قدرے افاقہ ہو گیا۔

۱۹۵۱ء میں اکثر حکماء نے آپ کی صحت مبارک کی بحالی کے لیے کسی خشک آب وہوا والے خطۂ زمین میں رہائش کا مشورہ دیا۔ لہٰذا بنابریں لاہور سے کوٹ سلطان (ضلع مظفر گڑھ) کی جانب قیام کے ارادہ سے سفر اختیار فرمایا۔ کوٹ سلطان میں تقریباً ایک ماہ قیام رہا۔ اس کے بعد لاہور کے مخلص مریدین واحباب کے اصرار کے پیش نظر واپس لاہور تشریف لے گئے اور واپسی پر کچھ عرصہ کے لیے مریدین منڈی ملتان ٹھہر گئے۔ وہاں شدت سے ہچکی کا عارضہ لاحق ہو گیا۔ بہت دنوں تک مسلسل ہچکی کا دورہ رہا جس سے آپ کا آرام و چین بالکل جاتا رہا۔ ایک گاؤ تکیہ کے سہارے ہمہ وقت سر بسجود رہتے۔ ہر طرف خدام میں اضطراب و بے چینی کی لہر دوڑ گئی۔ کافی علاج معالجہ سے بھی کوئی افاقہ نہ ہوا۔ اور آپ لاہور روانہ ہو گئے۔ دوامی دورہ ہچکی سے غذا تو درکنار آرام و راحت بھی کافور ہو گیا۔ آخر ایک دیسی حکیم کے علاج سے عارضۂ ہچکی رفع ہوا۔

اب آپ کی طبیعت نہایت نرم و لطیف اور لطیف سی ہو گئی۔ گرم و سرد ہواؤں کے اثر سے تھوڑی تھوڑی دیر میں کیفیت بدل جاتی۔ آپ کے معالجین آپ کی طبعی کیفیت اور نامعلوم الکیفیات امراض کا شدید احساس کرتے اور جسمانی نظام صحت کے انتہائی فقدان اور خون کی انتہائی کمی کے پیش نظر آپ کے معالجین آپ کے زندہ رہنے پر انتہائی حیرت کا اظہار کرتے۔

زندگی کے آخری ایام

زندگی کے آخری چند سالوں میں آپ کی طبیعت مبارک انتہائی کمزور اور علیل رہا کرتی۔ غذا بالکل ترک ہو گئی۔ انتہائی اصرار و سعی کے باوجود روٹی کے چند لقمے مرغ کے چوزوں کے شوربا میں بھگو کر تناول فرما لیتے۔ وجود مسعود تسلیم و رضا کا ایک گلدستہ

بن چکا تھا۔ چونکہ سراپا محبوبیت و معصومیت کا مجسمہ معلوم ہوتا تھا۔ ہمیشہ کے معمول کے مطابق بذریعہ تنفس ذکرِ حق میں محو و مشغول رہا کرتے۔ سینۂ اطہر میں ہر وقت ذکرِ حق اس انداز سے جاری رہا کرتا۔ کہ جیسے ہر شخص واضح طور پر معلوم و محسوس کر لیتا۔ ایک عرصہ سے نیند تو رخصت ہو چکی چکی تھی۔ آخری ایام میں لیٹنا بھی ترک فرما دیا۔ ایک بڑے گاؤ تکیہ پر سر رکھ کر ہر وقت و ہر لمحہ سربسجود رہتے۔

اور بیٹھنا بھی ہمہ وقت اس انداز سے ہوا کرتا۔ کہ آلتی پالتی لگا کر دونوں ہاتھوں کی ہتھیلیاں نیچے ٹیک لیا کرتے۔ بدن مبارک سیدھا رکھتے اور سرِ مبارک قلب پر جھکا رہتا۔ آپ کے معاصرین بزرگ فرمایا کرتے تھے کہ آپؒ ہر وقت و ہر لمحہ دیدارِ ذاتِ پاک میں محو رہتے ہیں۔ اور آپ کے بیٹھنے کا انداز بھی لفظ "اللہ" سے مشابہ ہے یعنی بہ صورت لفظ "اللہ" کے مانند ہے کہ آپ اُسی کی ذات میں مکمل طور پر فنا ہو کر مقامِ بقا حاصل کر چکے ہیں۔ اور آپ کے بیٹھنے کا انداز اِسی حقیقت کا مظہر ہے۔

آپ نے وصالِ مبارک سے پہلے چند ماہ قدرے سکوت اختیار فرما لیا تھا۔ انتہائی ضعیفی اور علالت کے باوجود قوتِ بصارت و سماعت اور فہم و فراست تادمِ آخر بالکل درست اور صحیح و سلامت رہے۔ زندگی بھر آپ کا ذوق و شوق اِنتہائی کمال کے باوجود بھی ہمہ دم تازہ اور نو بنو معلوم ہوتا۔ باوجودیکہ آثارِ محبوبیت آپ کے وجودِ اطہر سے چھلکتے ہوئے پیمانہ کی طرح نمایاں طور پر محسوس ہوتے تھے۔ مگر طلبِ صادق اور عشق و محبت ہمیشہ ترقی پذیر ہی رہے۔ بحرِ فیوضات و برکات کی تشنہ لبی اور عالی ظرفی و وسعتِ قلبی کا بیان جامۂ الفاظ میں کہاں سما سکتا ہے۔

مرض الموت

آپ عرصۂ دراز سے علیل تو رہا ہی کرتے تھے۔ مگر وصال شریف سے کچھ عرصہ پہلے آپ کی صحت انتہائی تشویشناک اور نازک صورت اختیار کر گئی۔ خبرِ علالت ہر چہار جانب بادِ خزاں کے تند و تیز جھونکوں کی طرح اہلِ محبت کے قلوب کو مسموم کرتی ہوئی پھیل گئی۔ پاکستان اور بھارت سے اکثر و بیشتر وابستگانِ دامنِ رحمت بے قرار دیوانہ وار

کھنچے چلے آتے تھے۔ ہر طرف اضطراب و بے چینی کی لہر دوڑ گئی۔ ہر طرف اہلِ محبت کا سیلِ رواں نظر آرہا تھا۔ آپ کی طبیعت مبارک لمحہ بہ لمحہ نازک صورت اختیار کرتی چلی جا رہی تھی۔ آخرکار ۱۰ ذوالحجہ ۱۳۷۴ ھ کا دن آپہنچا۔ آپ نے نہایت کمزوری اور علالت کے باوجود نمازِ عیدالضحیٰ بستر پر اشاروں سے ادا فرمائی۔ اور یوں آپ نے بندگی کا ھدیہ بارگاہِ ربّ العزّت میں پیش فرمایا۔

وفاتِ حسرت آیات

یقیناً دنیا کا ہر نقش فنا پذیر ہے۔ دولتِ بقا انہی نفوسِ قدسیہ کو ملتی ہے کہ جنکی ہستی کی موج خدائے واجب الوجود کے اتھاہ سمندر میں فنا ہو جاتی ہے۔ جس طرح قطرۂ آب دریا میں مل کر دریا ہو جاتا ہے۔ اسی طرح خاصانِ خدا بھی بحرِ وحدت کی وہ آبدار و تابناک امواج ہیں۔ جو "حیّ و قیوم" کے دائم الوجود سمندر میں مل کر ہمیشہ باقی رہتی ہیں۔ اور ان کو ہمیشہ بقا ہے۔

آہ!

کسی طرح تحریر میں لایا جائے کہ فیوض و برکات کا یہ بحرِ بیکراں اور رشد و ھدایت و معرفت کا یہ آفتاب کہ جس کی شعاعوں نے چار دانگ عالم میں نورِ معرفت و ولایت کا اُجالا پھیلایا۔ بتاریخ ۱۰ ذوالحجہ ۱۳۷۴ ھ مطابق ۳۱ جولائی ۱۹۵۵ ء بروز یکشنبہ سات بج کر تیس منٹ پر غروب ہو گیا۔ اور عیدِ قرباں کی مسرتیں شامِ غریباں میں تبدیل ہو گئیں۔ اِنّا للہ و انّا الیہ راجعون۔ ؎

عمرھا در کعبہ و بُت خانہ می نالد حیات
تا ز بزمِ ناز یک دانائے راز آید بروں

آپ کے سینکڑوں خلفاء سلسلۂ عالیہ کی خدمات بجا لانے میں کما حقہ مصروف ہیں۔ اور یوں بفضلِ ایزدی متلاشیانِ حق تا قیامت آپ کے فیوضات اور انوار و برکات سے روشنی حاصل کرتے رہیں گے۔

خبردار

اللہ کے ولی مرتے نہیں بلکہ ایک مکان سے دوسرے مکان میں نقل فرماتے ہیں
(الحدیث) ؎

ہرگز نمیرد آں کہ دِلش زندہ شُد بعشق
ثبت است بر جریدۂ عالم دوامِ ما (حافظؒ)

تصرّفِ خاص بعد وفات

بعد وفات آپ بسترِ راحت پر نہایت پُر سکون حالت میں محوِ خواب نظر آ رہے تھے۔ رُخِ انور نہایت ہی تر و تازہ اور ہشاش بشاش انوار و تجلّیات کے جلووں سے جگمگا رہا تھا۔ صاحبزادۂ محترم جناب محمد عبد الرؤف شاہ صاحب، آپ کے سینۂ اطہر سے لگے ہُوئے تھے اور حضرت قبلہ جناب پیرستان شاہ صاحب مدظلہٗ العالی آپ کی داہنی جانب تشریف فرما تھے اور جناب قبلہ پیر غلام محمد شاہ صاحب مدظلہٗ، راولپنڈی والے آپ کے قدومِ میمنت لزوم سے لپٹے ہُوئے تھے کہ دریں اثناء حضرت پیر غلام محمد شاہ صاحب نے فرمایا۔ دیکھیے حضرت سراپا برکت کی نبض چل رہی ہے۔ دیگر احباب بھی اس امر سے چونکے اور نبض کو دیکھا تو وہ چل رہی تھی۔ اسی طرح نبض کبھی چلتی اور کبھی رُک جاتی۔ یہ سلسلہ کافی دیر تک قائم رہا۔ اِس طرح اُمڈتا ہُوا طوفانِ اشک و غم تھم گیا اور سکون پیدا ہوگیا۔ یہ آپ کا ایک عظیم الشان تصرّف تھا کہ انتہائی بے قراری کے وقت بھی عالم کو محوِ حیرت کر دیا۔ اور ہر زائر آپ کی آخری زیارت سے مشرّف ہو کر یہی محسوس و معلوم کرتا کہ آپ محوِ استراحت ہیں۔ اور بظاہر مفارقتِ دائمی کا کوئی اِمکان ہی معلوم نہ ہو رہا تھا۔ آپ کے تصرّف سے سب کے قلوب مطمئن ہو چکے تھے۔ مگر درحقیقت آپ واصل باللہ ہو چکے تھے

حضرت ممدوح قدس سرہ السامی کے واصل باللہ ہونے کی اطلاع مقامی طور پر زبانی اور غیر مقامی طور پر بذریعہ ٹیلیگرام فوراً کی گئی۔ خبر پھیلنے کی دیر تھی۔ ایک ہجوم بے پناہ بطور تعزیت دل گرفتہ و نم دیدہ آستانۂ عالیہ پر نظر آنے لگا۔ دوسرے

دن ۵ بجے شام غسل دیا گیا۔

تعزیت کے لیے آنے والوں کا بے پناہ ہجوم دیکھ کر یہ طے کیا گیا کہ رہائشی مکان کا دروازہ بند کر لیا جائے۔ مبادا کہ غسل دینے کے دوران کثیر تعداد میں لوگ داخل طور پر آ پہنچیں۔ حضرت قبلہ پیرستان شاہ صاحب مدظلہٗ اور سلسلۂ عالیہ کے صرف چھ سات مقتدر نفوس اندر رہے اور دروازہ بند کر لیا گیا۔ غسل کے بعد فوراً نمازِ جنازہ کا اہتمام کیا گیا۔

اھالیانِ جیون ھانہ کی آرزو

اھالیانِ جیون ھانہ گارڈن ٹاؤن لاہور کی استدعا پر آپ کے جنازہ کے ساتھ لمبے لمبے بانس باندھ کر بہت سے لوگوں نے آپ کا جنازہ اُٹھانے کی سعادت حاصل کی اور قصبہ بھر میں آپ کا جنازہ اٹھا کر پھیرا لگایا گیا اور عاشقانِ جمالِ جہانگیری نے اپنے محبوب کے آخری دیدار سے مشرف ہوئے۔ اس طرح کمزور و ضعیف لوگ اور مستورات نے بھی زیارت کا شرف حاصل کیا۔

نمازِ جنازہ

خانقاہ شریف کی حدود میں نمازِ جنازہ ادا کی گئی۔ امام المفسرین حضرت علامہ ابوالحسنات سید محمد احمد صاحب قادری نے امامت کی۔ شمار کیا گیا کہ انیس صفیں نمازِ جنازہ میں قائم ہوئیں اور ہر صف تقریباً اڑھائی سو افراد پر مشتمل تھی۔ نمازِ جنازہ کے بعد خانقاہ شریف ہی میں آپ کے پسندیدہ مقام پر دفن کیے گئے۔ آپ نے صرف چھ سال کا عرصہ لاہور میں بسر فرمایا۔ اور اس انتہائی قلیل عرصہ میں اھلِ لاہور آپ کے گرویدہ ہو گئے۔

مزارِ مبارک

آپ کا مزار مبارک بمقام بستی جیون ھانہ گارڈن ٹاؤن فیروز پور روڈ لاہور زیارت گاہ خواص و عوام ہے۔

سلام

دو عالم میں پیارے سلامٌ علیکم
رضا کے دُلارے سلامٌ علیکم

شکوری تجلّی جو تاروں نے دیکھی
فلک سے پکارے سلامٌ علیکم

کرم ہو کرم یا شکورؒ اب کرم ہو
مکرم ہمارے سلامٌ علیکم

تمہیں ہو تمہیں سہارا ہمارا
ہمارے سہارے سلامٌ علیکم

بھکاری تجلّی کے سب منتظر ہیں
عطا ہوں نظارے سلامٌ علیکم

کرم کے اشاروں کی حسرت ہے سب کو
ذرا ہوں اشارے سلامٌ علیکم

خدائی ہیں توحید و قرآں کے حامی
محمدؐ کے پیارے سلامٌ علیکم

حضوری میں جتنے بھی حاضر ہیں زیبا
کہیں مل کے سارے سلامٌ علیکم

دیگر

اکثر اوقات حسبِ ذیل سلام بھی پیش کیا جاتا ہے:

السلام اے باخدا و باصفا
السلام اے جانشینِ مصطفیٰ

السلام اے مرتبہ دانِ پیار
السلام اے عبدِ حق کے شہسوار
السلام اے تابعِ فرمانِ حق
السلام اے واقفِ عرفانِ حق
السلام اے با شریعت باخبر
السلام اے با طریقت با نظر
السلام اے پیروِ حکمِ نبی
السلام اے آشنائے ہر ولی
السلام اے قادری چشتی حسیں
السلام اے جلوۂ اسرارِ دیں
السلام اے جذبِ رنگِ بو العلا
السلام اے منبعِ حسنِ ادا
السلام اے از جہانگیری جمال
السلام اے باکمال و خوش خصال
السلام اے ذوق بخشِ حسنِ ذوق
السلام اے حاصلِ صد ذوق و شوق
السلام اے جوشِ موجِ معرفت
السلام اے شرحِ ادرجِ معرفت
السلام اے ہم فقیروں کے رئیس
السلام اے ہم غریبوں کے انیس
السلام اے مرکزِ جذب و سرور
السلام اے سیدی و مرشدی عبدالشکورؒ

بشارت اے مرشد السلام
السلام اے باب زیبا السلام

تاریخ وفات کے لیے اکثر شعراء نے طبع آزمائی فرمائی۔ اُن میں سے جو تاریخی قطعات موصول ہو سکے، درج ذیل ہیں:

۱۔ اثر: سید ولایت حسین آفتاب اکبر آبادی

وہ جانشینِ جناب رضا حضورِ شکور | امامِ اہلِ یقیں تاجِ اولیائے زمیں
وہ صاحبِ باطن و صوفی ضمیر صاحبِ دل | وہ ایک مردِ حق آگاہ رازِ حق کا امیں
اسی نے درسِ فنا فی الوجود دے کے ہمیں | بتا دیا کہ یہ ہیں راز ہائے چرخِ بریں
نمازِ عید اشاروں سے پڑھ کے عید کے دن | بوقتِ شام ہوا عازمِ بہشتِ بریں
نثار شمع پہ جیسے ہوتے ہیں پروانے | ہیں لوگ اس کے جنازہ پہ صورتِ پروین
وصال پا کے نہال زیرِ خاک ہوتا ہے | سنِ وفات لکھیں اس کا مہر و ماہِ مبیں

وہ انعکاسِ شعاعِ رضا گنجِ مرکزِ جود
۱۹۵۵ء
وہ آفتابِ ہدایت نما چراغِ یقیں
۱۳۷۴ھ

۲۔ اثر: میر روحی لکھنوی قائلی شکوری قادری کراچی

اے شمعِ بزمِ کون و مکاں تاج الاولیاء | فخرِ زمین و فخرِ زماں تاج الاولیاء
اے صد بہارِ گلشنِ فیضِ دودمانِ قادری | ہیں برالعلا کے سرورِ رواں تاج الاولیاء
سلطانِ سالکین ہو سلطانِ عارفین | ہو اہلِ معرفت کا نشاں تاج الاولیاء
ذی جاہ و ذی جلالت ذی شان و ذی شرف | صورت سے نورِ غوث عیاں تاج الاولیاء

سالِ وصال رومی یہ ہاتف نے کہہ دیا
شاہ شکور، شاہِ جہاں تاج الاولیاء

۱۳۷۴ھ

۳- اثر: سہیل شکوری زیبائی

پیرِ کامل، ماہِ تابانِ رضاؒ — وہ درخشاں مہرِ عرفانِ رضاؒ
آسمانِ معرفت کا آفتاب — خلد میں ہے آج مہمانِ رضاؒ
راہِ تسلیم و رضا کا ماہتاب — ساقیٔ میخانۂ عرفانِ رضاؒ
پیرِ کامل، عید کی شب چل بسا — پیکرِ عہد و وفا جانِ رضاؒ
دسویں ذوالحجہ کو بوقتِ عینِ شام — چھپ گیا خورشیدِ تابانِ رضاؒ
عیدِ قرباں، ہائے یہ کیسا اَلَم — ماتمی ہے آہ آج ایوانِ رضاؒ

سالِ غم آغوشِ رحمت ہے سہیل
۱۹۵۵ء
خلد میں ہیں آج مہمانِ رضاؒ

۱۳۷۴ھ

۴- اثر: حکیم شیفتہ کانپوری

طالب الواصلین کا روضہ — سیّد السالکین کا روضہ
چشمۂ فیض کا ہے سرچشمہ — اکمل الکاملین کا روضہ
رہبرِ راہِ منزلِ عرفاں — سیّد العارفین کا روضہ
بن گیا جلوہ گاہِ شاہ رضا — عارفِ حق نشین کا روضہ
ہاں یہ ہے حضرتِ شکوری میں — ہے یہی شمعِ دین کا روضہ
شیفتہ کوئی بھول سکتا ہے — راحت العاشقین کا روضہ

برسرِ فرش مظہرِ برکات
قطب العارفین کا روضہ

۱۳۷۴ھ

۸۔ اشِر: غیاث الدین شیدا جہانگیری نصیر آبادی

وہ تاج الاولیاء، شاہِ ولایت نیرِ تاباں
شہِ عبدالشکورؒ، اِک پیرِ کامل حاملِ عرفاں

جسے روحانیت میں اِک مقامِ خاص حاصل تھا
جو ہر ساعت خدا کی رحمتوں کے ساتھ واصل تھا

وہ جس کے رات دن تبلیغِ دینِ حق میں گزرے ہیں
وہ جس کی شان کے افلاک پر اڑتے پھریرے ہیں

وہ جس کو ہر قدم پر پاس تھا دینِ شریعت کا
وہ جس پر منکشف تھا رازِ سربستہ طریقت کا

وہ جس نے ہر قدم پر آدمی کو دی حیاتِ نو
حقیقت معرفت کے جس نے سمجھائے نکاتِ نو

وہ جس نے گلستانِ بوالعلاءؒ کی آبیاری کی
وہ جس نے پھر سے کر دی تازہ دورِ نبیؐ کی

وہ جس نے میکشوں کو بخش دی کیفیتِ عرفاں
وہ جس نے آدمیت کو عطا کی دولتِ ایماں

وہ جس کے فیضِ روحانی سے اک عرفانیت پھیلی
وہ جس سے پاک و ہند میں روحانیت پھیلی

وہ انسانِ مکمل، پیکرِ صدق و وفا، شیدا
کہ جس کو دیکھ کر دل میں سرور و کیف ہو پیدا

وہ تھا ذی الحجہ کی دس تاریخ کو بے چین خلوت میں
خدا نے اس کو فوراً لے لیا آغوشِ رحمت میں

۱۹۵۵ء

۶ - اشِر: صدیق احمد لکھنوی بھوسہ منڈی امین آباد لکھنؤ

جن کے چہرے سے صفاتِ ملکوتی ظاہر
جن کے جلوے تھے جمالِ احدی کی تصویر
جن کے عادات و خصائل تھے رضا کارانہ
جن کے اخلاق کی ملتی نہیں دنیا میں نظیر
ہر قدم منزلِ وحدت، ہمہ دل [illegible]
ہر نظر زلفِ شریعت کے کرشموں میں اسیر
ہمہ نفس پیرِ طریقت کی وِلا سے مملو
ہمہ صدا دل کی، نوا سنجِ خیالاتِ منیر

اُن کے اقوال کی قدرداں کا تعین مشکل
اُن کے افعالِ گرامی سے دو عالم تسخیر
اُن کی نظروں کے اشاروں سے حقائق روشن
اُن کے الفاظ حدیثوں کی مرصّع تفسیر
اُن کے لمعات سے آئینہ ہستی پُر نور
ان کے وجدان سے مسحور صغیر اور کبیر
سینکڑوں طالبِ رہ خالہ نے دولت پائی
فیض سے جس کے درخشاں ہُوا انجمِ تقدیر
ان کا ہر نقشِ قدم انکے رہ دارِ منزل
مُنہ سے ہر بات نکلی ہوئی پتھر کی لکیر
بے شمار اُن کے مریدوں میں ہیں ایسے انجم
بننے والے ہیں جو خورشیدِ فلک، بدرِ منیر
ان کی دہلیز پہ دیوانے بھی فرزانے بھی
ان کے دربار میں یکساں ہیں امیر اور فقیر
ساغرِ وصل سے مشکور ہوئے عبدِ شکورؒ
ان کو حاصل ہُوا دیدارِ خدا وندِ قدیر
ان کی بخشش کی دُعا کوئی کرے یا نہ کرے
میرے ایقان میں جنّت ہے اُنہی کی جاگیر
ان کی رحلت کا تصوّر بھی گراں تھا صدّیق
کیوں نہ اِس حادثۂ غم سے ہو دُنیا دلگیر
آرزو ہے کہ اسی طرح " رؤفِ نیئّد "
بزمِ ہستی میں رہیں با اثر و توقیر

فکرِ تاریخ جو کی، ہاتفِ غیبی نے کہا
چشمِ ظاہر سے نہاں ہو گئی روشن تحریر

۱۳۷۴ھ

۷۔ اثر: حضرت مولانا ضیاء القادری بدایونی دامت برکاتہم کراچی

باہرِ خدا شاہ عبدالشکورؒ — ز آفاق چوں با اہلِ خلد شد
فلک گفت سالِ وصالش ضیاؔ — ولیِ جہاں داخلِ خلد شد

۱۳۷۴ھ

دیگر

محوِ ذاتِ کبریا عبدالشکورؒ — جاں نثارِ مصطفےٰ عبدالشکورؒ
نو بہارِ چار یار و پنجتن — نونہالِ مرتضےٰ عبدالشکورؒ
رونقِ سجادۂ اقلیمِ عشق — تاجدارِ اصفیاء عبدالشکورؒ
سرگروہِ مجلسِ اہلِ طریق — صدرِ بزمِ اولیاء عبدالشکورؒ
مردِ مومن، زاہدِ شب زندہ دار — متقی و پارسا عبدالشکورؒ
بوالعلائی، نظامی، قادری — شیخِ اربابِ صفا عبدالشکورؒ
وا دریغا عازمِ جنت ہوئے — دلبرِ خیرالوریٰ عبدالشکورؒ
ہیں مشائخ ان کے غم میں اشکبار — ہیں مریدوں سے جدا عبدالشکورؒ
وقفِ غم اہلِ عقیدت ہیں تمام — چل بسے شاہِ ہدیٰ عبدالشکورؒ
ہے گذر اپنا وہاں تک اب محال — ہیں جہاں جلوہ نما عبدالشکورؒ
جنت الفردوس میں ہیں میہماں — ہیں حقائق آشنا عبدالشکورؒ

اے ضیاؔ مردم کی سالِ وصال
کہیے: مہمانِ خدا عبدالشکورؒ

۱۳۷۴ھ

دیگر

پیرِ زماں، قطبِ جہاں، شیخِ ھدا عبدالشکورؒ
سردارِ بزمِ اولیاء تھے دَورِ حاضر میں حضور
ہو کر فنا فی الذّاتِ حق واصل الی اللہ ہو گئے
ہیں اُن کے دردِ ہجر سے مغموم اربابِ شعور
کل اُن کی ذاتِ پاک سے تھی اِک خدائی فیض یاب
صد حیف آج اُن کے لیے ہر قلب و دل ہے ناصبور
قُربِ نبیؐ بعد فنا جنّت میں حاصل ہے اُنھیں
مرقد پہ اِن کے سائباں ہے رحمتِ ربِّ غفور
مخدومِ حق آگاہ کی تاریخِ رحلت لکھ ضیا
شیخ حبیب العارفیں ۔ مخدومنا عبدالشکورؒ

۱۳۰۷ھ ۱۹۵۵ء

دیگر

شیخ عبدالشکور چوں زجہاں کرد رحلت بسوئے باغِ ارم
ھاتف از من ضیا سنِ وصلش گفت "امیر المشائخ عالم"

۱۳۰۷ھ

دیگر

مائل بہ انقلاب ہے عہدِ رواں کا حال دُنیا سے اُٹھتے جاتے ہیں اخیارِ باکمال
خواجہ حسنؒ کی موت ہی کیا کم تھی حشر خیز یہ دُوسرا ہے حادثۂ پُر غم و ملال
عبدالشکور شیخِ طریقت بھی چل بسے ہے آپ کا بھی ہوش رُبا سانحۂ وصال
تھے آپ اِس زمانے کے سرتاجِ اصفیاؒ اہلِ صفا میں آپ تھے اِک پیرِ بے مثال
پروردگار آپ کو جنت کرے نصیب بے پردہ دیکھیں خلد میں انوارِ ذوالجلال

مرحوم کے وصال کی تاریخ لکھ ضیا
عبدالشکور پیرِ مکرّم "بزرگ" سال

۱۳۷۴ھ

۸ - اثر : سیف الرحمٰن، فداالملک عرشیؔ اجمیری شکوری بمبئی

آج چاروں طرف اندھیرا ہے　　ہو گئی شمعِ معرفت خاموش
ساقیِ میکدہ کی فرقت میں　　پیکرِ رنج و غم ہے ہر مے نوش
شاہِ عبدالشکورؒ رہبرِ دیں　　مردِ حق آگاہ، سالکِ با ہوش
ہو گئے چشمِ ظاہری سے نہاں　　کیوں نہ دل سے اٹھے صدائے خروش
دسویں ذوالحجہ تھی روزِ یک شنبہ　　جامِ وصلِ خدا کیا جب نوش
مظہرِ سالِ شمسی و قمری　　ہر طرف ہے یہی صدائے سروش

کہہ دو تاریخ وصل اب عرشیؔ
مہرِ عرفانِ رب ہوا رو پوش

۱۳۷۴ھ

۹ - اثر : مولانا نشترؔ مقتدری سکندر آبادی از کراچی

مسند نشیں شاہِ رضا کے وصال سے

آنکھیں ہیں اشک ریز تو دِل ناصبور آج
دم سے نصیب اُن کے تھا کل تک قرارِ دل
ہر روز فرطِ غم سے ہے یوم النشور آج
کل شام شمع بزمِ طریقت ہوئی وہ گُل
پروانے سب ہیں خاک بسر قرب و دُور آج
ہر سمت طالبانِ حق　　ہیں تشنہ کام
مطلوبِ حق ہے اپنے خدا کے حضور آج

نشترؔ تھی فکرِ سال کہ ہاتف نے دی آواز
لکھ دے : مقامِ خُلد ہے جائے شکورؒ آج

۱۲۷۴ھ

دیگر

روئے پُر نور، صفا قلب، تبسّم بر لب
جب جہاں سے ہوئے رخصت بایں تصورِ شکورؒ

پئے تاریخ، محبت سے پکارا رضواں
باغِ فردوس ہے آجا تیری جاگیر شکورؒ

۱۲۷۴ھ

دیگر

دارِ فانی سے ہوئے رخصت شہِ عبد الشکورؒ
خون فشاں ہے اُن کے غم میں آنکھ ہر اک دلِ حزیں

فکر تھی نشترؔ کو لکھوں ان کی تاریخِ وصال
ھاتفِ غیبی نے دی آواز داغِ شاہ دیں

۱۲۷۴ھ

دیگر

وہ عبد الشکور عزیز رضا شاہؒ
جو تھے کل طریقت پہ چھائے

لکھی اُن کی نشترؔ نے تاریخ رحلت
چراغِ طریقت بجھا آج ہائے

۱۹۵۵ء

دیگر

بسوئے فردوس جانشینِ شاہِ رضا جو گئے جہاں سے
انھیں شہید رضائے حق یا حبیبِ ربِّ غفور کہہ دے
ہوئی جو یہ فکر مجھ کو نشترؔ کہ سالِ ترحیل اُن کا لکھوں
ندا یہ ہاتف نے غیب سے دی ؛ ولیِٔ آخر شکور کہہ دے

۱۲۷۴ھ

دیگر

وہ عارف باللہ و محبوبِ جہانگیرؒ
جس ذات سے قائم تھیں طریقت کی روایات

وہ شانِ شہنشاہِ رضا جس سے تھی باقی
وہ جس سے کہ حل ہوتی تھیں دنیا کی مہمات

وہ جس کا کہ اخلاق میں ثانی نہ تھا کوئی
وہ جس کی کہ اخلاص میں ڈوبی ہوئی ہر بات

وہ ذات جو مظہر مسیحا نفسی کی
وہ جس کی نگاہوں میں پلیں لاکھ کرامات

وہ راہبر منزلِ حق، خضرِ طریقت
وہ دیں کی اشاعت میں کٹے جس کے اوقات

وہ انجمنِ عشق کی اِک شمعِ منور
وہ بارگاہِ حسن میں عالی درجات

وہ فیض سے جس کے ہوا سیراب زمانہ
وہ جس کی ہیں دنیا کی زبانوں پہ حکایات

وہ چھوڑ گیا اپنے غلاموں کو خدا پر
وہ لے گیا اپنے ساتھ فیوض و برکات

القصہ جو نشتر تھا فدا حسنِ رضا پر
میدانِ رضا میں ہوا قربان رضا رات

۱۹۵۵ء

حلیہ مبارک

درمیانہ قد - رنگ ملیح - چہرہ ماہتابی - فراخ پیشانی - دانت موزوں - بینی مبارک نہایت نفیس اور خوبصورت، ریش مبارک سفید نورانی اور قدرے گھنگریالی مشت بھر لمبی - سینہ مبارک کشادہ - موئے سر مبارک تابشانہ - سینہ مبارک اور شانوں و کانوں پر کچھ بال - دست و بازو نہایت قوی - انگشت ہائے نرم و نازک - وجودِ مسعود کا زیریں حصہ نہایت لطیف و نحیف - آواز بلند و باوقار - وضع قطع سادہ - کلام شیریں بے ساختہ باتیں - آنکھیں سفید سیاہی مائل - نگاہ پرکشش و دلفریب -

لباس مبارک

سر پہ چکن کے کپڑے کی گول کلاہِ غوثیہ رکھا کرتے - سردیوں میں عموماً گرم کپڑے کا کنٹوپ استعمال فرماتے - گرمیوں میں اکثر سفید چکن کا کرتہ زیب تن فرمایا جاتا - اور چارخانے دار مدراسی کپڑے کی دھوتی یا تہبند استعمال فرماتے - کبھی پاجامہ بھی استعمال فرما لیتے - سردیوں میں گرم کپڑے کی قمیص اور چسپت پاجامہ مرغوب خاطر ہوا کرتا - پاؤں میں عموماً باٹا کی چپل پہنا کرتے اور سفر کی حالت میں تسمے دار بوٹ بھی

استعمال فرمایا جاتا۔ سردیوں میں روئی سے بھری ہوئی صدری یا گرم کپڑے کی واسکٹ بھی استعمال فرمائی جاتی۔ اور کوٹ اور کمبل یا لوئی بھی استعمال ہوا کرتی۔ کمبل یا لوئی کا رنگ عموماً بادامی ہوا کرتا تھا۔

سجادہ نشینی

۱۹۳۶ء میں بمقام نصیر آباد چھاؤنی (اجمیر شریف) آپ نے اپنے ہر سہ صاحبزادگان (۱) حکیم علی احمد شاہ صاحب عرف علاءالدین شاہ (۲) جناب عبدالستار شاہ صاحب تیغ (۳) محمد عبدالرؤف شاہ صاحب نیرؔ کو اجازت و خلافت سے نوازا اور منجھلے صاحبزادہ محترم جناب عبدالستار شاہ صاحب کے حق میں سجادہ نشینی کا انتخاب و اعلان فرمایا۔ جو کہ ۱۹۴۶ء میں چند روز علیل رہ کر بمقام بمبئی وصال فرمایا۔ جہاں مرحوم کے متوسلین بے شمار تعداد میں سلسلۂ عالیہ کی اشاعت کی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ آپ کا مزارِ مبارک مسلم قبرستان نمبر ۱ ناریل باڑی بمبئی میں درگاہِ ستاریہ کے نام سے مشہور ہے

موصوف مرحوم کے بعد پھر سجادہ نشینی کا معاملہ زیر بحث آیا۔ آپ کے معزز و محبوب خلفاء جناب حضرت قبلہ پیرستان شاہ صاحب روحی فداہ اور جناب سید غلام محمد صاحب مدظلہٗ العالی نے سجادہ نشینی کے اعلان فرمانے کی گزارش کی تو آپ نے سجادہ نشینی کے معاملہ کو سپردِ خدا فرماتے ہوئے فرمایا کہ میں نے عمر بھر سلسلۂ عالیہ کے معاملات میں ذاتی اغراض و مقاصد سے کنارہ کشی کی ہے۔ میں اللہ تعالیٰ کا ایک ہتھیار ہوں۔ چاہنے والا جو کچھ چاہے کرے۔ ہتھیار بذاتِ خود کیا کر سکتا ہے۔ اور میرا عمل ہمیشہ رائے عامہ سے وابستہ رہا ہے۔

لہٰذا فیصلہ یہی ہے کہ میرے بعد سجادگی کے معاملہ میں آپ لوگ مل کر جو فیصلہ کر لو گے۔ وُہی صحیح ہوگا۔ اور میرا فیصلہ وہی ہوگا۔ بلکہ خدا و رسول کا فیصلہ بھی وُہی ہوگا۔ دونوں صاحبزادے تعلیم و تلقین کے اہل ہیں۔ اور میرا فرض یہی کچھ تھا۔ آگے اللہ تعالیٰ جو کچھ چاہے گا وُہی ہوگا۔

آخر ۱۲ ستمبر ۱۹۵۶ء کو مجمع عام میں ہر دو صاحبزادگان کی موجودگی میں بہ حیثیت

عالیجناب حضرت علامہ مولینا ابوالحسنات سید محمد احمد صاحب قادری صدر مرکزی جمعیۃ العلماء پاکستان صاحبزادہ محترم جناب محمد عبدالرؤف شاہ صاحب کو سجادگی کے لیے نامزد کیا گیا اور دستار بندی کی رسم ادا کی گئی۔ جس کا اعلان لاہور و کراچی کے اخبارات میں شائع ہوا اور بذریعہ ڈاک پاک و ہند میں مقیم تمامی اہلِ سلسلہ حضرات کو مطلع کیا گیا اور سجادہ نشین موصوف نے نمایاں تر ذوق و شوق کے ساتھ سلسلۂ عالیہ کی تبلیغ و ترویج میں اصولی طور پر حصہ لینا شروع کیا۔ مگر ہزارہا افسوس کہ موصوف تھوڑے عرصے بعد ہی داعیٔ اجل کو لبیک کہہ کر واصل باللہ ہو گئے ؎

حیف در چشم زدن صحبتِ یار آخر شُد
رُخِ گل سیر ندیدیم و بہار آخر شد

آپ کے پیر و مُرشد حضرت شاہ محمد نبی رضا خاں بہت ہی بڑے کامل بزرگ تھے۔ لہٰذا مختصر طور پر آن کا بھی ذکر کیا جاتا ہے۔

حضرت شاہ محمد نبی رضا خاں
کی
ولادتِ باسعادت

آپ کی ولادتِ باسعادت ۲۵ ربیع الاوّل ۱۲۸۶ھ بروز دوشنبہ بمقام قصبہ بھبوڑی شریف ریاست رام پور میں ہوئی۔

حُلیہ شریف

دراز قد۔ کسرتی جسم۔ گول آفتابی چہرہ۔ فراخ پیشانی۔ رنگ صبیح و ملیح۔ دانت مبارک لمبے۔ سینہ و شانہ مبارک پر بال۔ سینہ مبارک نہایت ہی کشادہ۔ ریش مبارک گھنی اور گول۔ آواز

بلند با وقار۔ موئے مبارک، سر تا بشانہ۔ وضع سادہ۔ گفتگو بے ساختہ اور بے تکلف۔

غرض کہ بمصداق واللہ جمیل ویحب الجمال کے دستِ قدرت نے آپ کو حُسن وجمال بھی عطا فرمایا تھا۔ خاص وعام آپ کو یوسفِ ثانی کہتے۔

ما کہ در شکلِ یار حیرانیم
وصفِ اوصافِ او کجا دانیم

آپ کے والدِ بزرگوار مولانا شاہ حسن رضا خاں ممتاز رؤسا و شرفا میں سے تھے۔ والدہ ماجدہ حضرت خان محمد حیات خاں رئیسِ اعظم داتا گنج ضلع بدایوں (ہندوستان) کی دخترِ نیک اختر تھیں۔

آپ کے والدِ ماجد ۲۱ رجمادی الاول ۱۳۵۴ھ اور آپ کی والدہ ماجدہ ۲۶ رجمادی الاول ۱۳۳۵ھ کو اِس دارِ فانی سے رحلت فرما گئے۔

بچپن و تعلیم

چار سال چار ماہ چار دِن کی عمر میں رسمِ بسم اللہ شریف ادا ہوئی۔ قرآن کریم مع قرأت آپ نے بہت جلد پڑھ لیا۔ اس کے بعد علومِ متداولہ عربی، فارسی، ریاضی اور تاریخ وغیرہ کی تکمیل فرمائی۔ آپ کے اساتذۂ کرام میں سے حضرت مولانا جمشید علی خاں، حضرت مولانا محمد حسین اور حضرت مولانا ولایتی میاں قابلِ ذکر ہیں۔

تکمیلِ تعلیم کے بعد آپ جب سِنِ شعور کو پہنچے تو ذاتی جوہر فنِ سپاہ گری اور پہلوانی سے آپ کو دلچسپی پیدا ہوئی۔ پھر فوج میں ملازم ہوئے اور ترقی کی۔ بعد ازیں ملازمت ترک کر دی۔

جناب نواب سر سلیم اللہ خاں رئیسِ اعظم ڈھاکہ، جناب نواب حیدر علی خاں صاحب رئیس کروٹیہ ضلع میمن سنگھ آپ کے قدردان ہوئے۔ کچھ عرصہ آپ نے وہاں ملازمت کی۔

بیعت

ایامِ ملازمت میں ہی آپ کو حضرت قبلۂ عالم فخر العارفین محمد عبد الحیٔ قدس سرہٗ العزیز مرزا کھیل شریف ضلع چاٹگام شریف سے شرفِ بیعت حاصل ہوا۔

کچھ عرصہ بعد آپ اپنے پیر و مُرشد حضرت قبلۂ عالم فخر العارفین شاہ محمد عبد الحیٔ کی خدمت میں ۱۵ ار جمادی الثانی بموقع عرس شریف جناب قطب الاقطاب مخدوم الملک احمد عبد الحق ردولی شریف حاضر ہوئے۔ آپ کے پیر و مُرشد نے وہیں آپ کو نعمتِ خلافت سے سرفراز فرمایا۔ چند ایام خدمتِ اقدس میں گزارنے کے بعد آپ رُخصت ہو گئے۔

ملازمت سے استعفیٰ دے کر آپ اپنے وطنِ مالُوف واپس تشریف لائے۔

حالاتِ وطن

جب آپ کے خاندان کے لوگوں کو آپ کی سرفرازیٔ خلافت کا علم ہُوا تو وُہ ملنے آئے۔ ان میں سے ایک بزرگ نے کہا کہ آپ بہت دُور دراز مرید ہوئے ہیں۔ قریب ہونے سے پیر و مُرشد کی ملاقات آسان ہوتی ہے۔ دُعا مراد بر آری کی معروضات میں سہولت ہوتی ہے۔ چاٹگانگ سے پیرِ صاحب کا آنا اور آپ کا وہاں جانا دونوں کام مُشکل ہیں۔ یہ باتیں سُن کر آپ خاموش رہے۔ مگر طبیعت پر گراں گزرا۔ اس تشویش کی حالت میں حجرے میں بند ہو گئے اور ارادہ کیا کہ جب تک اطمینانِ قلب نہ ہوگا حجرے سے باہر نہ آؤں گا۔ پیر و مُرشد کی رُوحانیت کی طرف رجُوع کیا۔ امداد چاہی اور یادِ الٰہی میں مشغول ہو گئے۔ تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ ایک آواز گولہ پھٹنے کی مانند آپ نے سُنی۔ اس آواز کے ساتھ ہی تمام حجرہ مُنوّر ہو گیا اور یہ محسوس ہُوا کہ حجرے کی چھت شق ہوئی اور قرصِ آفتاب حجرے میں طلوع ہُوا۔ دیکھا تو حضرت پیر و مُرشد تشریف فرما ہیں۔ آپ کے پیر و مُرشد نے آپ سے فرمایا "خاں صاحب قُرب و بُعد دیکھ لیا۔" اس مشاہدہ اور زیارت سے آپ کو ایک خاص اطمینان اور سکُونِ قلب عطا ہُوا۔

؎ دستِ پیر از غائباں کوتاہ نیست

حضرت شاہ محمد نبی رضا خاں صاحب کے پیر و مُرشد نے شاہ محمد نبی رضا خاں صاحب سے ارشاد فرمایا۔ "خاں صاحب آپ نے شاہنامہ پڑھا ہے۔" آپ نے اثبات میں جواب دیا۔ "فرمایا یہ راستہ رُستم و اسفندیار کے ہفت خواں سے بھی زیادہ مُشکل ہے۔" یہ سُن کر آپ نے بڑا زبردست مجاہدہ کیا۔ شجاعت آپ کا ذاتی جوہر تھا۔ اس عالی ہمتی سے خدا طلبی کی راہ میں چلے اور کامیاب ہُوئے۔

ریاضت و مجاہدہ

قیامِ وطن کے زمانہ میں ریاضت و مجاہدہ بکثرت کیا۔ ایک اور روایت کے مطابق ایک وضو سے چالیس ۴۰ روز کا چلّہ مکمل کیا۔ کچھ کھایا نہ پیا۔ اپنے پاس صرف کوزہ مصری رکھ لی تھی۔ سحری اور افطاری کے وقت اسی کو صرف چکھ لیتے۔ آپ نے سلفِ صالحین کی طرح سخت مجاہدہ کیا۔ پندرہ ۱۵ بیس ۲۰ روز کے لیے نہ کھانا پینا آپ کے لیے معمولی بات تھی۔

سلسلۂ عالیہ قادریہ شریف میں چہل کاف سوا لاکھ چالیس روز میں پورا کیا جاتا ہے۔ مگر آپ نے سوا لاکھ چہل کاف صرف نو ۹ روز میں پورا کیا۔

مجاہدہ کے دوران آپ کا لباس کمبلی کی ایک کفنی ہوا کرتا تھا۔ تین سال اسی کفنی کے لباس میں رہے۔ اس کے بعد اپنے پیر و مرشد حضرت قبلۂ عالم فخر العارفین شاہ محمد عبد الحیؒ کی خدمت میں چاٹگام (مشرقی پاکستان۔ حال بنگلہ دیش) حاضر ہوتے۔ آپ سے مخاطب ہو کر حضرت قبلہ نے ارشاد فرمایا۔ "سنا ہے کہ آپ پندرہ بیس روز تک کچھ نہیں کھایا کرتے۔ اور بڑی سخت ریاضتیں کرتے ہیں۔ جو کچھ آپ کرتے ہیں اگر ہم کریں تو گنہگار ہو جائیں۔ آپ کے نفس کا آپ پر حق ہے۔ ہمارے مریدوں کو فقیری ہماری طرز اور روش اختیار کرنے سے ملے گی۔ جو ہم کرتے ہیں وہ کرو گے تو فقیری ملے گی۔ ورنہ زمین و آسمان میں سر ٹپکنے سے بھی کچھ نہ ہوگا۔ فقیری فاقہ و ریاضت سے نہیں ملتی۔ اگر فاقہ سے فقیری ملتی تو غریب لوگ جنھیں کھانا میسر نہیں ہوتا سب فقیر ہوتے۔ اگر کپڑے نہ پہننے سے فقیری ملتی تو سب ننگے لوگ فقیر ہو جاتے۔ اگر جاگنے سے فقیری ملتی تو سب پہرے دار فقیر ہو جاتے۔"

فقیری کس طرح ملے گی یہ ہم بتاتے ہیں۔ جو ہم کرتے ہیں وہی کرو گے تو فقیری ملے گی۔ اتباعِ شیخ ضروری ہے۔

نہ اتنا زیادہ کھاؤ کہ غفلت اور کاہلی پیدا ہو۔ نہ اتنا کم کھاؤ کہ ضعف اور ناتوانی پیدا ہو۔ نہ اتنا پھٹا پرانا کپڑا پہنو کہ لوگ تم سے نفرت اور حقارت کریں۔ اگر کوئی تم سے حقارت کرے گا تو گنہگار ہوگا۔ نہ اتنا عمدہ کپڑا پہنو کہ ہر وقت آرائش و زیبائش میں لگے رہو۔ ان نصائح کے بعد مقبول علی خادم کو حکم ہوا کہ ایک جوڑا کپڑا لاؤ۔ اسی وقت تعمیلِ ارشاد کی گئی۔ جناب

پیرِ مُرشد کی بارگاہ سے جب ایک جوڑا عطا ہُوا تو اسے آنکھوں پر رکھا اور بوسہ دیا۔ اپنے پیر و مُرشد کے سامنے اُسی وقت پہنا۔ اُس روز سے دو وقت کا کھانا کھاتے اور کپڑا پہنتے۔

لباس

سَر پر پنج گوشیہ غوثیہ ٹوپی رکھتے۔ سفید چکن کا کُرتہ پہنتے۔ سفید چادر بھی استعمال کرتے۔ پاؤں میں سلیم شاہی یا گرگابی پہننا پسند کرتے۔

مذہب

مذہباً آپ سُنّی حنفی تھے۔ آپ نے پیر و مُرشد کے فرمان کے تحت سلسلۂ قادریہ میں لوگوں کو بیعت فرمایا کرتے تھے۔ آپ کے کئی خلفاء ہیں جن میں سے چند حضرات کا ذکر کیا جاتا ہے:

(۱) حضرت مولانا سیّد احمد شاہ صاحب ساکن نگریہ سادات شریف۔ یو۔پی (انڈیا)

(۲) حضرت مولانا سیّد احمد علی شاہ صاحب ساکن لکھنؤ شریف (انڈیا)

(۳) حضرت مولانا سیّد سخاوت حسین شاہ صاحب سکنہ بھسوڑی شریف (ریاست رام پور) انڈیا۔

(۴) حضرت میر حافظ محمد اسماعیل شاہ صاحب (بریلی) انڈیا۔

(۵) حضرت مولانا سیّد شاہ محمد عبدالشکور ملقب بہ خطابِ غیبی "تاج الاولیاء"

قیامِ لکھنؤ

آپ کے پیر بھائی مستفیض الرحمٰن نے خواب میں دیکھا کہ "خانقاہ مرزا کھیل شریف اور حضرتِ قبلہ فخر العارفین شاہ محمد عبدالحیؒ صاحبؒ کا گھر مبارک اپنی اصلی ہیئت کے ساتھ وسط ہندوستان میں واقع ہے اور وہاں کے لوگ ہاٹ (کریانہ) اور شادی بیاہ کا سامان خریدنے لکھنؤ آتے ہیں۔" آپ کے پیر و مرشد نے یہ خواب سُن کر فرمایا۔ "خواب تمھارا سچا ہے اگرچہ تمھاری سمجھ میں اس وقت نہیں آئے گا۔" آپ نے بعض خادموں سے کچھ اس کا انکشاف فرمایا۔

ارشاد فرمایا: " ردولی شریف سے لکھنؤ اتنا قریب ہے کہ ردولی شریف کے رہنے والے شادی بیاہ کا سامان خریدنے لکھنؤ آتے ہیں اور یہ مقام وسطِ ہندوستان میں ہے۔

مستفیض میاں نے ہمارے گھر اور خانقاہ شریف کو بھی وسطِ ہندوستان میں دیکھا ہے۔ اس میں باطنی نسبت حضرت قُطب الاقطاب جناب مخدوم الملک ردولی شریف سے ہے۔ بفرمانِ پیرومُرشد (حضرت شیخ العارفین شاہ مخلص الرحمٰن) وہاں کے لوگوں کی رُوح میں حرارت پیدا ہُوتی ہے۔ ہمارے حضرت کے سلسلہ میں وہاں بہت لوگ مرید ہوں گے۔" چنانچہ حضرت شاہ نبی رضا خاں صاحبؒ نے وفات تک وہیں قیام فرمایا۔ اور وہیں آپ کا وصال ہُوا اور خواب کا اشارہ پُورا ہُوا۔

کیفیتِ وجد و حال

آپ پر محفلِ سماع میں ایک مرتبہ رقص کی کیفیت طاری ہوئی۔ آپ کے مُبتّے جُبّہ مبارک کا دامن ایک شخص کے سر پر گرا۔ سر پر دامنِ جُبّہ پڑنے سے اُس پر بھی کیفیت طاری ہوگئی۔ اس واقعہ سے وہ صحیح العقیدہ مرید ثابت ہُوا۔

اسدِ جہانگیری

آپ کے پیر بھائی جناب حافظ مقبول احمد صاحب کا بیان ہے۔ ایک مرتبہ جناب شاہ محمد نبی رضا خاں صاحب ردولی شریف میں بموقع عُرس شریف جناب قُطب الاقطاب تشریف لے گئے۔ میں بھی ہمراہ تھا۔ ایک دن میں اتفاقاً کمرے سے باہر گیا ہُوا تھا۔ جب واپس آیا تو کمرے میں ایک ببر شیر نظر آیا۔ میں خوفزدہ ہو کر کمرے سے بھاگ کر باہر نکل آیا تو اچانک کمرے کے اندر سے جناب شاہ نبی رضا خاں کی آواز آئی۔ فرمایا" حافظ صاحب اندر تشریف لائیے۔ میں کمرے میں داخل ہُوا تو جناب شاہ نبی رضا خاں تشریف فرما تھے۔ اس دن سے آپ کا لقب اسدِ جہانگیری مشہور ہُوا۔

غیر مُسلم عقیدت مند کی عقدہ کشائی

ایک سکھ فوجی کلرک آپ کا بڑا مُعتقد تھا۔ آپ کے مزار شریف پر نہایت ہی عقیدت اور خلوص سے حاضر ہُوا کرتا تھا۔ اِتفاقاً ایک دفعہ اس کے چارج سے ہزاروں روپے کی کمی یا چوری واقع ہوگئی۔ اس کے خلاف ایکشن لیا گیا۔ جب گلو خلاصی کی کوئی تدبیر کارگر نہ ہوئی تو دفتر سے نکل بھاگا۔ اور سیدھا آپ کے مزار شریف پر آگیا۔ اُس کا تعاقب کرنے والے بھی

اس کے پیچھے آگئے۔ اُس نے مزار شریف پر حاضر ہوتے ہی غلاف کے نیچے سر رکھ دیا اور محوِ نیاز ہو گیا۔ تعاقب کرنے والے اُسے تلاش کرتے رہے مگر وہ کسی کو نظر نہ آیا۔ سب حیرت زدہ تھے کہ ابھی ابھی تو وہ روضہ کے اندر گیا ہے۔ اب کہاں غائب ہو گیا۔ تلاشِ بسیار کے بعد تعاقب کرنے والے واپس چلے گئے اور وہ کلرک صاحب محوِ نیاز ہی رہے۔ چنانچہ محویت ہی کے عالم میں اُسے صاحبِ مزار (شاہ نبی رضا خاں صاحبؒ) کی طرف اِشارہ کہ وہ واپس اپنی ڈیوٹی پر حاضر ہو جائے۔ وُہ بندۂ عقیدت اپنی ڈیوٹی پر حاضری کے لیے چلا گیا۔ جب وہ وہاں پہنچا تو محوِ حیرت رہ گیا۔ کیونکہ افسرانِ متعلقہ کی مزید جانچ پڑتال سے حساب صحیح ثابت ہو چکا تھا۔ لہٰذا باعزت بحال ہو کر ترقی یاب ہُوا۔

وفات

صدر بازار لکھنؤ کے قبرستان میں روزانہ تشریف لے جانا آپ کا معمول بن گیا تھا۔ فاتحہ کے بعد واپسی پر (جہاں اَب آپ کا مزار شریف ہے) کیلے کے نیچے بیٹھ جاتے اور مصاحبین سے فرماتے یہ جگہ ہمیں بہت پسند ہے۔ یہاں کی مٹی سے محبت کی خوشبو آتی ہے۔ یہاں مکان بنا کر قیام کرنے کو جی چاہتا ہے۔ آخر ایسا ہی ہُوا کہ جہاں آپ قیام کرنا پسند فرماتے تھے وہیں آپ ہمیشہ کے لیے آرام فرما ہیں۔ مورخہ ۲۴ ربیع الاوّل ۱۳۲۹ھ بروز جمعہ آپ نے اس دارِ فانی سے رحلت فرمائی۔ رحلت کے وقت آپ کی عُمر شریف چالیس برس تھی۔

لکھوں مصرعہ میں مجبوم کر قاتل
ہوئے لطف چلے یا نبی رضا کیلیے

۱۳۲۹ھ

ملفوظات و واقعات کرامات

جناب فخر العابدین، سراج السالکین، عاشقِ رسول الثقلین صلّی اللہ علیہ و آلہٖ وسلّم
المخاطب بخطاب غیبی "تاج الاولیاء" "محبوبِ ربِ غفور" شاہ محمد عبد الشکور قادری
جہانگیری، منعمی، ابوالعلائی، قدس سرّہٗ العزیز

بوساطت جناب قبلۂ عالم پیر شاہ مستان صاحب مدظلّہٗ العالی

میرا بیعت ہونا

میں فوج میں ملازم تھا۔ یہ ۲۲-۱۹۲۱ء کی بات ہے۔ میری پلٹن کا تبادلہ پشاور سے نصیر آباد چھاؤنی میں ہوا۔ جو کہ اجمیر شریف کی چھاؤنی ہے۔ میں اس وقت فوج میں جمعدار تھا اور بھائی غلام محمد شاہ صاحب اسی ڈپو میں ہیڈ کلرک تھے۔

بھائی غلام محمد شاہ صاحب نے تیس ۳۰ روپے کی حضرت خواجہ غریب نواز اجمیریؒ کی نذر مانی ہوئی تھی۔ وہ یہ نذر بطریقِ احسن ادا کرنا چاہتے تھے۔ وہ اس سوچ میں تھے کہ کس طرح منّت ادا کی جائے کہ ایک صاحب پریس میں چھپائی کے آرڈر لینے کے لیے تشریف لاتے۔ وہ صاحب فرید میاں تھے۔ پیاری اور متشرع صورت دیکھ کر آپ نے اُن سے مشورہ کیا۔ فرید میاں صاحب نے کہا۔ ایک بزرگ یہاں قیام فرما ہیں۔ دیکھنے سے ہی اُن کی شخصیت اور مرتبہ کا صحیح پتہ آپ کو معلوم ہو سکے گا۔ اُن سے مشورہ کر کے نذر تقسیم کریں۔ فرید میاں کا بیان ایسا مؤثر تھا کہ بھائی صاحب نے سرِ آبعد کہا کہ جس بزرگ ہستی کے متعلق آپ نے بیان کیا میں اس وقت سے اُن کا مرید ہوں۔

فرید میاں نے کہا نہیں اتنی جلدی کیا ہے۔ پیر کو اچھی طرح دیکھ بھال کر مرید ہونا چاہیے۔ بھائی صاحب نے کہا ہم غیب پر ایمان لاتے ہیں، اصل میں وقت جو آگیا تھا۔ چنانچہ بھائی صاحب نے دوسرے دن مجھے بھی حالات سے آگاہ کر کے اِن بزرگ کی خدمت میں چلنے کے لیے آمادہ کیا۔

میں نے دِل میں یہ ٹھان لی کہ منزل پر پہنچنے کے لیے راستہ میں کسی سے پتہ وغیرہ نہیں پوچھیں گے۔ پہنچنا ہے تو طرفین کی کشش کام کرے گی۔ چنانچہ ایسا ہی ہُوا۔ چلتے چلتے راستہ پر ایک مجمع نظر آیا۔ مجمع کے درمیان میں ایک بزرگ شخصیت نظر آئی۔ سارے مجمع کی نگاہیں اُن پر مرکوز تھیں۔ ہم بھی قدم بوسی کر کے بیٹھ گئے۔ آپ نے حسبِ معمول خیریت دریافت کی اور بات چیت ہوتی رہی۔

دُوسرے روز بھائی صاحب باقاعدہ مرید ہو گئے۔ ہمیں حضرت نے اپنا مکان دکھایا اور فرمایا: "صُبح آٹھ بجے سے بارہ بجے تک اور بعد دوپہر چار بجے سے نمازِ مغرب تک اور پھر رات کو آٹھ بجے سے بارہ بجے تک ہم مردانہ میں ٹھہرتے ہیں۔" میں تین چار دِن تک تو از حضرت قبلہ (شاہ محمد عبدالشکور) کی خدمت میں آتا جاتا رہا۔ میری عدم موجودگی میں حضرت قبلہ نے بھائی صاحب سے میرے متعلق فرمایا، "انھوں نے مرید تو ہونا ہی ہے۔ وقت کیوں ضائع کر رہے ہیں انھیں کہیں کہ جلدی مُرید ہو جائیں۔"

میں اپنی حاضری کے پہلے دِن سے ہی یہ دیکھ رہا تھا کہ جو لوگ آپ کی حاضری میں موجود ہوتے تھے اُن میں سے اکثر رو رہے ہوتے تھے اور میں یہ خیال کیا کرتا کہ حضرت قبلہ اِن بے چاروں کی بات نہیں سُنتے اور وہ اس بے رُخی اور بے پروائی کے سبب روتے رہتے ہیں۔

ایک دن حضرت قبلہ نے مُجھ سے دریافت فرمایا "آپ نہیں مُرید بھی ہیں؟" میں نے کہا: "جی حضور!" آپ نے دریافت فرمایا: "کوئی تعلیم و تلقین بھی ہُوئی۔" میں نے عرض کیا: "حضور تعلیم و تلقین کھانے کی کوئی چیز ہوتی ہے یا پہننے کی"۔ اس پر آپ مُسکرا دیئے۔ حاضری کے دَوران لوگوں کے رونے کی وجہ سے میری حیرانی سے آپ بے خبر نہ تھے۔ ایک دن فرمایا۔

؎ تُم ہمارے ہم تمھارے ہو چکے دونوں جانب سے اِشارے ہو چکے

اس پر میں اتنے زور سے رویا کہ پہلے رونے والے گویا کچھ بھی نہ روتے تھے۔ بعد ازیں میں مرید ہو گیا۔

جناب غلام محمّد صاحب کی خلافت

۱۹۲۵ء کا واقعہ ہے۔ بھائی صاحب کوئٹہ میں ایس۔ڈی۔ او تھے۔ کہ حضرت قبلہ کی

دعوت کا پروگرام پادشاں (ضلع جہلم) میں بھائی صاحب کے والد ماجد کی وساطت سے بنا۔ تشریف آوری کے وقت کا منظر دیدنی تھا۔ لوگوں کے ٹھٹ کے ٹھٹ لگے ہوئے تھے۔ انسانوں کا ایک ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر نظر آ رہا تھا۔

راستے میں اُونچائی بھی پڑتی تھی۔ مگر حضرت قبلہ نے باوجود اصرار کرکے ڈولی میں سوار ہو کر اُونچائی پر چڑھنا پسند نہ کیا کیونکہ آپ کو انسانوں کے کندھوں پر سوار ہونا پسند نہ تھا۔ آپ نے گھوڑی پر سوار ہو کر چڑھائی کا راستہ طے کیا۔ ہر روز روزِ عید اور ہر شب، شبِ برات تھی۔ پانچ، چھ روز وہاں مقیم رہے۔ کافی تعداد میں لوگ مرید ہوئے۔

اس کے بعد موسیٰ کہوٹ قدم رنجہ فرمایا۔ مخلوقات وہاں بھی بے شمار تھی۔ چودھری شیر جنگ صاحب اور جمعدار شرف الدین نے راستہ و مکان کی آرائش میں خوب کوشش کی تھی۔ آپ وہاں عصر کے وقت پہنچے۔ آپ نے فرمایا۔ پہلے عصر کی نماز ادا کر لیں۔ اور غلام محمد صاحب سے کہیں کہ نماز کی امامت کریں۔ میں نے بھائی صاحب سے نماز کی امامت کے لیے کہا۔ بھائی صاحب متانت سے بولے کہ اس کام کے لیے اور کوئی نہیں۔ کیوں کہ اس سفر میں کئی علماء آپ کے ہمراہ تھے۔ میں نے کہا۔ حکم آپ کے متعلق ہوا ہے۔ چنانچہ بھائی صاحب (جناب غلام محمد صاحب) نے نماز پڑھائی۔

اس کے بعد دورانِ مجلس فرمایا "جن لوگوں نے غلام محمد کو تکالیف سے گزرتے دیکھا ہے۔ اگرچہ وہ سارے موجود نہیں ہیں۔ مگر میں ان کے متعلق کچھ باتیں کرنا چاہتا ہوں میں نے غلام محمد کو اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش کیا ہے۔ میں نے ان کو جناب رسول کریم علیہ التحیات والتسلیم کے سامنے بھی پیش کیا ہے۔ جناب غوث اعظم نے بھی حکم دیا ہے۔ کہ ان کو خلافت عطا کی جائے۔ لہٰذا میں ان کو خلافت دیتا ہوں اور اسی وقت اپنی ٹوپی مبارک اپنے سرِ اقدس سے اتار کر بھائی صاحب کو پہنا دی۔

اُس وقت کی حالت کا منظر الفاظ میں بیان نہیں کیا جا سکتا۔ حضرت قبلہ خود بھی چشم بگریاں تھے۔ مخلوقات پر بھی رقت کا سماں طاری تھا۔ رقت کی کیفیت بیان سے باہر ہے۔ حضرت قبلہ نے بھائی صاحب کو نذریں بھی پیش کرائیں۔

سزائے گستاخی

بمقام موسیٰ کھوٹ ہمارے ایک ساکنی صوبیدار صاحب مرید ہونے کے لیے حاضر ہوئے
میں نے اُن سے کہا کہ صوبیدار صاحب آپ کی ساری برادری موڑھے شریف والوں کی مرید ہے
اس لیے پہلے اچھی طرح سوچ سمجھ لیں تاکہ کوئی ناخوشگوار واقعہ پیش نہ آئے اور اپنی برادری
سے یہ بھی کہ دیں کہ اگر انھوں نے مسئلہ وغیرہ پوچھنا ہو تو پوچھ لیں، حضرت کی موجودگی سے
فائدہ اُٹھاتے ہوئے اپنے عقدے بھی حل کرا لیں۔ صوبیدار صاحب کی برادری نے اُن کا
ارادہ اور پیغام سمجھ کر بزرگانِ دین کو بُرا بھلا کہا اور بداخلاقی کا گھناؤنا مظاہرہ کیا۔ صوبیدار
صاحب حاضر ہو کر مرید ہو گئے اور ساتھ ہی اپنی برادری کی بداخلاقی کا بھی ذکر کر دیا۔ حضرت
قبلہ اس بداخلاقی پر سخت برہم ہوتے اور فرمایا اگر وہ لوگ مجھے بُرا بھلا کہ لیتے تو کوئی بات
نہ تھی۔ مگر تمام بزرگانِ دین کے حق میں ناجائز کلمات کہنے پر ہم اُن سے انتقام لیں گے۔
چنانچہ چند ہی یوم کے اندر ناجائز کلمات کہنے والے لوگ قتل کے مقدمہ میں ماخوذ ہو گئے۔
اُن میں سے ایک کو پھانسی کی سزا ہوئی اور دوسرے کو عمر قید ہوئی۔

زحمت کو رحمت میں بدل دیا

چودھری غلام حیدر صاحب ذیلدار ساکن چک نورنگ تحصیل چکوال میرے پاس موسیٰ کھوٹ
آئے۔ میرے استفسار پر کہنے لگا "حضرت میں آپ سے اپنا درجہ معلوم کرنے آیا ہوں۔" میں
نے کہا یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے۔ ہر آدمی کا جیسا عمل ہوتا ہے ویسا ہی اس کا درجہ
ہوتا ہے۔ انسان کا رُتبہ اُس کے عمل کے موافق ہوتا ہے۔ اس پر اُس نے کہا "میرا عمل تو
یہ ہے کہ مسجد میرے ڈیرہ کے نزدیک ہے۔ وہاں پانچوں وقت اذان ہوتی ہے۔ نماز باجماعت
ادا ہوتی ہے۔ مگر نماز پڑھنا تو درکنار مجھ سے کلمہ طیبہ بھی نہیں پڑھا جاتا۔ کلمہ شریف پڑھنے
سے میرے سارے جسم میں آگ لگ جاتی ہے اور سخت تکلیف ہوتی ہے۔" میں نے اُس کا
حال سن کر اُس کو کلمہ پڑھایا اور پوچھا کہ اب تو تکلیف نہیں ہوئی۔ اُس نے کہا کوئی تکلیف
نہیں ہوئی۔ میں نے کہا پھر پڑھو۔ اُس نے پھر پڑھا۔ غرض کہ میں نے کئی بار اُس سے کلمہ شریف
پڑھوایا اور ہر بار اُس سے تکلیف کے متعلق پوچھا۔ ہر بار اُس نے تکلیف کے متعلق
نے جواب دیا کہ اب کوئی تکلیف

نہیں ہوئی۔ اس پر میں نے چودھری صاحب سے کہا کہ آپ کا حصہ میرے قبلہ حضرت (شاہ محمد عبدالشکور) کے پاس ہے۔ وہاں سے لے لیں۔ اس واقعہ کے تقریباً ایک سال بعد حضرت قبلہ موسیٰ کھوٹ تشریف لائے۔ چودھری غلام حیدر صاحب بھی حاضر ہوئے۔ دن کے ۱ بجے کا وقت تھا۔ میں نے اندر جاکر حضرت قبلہ کی خدمت میں چودھری صاحب کے متعلق گزارش کی۔ اور کہا کہ اگر حضرت اس کے حال پر مہربانی فرمائیں تو ایسے کئی گزرے افراد سدھر سکتے ہیں۔ اُس وقت آپ لیٹے ہوئے تھے۔ یہ سُن کر آپ اُٹھ کر بیٹھ گئے اور غور سے میری طرف دیکھتے ہوئے فرمایا "اگر ایسی بات ہے تو میں اُس کے ساتھ کچھ کروں۔" میں نے عرض کیا۔ "حضور بڑی مہربانی ہوگی" فرمایا "اُن کو اندر بلالو" میں نے چودھری صاحب کو اندر بلالیا۔ آپ نے چودھری صاحب کو مرید کیا۔ اور ذکر تعلیم کیا۔ نماز کے سلسلہ میں چودھری صاحب نے کہا کہ حضرت میں نماز نہیں پڑھوں گا۔ فرمایا "میں نے تمھیں کب کہا ہے کہ نماز پڑھنا ہے۔ درود شریف کی ایک تسبیح صبح اور ایک تسبیح شام کو مسجد میں باوضو بیٹھ کر پڑھ لیا کرنا" میں نے کہا کہ ذکر اور مراقبہ بھی دونوں وقت ساتھ ہی کرتے رہنا۔ جب چودھری صاحب مرید ہو کر باہر نکلے تو مجھے کہنے لگے کہ میں نے نماز نہ پڑھنے کی بھی اجازت حاصل کر لی ہے۔ میں نے کہا۔ نماز آپ کو ڈنڈے سے پڑھائی جائے گی۔ آپ کو نماز نہ پڑھنے کی اجازت کہاں ملی ہے؟

چنانچہ اُسی رات جب غلام حیدر سویا تو پچھلی رات تہجد کے وقت اس کے ٹخنے پر ایک ڈنڈا لگا اور ہڑبڑا کر اُٹھ بیٹھا۔ اِدھر اُدھر دیکھ کر پھر سو رہا۔ جب سویا تو پھر ٹخنے پر ڈنڈا لگا۔ پھر اُٹھ بیٹھا۔ تھوڑی دیر بعد پھر سو رہا۔ ڈنڈا پھر لگا اور وہ اُٹھ بیٹھا۔ ناچار مسجد میں چلا گیا۔ وہاں درود شریف پڑھتا رہا پھر ذکر و مراقبہ میں مشغول ہوگیا اور فجر کی نماز باجماعت ادا کی۔ بعدازیں وہ باقاعدہ نمازی بن گیا۔

تقریباً ایک ماہ بعد ذیلدار صاحب موصوف کی یہ حالت ہوگئی کہ اگر وہ کلمۂ طیبہ پڑھتا تو اُس پر کیفیت طاری ہوجاتی۔

نزولِ بارانِ رحمت

موسٰی کھوٹ کے قیام کے دَوران جو بھی آپ کے پاس آتا دُعا کے لیے ملتجی ہوتا کہ اللہ تعالیٰ بارش دے۔ آپ نے دریافت فرمایا کہ اکثر لوگ بارش کی دُعا کیوں کراتے ہیں۔ مَیں نے عرض کیا حضور یہ علاقہ بارانی ہے۔ فصل کے لیے بارش کی اشد ضرورت ہے اس لیے لوگ اکثر بارش کی دُعا کراتے ہیں۔ فرمایا "باہر چلو" مجھے خیال گزرا کہ باہر جگہ ناہموار ہے۔ آپ کو چلنے پھرنے میں تکلیف ہو گی، کہاں لے چلوں۔ مگر آپ نے فرمایا "چلو باہر چلتے ہیں۔" آپ باہر تشریف لے گئے۔ کچھ دیر آپ نے چہل قدمی کرنے کے بعد واپسی کا قصد کیا۔ فصلوں کی حالت دیکھی اور فرمایا "واقعی فصلوں کو بارش کی ضرورت ہے۔" معاً اُسی وقت آسمان پر بادل چھانے لگے۔ آپ کے واپس تشریف لاتے ہی بارش شروع ہو گئی اور خُوب بارش ہُوئی۔ گویا بارش آپ کے اِرادہ کی منتظر تھی۔

میری خلافت کا واقعہ

میں چک نمبر $\frac{14}{88R}$ تحصیل خانیوال ضلع ملتان سے اپنے وطن جہلم گیا ہوا تھا۔ وہاں ______ مجھے ہوشیار سنگھ ملا۔ میں نے اُس سے بھائی صاحب (غلام محمد صاحب) کا پتہ دریافت کیا۔ بھائی صاحب کا ہوشیار سنگھ کے ساتھ کافی تعلق تھا۔ اُنھوں نے بتایا کہ ریاست ہمّت نگر کے راجہ نے نئی فوج بھرتی کی ہے اور غلام محمد صاحب وہاں کافی سارے فوجی فرائض بیک وقت انجام دے رہے ہیں۔ ہوشیار سنگھ نے مجھے ایک لفافہ دیا۔ جس پر بھائی صاحب کا مکمل پتہ درج تھا۔ پتہ معلوم ہونے پر میں نے بھائی صاحب کو ایک عریضہ لکھا اُس عریضہ میں مَیں نے یہ دو شعر بھی لکھ دیئے۔ ؎

دَورِ دوستاں را با احسان یاد کردن ہمّت است

اور دُوسرا شعر تھا ؎

اے خانہ برانداز چمن کچھ تو اِدھر بھی

بھائی صاحب نے میری تحریر سے میری حالت کا اندازہ کر کے مجھے جواب لکھا۔ "معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے دربارِ عالیہ سے تعلقات قائم نہیں ہیں۔ آج کل حضرت قبلہ (شاہ محمد عبد الحکیم

کا بہت بڑے عروج کا زمانہ ہے۔ آپ وہاں سے عرفان تقسیم کر رہے ہیں۔ جلدی پہنچو۔
اس پر میں نصیر آباد چھاؤنی (اجمیر شریف) حاضر ہوا۔ تین سال کی مسلسل غیر حاضری پر صرف اتنا فرمایا "کہ اب تک کیا کرتے رہے۔" میں نے جواب دیا۔ "حضور کھیتی باڑی۔" فرمایا "کسان کی روزی حق حلال کی ہوتی ہے۔" حضرت قبلہ کی معیت میں درگاہِ مُعلّیٰ (اجمیر شریف) میں عرس پر حاضر ہوا۔ محفلِ سماع ہوئی۔ سماع میں میری حالت یہ ہوئی کہ مجھے اپنے آپ کی کچھ خبر نہ رہی۔ مکمل بے خودی کی کیفیت طاری تھی اور اُس وقت میں اس شعر کا مصداق تھا ؎

شیخ جی محفلِ رنداں سے نکلوائے گئے
پا بدستِ دیگرے دست بدستِ دیگرے

حضرت قبلہ نے دریافت فرمایا "ارے کچھ سمجھے بھی؟" میں نے عرض کیا۔ "حضور صرف رونا ہی سمجھا ہے۔" فرمایا "خوب سمجھے" پھر فرمایا "پتنگ جب ہوا میں اُڑ رہی ہوتی ہے تو وُہ سمجھتی ہے کہ میں آزاد اور خود مختار ہوں مگر یہ نہیں سمجھتی کہ میری ڈور کسی اور کے ہاتھ میں ہے۔ آخر ہم نے ان کو منگوا ہی لیا (یہ اشارہ میری طرف تھا) مجھے رخصت ہوئی۔ جب میں گھر واپس آنے لگا تو فرمایا: "آئندہ عُرس شریف کے موقع پر ضرور حاضری دینا۔" حضرت کے اتنا فرمانے پر مجھے عزیزوں کی جانب سے کئی مبارکبادیں ملیں کہ خلافت ملا چاہتی ہے۔ جب میں نے دُوسرے عُرس شریف پر حاضری دی تو اسی موقع پہ مجھے خلافت سے سرفراز کیا گیا۔ سرفرازی کے بعد میں نے عرض کیا۔ حضور یہ پڑھے لکھے لوگوں کا کام ہے۔ مجھ سے کیا ہو گا۔ فرمایا "تمھارے لیے ہم کافی ہیں۔"

واپس گھر آکر میں چپکے سے بیٹھ رہا۔ اسی اثناء میں حضرت قبلہ نے مولوی عمر دین صاحب سیالکوٹی سے فرمایا کہ حکم ۱۳۴۲ھ میں جا کر اعلانِ عام کر دو کہ آسمانِ طریقت پر ایک نیا ستارہ طلوع ہوا ہے۔" حضرت کے اس اعلان کا نتیجہ دُنیا کے سامنے ہے ؎

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم ۔۔۔ چشمۂ آفتاب را چہ گناہ

موت کا وقت ٹال دینے کا واقعہ

بھائی صاحب جناب غلام محمد صاحب چکوال میں تین ماہ تک مسلسل بیمار رہے۔ علاج معالجہ

سے کوئی افاقہ نہ ہُوا۔ آپ پر نزع کی حالت طاری تھی۔ اطبا اور عزیز و اقارب سب مایوس ہو چکے تھے۔ خاموش سسکیاں شروع تھیں کہ آپ آپ اُٹھ کر بیٹھ گئے۔ اور فرمایا " فکر دی کوئی گل نئیں۔ جناں پہنچ پیا اے۔"

چنانچہ آپ بالکل تندرست ہو گئے۔ جناب بھائی صاحب واقعہ بیان کرتے ہیں کہ جس وقت ملک الموت میری رُوح قبض کرنے کے لیئے آگے بڑھے، اُسی وقت حضرت قبلہ تاج الاولیا شاہ محمد عبدالشکور بھی آگئے اور فرمایا " عزرائیل انھیں چھوڑ دو، ابھی ان کا وقت نہیں آیا۔"

یہ واقعہ آج سے چالیس ۴۰ پینتالیس ۴۵ سال پہلے کا ہے اور بھائی صاحب بفضلہٖ تعالیٰ اس وقت تک بقیدِ حیات ہیں اور راولپنڈی میں فرائض خلافت انجام دے رہے ہیں۔

حضرت کی توجّہ کا اثر

ایک دفعہ رام سَر میں حضرت قبلہ کی دعوت ہوئی۔ وہاں تقریباً پچاس ساٹھ آدمی بیعت ہُوئے۔ اُن کو آپ نے آٹھ آٹھ دس دس آدمیوں کا گروپ بنوا کر تعلیم دلوائی۔ جب وہ لوگ قطاروں میں بیٹھ گئے تو حضرت اُن کے درمیان سے ایک دفعہ ادھر سے اُدھر اور دُوسری دفعہ اُدھر سے اِدھر گزر گئے اور صِرف " ہُوں " کو لمبا کر کے ضرب لگائی۔ جس کے نتیجہ میں تمام نو آموز و نو داخل شُدہ مریدوں کو کیفیت ہو گئی اور سب پر وجد طاری ہو گیا۔

حضرت کی منشاء، منشائے ایزدی تھی

۱۹۳۵ء کا واقعہ ہے حضرت قبلہ تاج الاولیاءؒ نے پہلی بار چک $\frac{14}{8.R}$ میں تشریف لانے کا پروگرام بنایا۔ راستہ میں اوکاڑہ میں ڈاکٹر حفیظ احمد صاحب نے آپ کو ٹھہرا لیا۔ کافی لوگ بیعت ہُوئے۔ اُن میں ایک علم الدین نامی کافی مالدار اور صاحبِ وقار آدمی تھے۔ انھوں نے بھی حضرت کی دعوت کی۔ چونکہ علم الدین صاحب کا شہر میں کافی اثر و رسُوخ تھا۔ لہٰذا انھوں نے ہر فرقہ کے لوگوں کو بھی دعوت میں مدعو کیا۔ جن میں مرزائی۔ شیعہ۔ اہلِ حدیث وغیرہ سبھی شامل تھے۔ آپ نے فرمایا۔" میرا خیال اِن لوگوں کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھانے کا بالکل نہیں ہے۔ دیکھیے۔ (خدا کو کیا منظور ہے) جب کھانا لگا جا رہا تھا تو آہستہ آہستہ ہوا چلی جو بعد میں آندھی کی شکل اختیار کر گئی۔ ساتھ ہی بارش بھی شروع ہو گئی اور مجمع منتشر ہو گیا۔ بعد

میں اہلِ سلسلہ کو ایک جگہ کھانا کھلایا گیا اور شہر کے باقی لوگوں کو ایک الگ مکان میں کھانا کھلایا گیا۔ یوں اللہ تعالیٰ نے حضرت کی منشاء کے مطابق اِنتظام کرا دیا۔ اور حضرت کا منشاء پورا ہُوا ۔

اُن کی ہے بات بات میں اِک بات

مُنعم باکوہ و دشت و بیاباں غریب نیست

حضرت قبلہ تاج الاولیاء دعوت کے سلسلہ میں ایک بار ملوٹ (ضلع جہلم) تشریف لے گئے۔ واپسی پر ملوٹ سے جہلم پہنچے۔ وہاں نیاز علی نامی سلسلۂ عالیہ کے ایک آدمی کے ہاں آپ کے کھانے کا اِنتظام تھا۔ صبح کے وقت آپ نے بیٹھے بیٹھے اچانک فرمایا "حضرت داتاؒ صاحب نے بلایا ہے۔ لاہور چلنا ہے۔" اُسی وقت لاہور کے لیے تیاری کر لی گئی۔ شام کو آپ لاہور پہنچے۔ مزارِ اقدس پر حاضری دی۔ اس کے بعد مسجدِ داتا صاحب میں نماز کی امامت فرمائی۔ نماز کے بعد دوبارہ حاضری دی۔ مَیں (حضرت پیر مستان شاہ) نے دربار کے خادم سے مکان کے لیے کہا۔ مگر مکان فارغ نہ ہونے کی وجہ سے اُس نے معذرت کی۔ میں خدا تذبذب میں پڑ گیا۔ آپ نے فرمایا۔ "پریشان کیوں ہو۔ آج ہم حضرت داتا صاحب کے مہمان ہیں۔" اتنے میں ایک صاحب نے مجھ سے پُوچھا۔ آپ لوگ کیسے کھڑے ہیں؟ مَیں نے مکان کی ضرورت اور رات گزارنے کا ذکر کیا۔ وہ بولا میرے جھونپڑے اگر پسند آ جائیں تو حاضر ہیں۔ ہم اُس کے ساتھ ہو لیے اور وُہ ہمیں اپنے دَولت کدے پر لے گیا جو کہ واقعی دولت کدہ تھا۔ ضرورت کی تمام اشیاء وہاں موجود تھیں۔ ہم نے روٹی کا اِنتظام خُود کرنا چاہا۔ مگر ملازمِ مکان نے کہا کہ کھانے کا انتظام آپ نہ کریں۔ کھانا آپ کو مالکِ مکان دیں گے۔ ؎

مُنعم باکوہ و دشت و بیاباں غریب نیست
ہر جا کہ رفت خیمہ زد و بارگاہ ساخت

افسران کی باز پُرس سے بچا لیا

نائب رسالدار عبدالشکور بیان کرتے ہیں کہ مجھے نوشہرہ سے اسلحہ کی پیٹیاں راولپنڈی آرسینل میں پہنچانے کا حکم ہُوا۔ گارد کے تین سپاہی میرے ہمراہ تھے۔ پنڈی انچارج نے اسلحہ

کی پٹیاں توڑ رکھ لیں مگر ایک ہفتہ کے بعد اسلحہ شمار کر کے اسلحہ کو سٹور میں لینے کا حکم دیا اور ہمیں ایک ہفتہ کے بعد آنے کو کہا۔ ہم نے کسی اور یونٹ میں راشن کا بندوبست کیا۔ چنانچہ میں نے اس فارغ اوقات سے فائدہ اٹھانے کا خیال کر کے گارد کے سپاہیوں کو بھی روانہ کر دیا۔ اور خود لاہور حضرت تاج الاولیاء کی بارگاہ میں حاضری کے لیے روانہ ہو گیا۔

حالات دریافت کرنے پر میں نے تمام واقعہ عرض کیا۔ فرمایا: "اچھا گھر سے ہو آؤ مگر جلدی لوٹنا۔" واپسی پر فرمایا: "دیر سے آتے ہو پنڈی جلدی پہنچو۔" جب میں وہاں پہنچا تو دفتر میں انتہائی پریشانی اور ہلچل پائی گئی۔ کیونکہ ہمارے نام نوشہرہ سے تین تار آ چکے تھے کہ گارد کو جلد واپس بھیجا جائے۔ میں نے انچارج دفتر سے کاغذات جلدی مکمل کرنے کو کہا۔ مگر اس نے کہا۔ "آپ صریحاً غیر حاضر رہے ہیں۔ آفیسر صاحب بہت سخت ہیں۔ دیکھیے کیا ہو؟" چنانچہ تکمیل کے بعد کاغذات پیش ہوئے اور بخیریت دستخط ہو گئے۔ وہ کاغذات ہم نوشہرہ لے گئے۔ وہاں سے بجائے سزا کے شاباش ملی۔ حالانکہ فوجی ڈسپلن کے تحت ہم قابلِ بازپرس تھے۔ جبکہ ہم صریحاً غیر حاضر تھے۔ مگر ہم حضرت کی وجہ سے بچ گئے اور شاباش کے مستحق بھی ٹھہر گئے۔

حضرت کے تصرف سے خواجہ غریب نواز اجمیریؒ کی شفقت

ملک عالم خاں صاحب اے ڈی سی نوجوانی کے عالم میں میرے (مستان شاہ کے) پاس آئے اور کچھ بیماری کا ذکر کیا۔ میں (مستان شاہ) نے انھیں رہبور منڈی حکیم قدرت اللہ سے علاج کرانے کا مشورہ دیا۔ فیروزپور اسٹیشن پر پہنچ کر انھیں حضرت قبلہ کے ہاں نصیر آباد شریف حاضری دینے کا خیال آیا۔ اور بغیر ٹکٹ سفر کرتے ہوئے نصیر آباد شریف پہنچ گئے۔ حضرت قبلہ نے حسبِ معمول نوازش فرماتے ہوئے حکم دیا کہ ٹونک میں حکیم عتیق اللہ صاحب کے پاس جا کر علاج کراؤ اور اُن کے ہاں نہ ٹھہرنا۔ سرائے میں قیام کرنا۔ ملک صاحب کو حکیم صاحب نے چند ایک وجوہ کی بنا پر سرائے میں ٹھہرنے کی اجازت نہ دی۔ اپنے پاس ہی رکھا۔ علاج اکیس [۲۱] دن کا تھا۔ اُنیس [۱۹] دن کے بعد حکیم صاحب نے علاج کا اثر دریافت کیا تو ملک صاحب نے جواب دیا کہ کوئی افاقہ نہیں ہوا۔ اس پر حکیم صاحب سخت برہم ہوئے

اور کہا کہ پورا بستر سنبھالو اور چلے جاؤ۔ ملک صاحب حکیم صاحب سے فارغ ہو کر اُسی سرائے میں چلے گئے۔ جس میں حضرت قبلہ نے ٹھہرنے کو کہا تھا۔ سرائے میں سامان رکھا ہی تھا کہ کیمبل پور کے وکیل رفیق احمد کا لڑکا وہاں آگیا اور ملک صاحب کا سامان اُٹھوا کر اپنی کوٹھی میں لے گیا۔ دُوسرے دن ٹونک کی اسلامی ریاست کی ملک صاحب نے عیدالاضحیٰ دیکھی اور پھر حضرت قبلہ تاج الاولیاءؒ کی خدمت میں نصیر آباد چلے آئے۔ حضرت کی خدمت میں حالات عرض کیے۔ آپ نے فرمایا "خواجہ غریب نوازؒ کی بارگاہ میں حاضری دے کر چلے جانا۔ ملک صاحب نے بارگاہِ خواجہ اجمیریؒ میں حاضری دی۔ اور آنکھیں بند کر کے دست بَستہ کھڑے ہو گئے۔ تو کیا دیکھتے ہیں کہ خواجہ غریب نوازؒ سامنے جلوہ افروز ہیں۔ ملک صاحب نے آنکھیں کھولیں تو آپ غائب تھے۔ دوبارہ آنکھیں بند کیں تو آپ پھر موجود تھے۔ اس بار ملک صاحب حضور خواجہ غریب نوازؒ کے قدموں میں پڑ گئے تو جناب خواجہ غریب نوازؒ نے فرمایا۔ "جاؤ بیٹا ٹھیک ہو جاؤ گے۔" ملک صاحب واپس آگئے اور میرے پاس آکر تمام سرگزشت بیان کی۔ چونکہ ملک صاحب حضرت قبلہؒ کی وساطت سے اجمیر شریف حاضر ہوئے تھے لہٰذا خواجہ صاحبؒ نے بھی خصوصی توجہ سے ملک صاحب کو نوازا۔

والدہ ماجدہ محمد عبداللطیف کو تسبیح عطا کرنے کا مقصد

حضرت قبلہ تاج الاولیاءؒ نے والدہ عبداللطیف شاہ کو پہلے ایک تسبیح عطا کی اور پھر دُوسری۔ مگر پڑھنے کو کچھ نہ بتایا۔ یہ اَمر آپ کی توجہ میں لایا گیا۔ کہ آپ نے والدہ عبداللطیف کو یکے بعد دیگرے دو تسبیحیں تو عطا کی ہیں مگر پڑھنے کو کچھ نہیں فرمایا۔ اُس وقت مجمع کثیر موجود تھا۔ فرمایا۔ "سب لوگ سُن لیں کہ اِن تسبیحوں کا مقصد صرف یہ ہے کہ مستان شاہ کو جو فقیری دی گئی ہے یہ صرف اُن کی ذات اور زندگی تک ہی محدود نہیں ہو گی۔ بلکہ یہ فقیری ان کی اولاد میں نسلاً بعد نسل چلتی رہے گی۔

ہزاروں کے نقصان کو نفع میں بدل دیا

صُوفی محمد بخش سکنہ گکڑ منڈی نے ایک مرتبہ کپاس کا کاروبار کیا اور انہیں کافی نقصان ہُوا۔ نُقصان پینتیس ہزار روپے کا تھا۔ جو کہ صُوفی صاحب کی برداشت سے بہت زیادہ نُقصان ہُوا۔

میں (مستان شاہ) نے یہ واقعہ حضرت قبلہ کی خدمتِ اقدس میں پیش کیا۔ فرمایا "اگر نقصان ہو گیا تو کیا ہوا کوئی بات نہیں۔ ایک بار پھر کوشش کر کے دیکھ لیں۔

چنانچہ صوفی صاحب نے پھر کاروبار کیا۔ اس بار صوفی صاحب کا نقصان بھی پورا ہو گیا اور دس ہزار روپیہ منافع بھی آ گیا۔

ایک عقیدت مند کی خواب میں عقدہ کشائی

ملک ظہور احمد ساکن چک $\frac{17}{8-R}$ بیان کرتے ہیں کہ اُن کے رقبۂ زرعی واقع چک $\frac{17}{8-R}$ سے حکامِ متعلقہ نے نہر سندھانی ملیسی لنک گزارنے کا سروے کیا۔ جو کہ منظور ہو گیا۔ ملک صاحب کا رقبہ نہر کے گزرنے سے زیرِ نہر آ جاتا تھا۔ ملک صاحب کافی پریشان تھے۔ کوئی کوشش کامیاب ہوتی نظر نہ آ رہی تھی۔ نہر کی کھدائی کا ابتدائی کام شروع ہو چکا تھا۔ ایک رات عالمِ خواب میں دیکھا صاحبِ موصوف نے حضرت قبلہ کو خواب میں دیکھا۔ حضرت قبلہ نے فرمایا "آؤ تمھارے رقبہ میں چلیں" ملک صاحب حضرت قبلہ کے ہمراہ ہو لیے۔ رقبہ میں پہنچ کر حضرت نے ملک صاحب کو فرمایا " اس ڈرم پر چڑھ کر آگے دیکھیں" ڈرم وہاں پہلے ہی موجود تھا۔ ملک صاحب عالمِ خواب ہی میں ڈرم پر چڑھ گئے اور آگے دیکھا تو کچھ فاصلے پر ڈرموں کی قطاریں لگی ہوئی نظر آئیں۔ اس پر حضرت نے فرمایا جہاں ڈرموں کی قطاریں لگی ہوئی ہیں نہر وہاں سے گزاری جائے گی نہ کہ تمھارے رقبہ سے۔ صبح اُٹھ کر ملک صاحب موصوف نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ نہر ہمارے رقبہ سے نہیں گزاری جائے گی۔ اُس نے لوگوں کو وہ جگہ بھی بتا دی جس جگہ کے متعلق حضرت نے عالمِ خواب میں نہر گزارنے کے لیے دکھائی تھی۔ اس پر ملک شیر زمان نے انھیں تنبیہ کی کہ ایسے واقعات کو ظاہر کرنا مناسب نہیں ہوتا۔ کچھ ہی دنوں کے بعد حکامِ متعلقہ نے وہ سروے خود بخود منسوخ کر کے دوسرا سروے کیا اور وہ سروے وہاں سے گزرا جہاں سے حضرت قبلہؒ نے فرمایا تھا۔

سینکڑوں میل دُور کی مسافت سے حضرت قبلہؒ کی بہ نفسِ نفیس تشریف آوری

صاحبزادہ عبداللطیف کی والدہ صاحبہ بیان کرتی ہیں کہ میں (مستان شاہ) دربارِ عالی سکندر آباد شریف حضرت قبلہ تاج الاولیاء کی خدمت میں حاضری کے لیے گیا ہوا تھا۔ تمام صاحبزادگان اُس زمانہ میں کم سن تھے اور گھر کی نگہداشت کرنے والا اور کوئی نہیں تھا۔ ایک رات اچانک حضرت قبلہ ہمارے گھر بمقام چک ۱۲/۸-R (ضلع ملتان) تشریف لاتے اور فرمانے لگے ۔ "مویشی کیسی غلط جگہ بندھوا رکھے ہیں، حفاظت کے لیے مجھے بڑی تکلیف ہوتی ہے۔ آج رات میرے پاؤں میں کانٹا چبھ گیا ہے۔ ذرا اسے نکال دو۔" چنانچہ والدہ صاحبزادہ عبداللطیف نے وہ کانٹا نکال دیا اور صبح کو مویشیوں کی جگہ بدل دی گئی۔

قطعِ مسافت کا دُوسرا واقعہ

میرا قیام اکثر حضرتِ قبلہؒ کی خدمت میں کئی کئی ماہ کا ہُوا کرتا تھا۔ تمام صاحبزادگان کم سن تھے۔ لہٰذا میں اللہ تعالیٰ اور اپنے پیر کے سہارے پر گھر والوں کو تنہا چھوڑ کر چلا جاتا۔ جتنا عرصہ میں گھر سے غیر حاضر رہتا۔ حضرت قبلہ کی ذاتِ ستودہ صفات بہ نفسِ نفیس ہمارے گھر بمقام چک ۱۲/۸-R (ضلع ملتان) موجود رہتے۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ میں سکندر آباد شریف حضرت قبلہ کی حاضری کے لیے گیا ہُوا تھا۔ گھر کی دیکھ بھال سائیں جماعت علی کے ذمّہ تھی۔ جماعت علی نہایت قابلِ اعتماد اور متقی آدمی تھا۔ فروری کا مہینہ تھا۔ ایک رات میری اہلیہ روٹیاں پکا رہی تھی کہ اچانک انھیں باہر سے آدمی کا سایہ سا نظر آیا اور چلنے کی آہٹ بھی محسوس ہُوئی۔ چونکہ ہمارے علاقہ میں پٹھان عموماً اس موسم میں دیواریں وغیرہ بنانے کے لیے آ جاتے ہیں اور وُہ رات کو روٹیاں مانگ کر کھاتے ہیں۔ اِس بنا پر میری اہلیہ کو شبہ ہُوا کہ کوئی پٹھان مُنہ اُٹھاتے اندر چلا آیا ہے۔ اس خیال سے اندر ہی سے انھوں نے ڈانٹا اور کہا کہ "باہر سے روٹی نہیں مانگی جا سکتی تھی کہ مُنہ اُٹھاتے اندر چلا آ رہا ہے۔ ٹھہر تو سہی میں

تجھے روٹی کھلاؤں اور ساتھ ہی چولہے سے جلتی ہوئی لکڑی اُٹھا کر باہر نکلیں۔ تو کیا دیکھتی ہیں کہ حضرت قبلہ بہ نفسِ نفیس تشریف فرما ہیں۔ حضرت قبلہ نے فرمایا کہ "بڑے کمرے میں ہمارا بستر بچھا دو اور ایک مُصلیٰ اور پانی کا آفتابہ بھی رکھ دو اور دروازہ بند کر دو" حسبِ فرمان روشنی وغیرہ کا مطلوبہ اشیاء کا انتظام کر دیا گیا۔ کچھ دیر بعد سائیں جماعت علی گھر کی حویلی میں داخل ہوتے تو بڑے کمرے میں روشنی دیکھ کر گھر والوں سے پوچھا کہ اندر کون ہے ؟ گھر والوں نے جواب دیا کہ ایک مہمان ٹھہرے ہوئے ہیں۔ سائیں جی بہت غصّے ہوئے اور مضطرب سا ہو کر کہا۔ "میں کنجر یہاں کس لیے ہوں مُجھے کچھ پتہ ہی نہیں اور وُہ بڑے کمرے میں بڑا جمان ہے۔ باہر جگہ تھوڑی تھی کہ اس کو اندر لا بٹھایا" گھر والوں نے کہا وُہ بڑا معزز مہمان ہے' خود جا کر اُن سے بات کر لو کہ وہ اندر کیوں آیا ہے۔" سائیں جی کی سمجھ میں کُچھ نہ آیا اور وُہ اضطراب کی حالت میں کمرے کی طرف لپکا۔ دروازہ کھولا تو کیا دیکھا کہ حضرت قبلہ بہ نفسِ نفیس موجود ہیں۔ سائیں جی ششدر رہ گئے۔ اور قدم بوسی کر کے واپس آ گیا اور گھر والوں سے کہا کہ مجھے پہلے کیوں نہ بتایا کہ اندر حضرت قبلہؒ موجود ہیں۔ مجھ سے نادانستگی کوئی غلطی تو نہیں ہو گئی۔ اس کے بعد میری عدم موجودگی میں ہمیشہ بڑے کمرے میں بستر لگا دیا جاتا۔ پانی اور روشنی کا انتظام بھی کر دیا جاتا۔ حضرت قبلہ تشریف لاتے اور مکمل طور پر گھر والوں کی خیریت دریافت فرماتے۔ پھر ساری رات کمرہ سے یادِ حق کی آواز آتی رہتی کہ جس سے گھر والوں کو تنہائی اور میری عدم موجودگی محسوس نہ ہوتی تھی۔ اللہ اللہ کہاں سکندر آباد اور کہاں چک ۱۴۲ ؎

بہر سُو جلوۂ دلدار بینم ‍ ‍ ‍ ‍ بہر رنگے جمالِ یار بینم

حضرتِ قبلہؒ کی بے نیازی

حضرت قبلہؒ اس وقت سکندر آباد شریف میں سکونت پذیر تھے۔ مَیں نے تجویز پیش کی کہ کچھ جائداد بصورتِ زمین پیدا کی جائے تاکہ حضرتؒ کے لواحقین کے لیے کچھ جائداد بن جائے۔ بھائی حلیم الدین صاحب سکنہ بلند شہر (یو پی) سے مشورہ کے بعد طے ہوا۔ کہ تین

مربعہ زمین دیہات میں حاصل کرلی جائے۔ تو آپؒ نے ہماری تجویز سے اِتفاق نہ کیا۔ اس طرح زیادہ رقبہ کی خرید کا خیال تو جاتا رہا۔ مگر ہم نے مضافاتِ شہر سے زمین خریدنے کا خیال ترک نہ کیا۔

آخر شہر کے قریب ایک جگہ ہم نے رقبہ پسند کرلیا اور رقم کا بندوبست بھی ہو گیا۔ مگر چُونکہ حضرتؒ رضامند نہ تھے، اِس لیے کوئی نہ کوئی رکاوٹ درمیان میں حائل ہوتی رہتی۔ رقبہ دینے والے بھی رضامند تھے اور ہم لینے والے بھی مگر بیل منڈھے نہ چڑھی اور ہم باوجود اِنتہائی کوشش کے رقبہ خریدنے سے قاصر رہے۔ آخر کار میں نے ایک دِن عرض کیا۔ حضور اگر زمین نہیں لینا چاہتے تو میں چلا جاؤں تین ماہ ہونے کو آئے ہیں۔ فرمایا "حال کل چلے جاؤ" میں مایوس ہو کر مخدومہ عالم (حضرت کی اہلیہ محترمہ) والدہ ماجدہ کی خدمتِ اَقدس میں حاضر ہُوا اور زمین کے فوائد اور سہولتوں کا ذکر کر کے اُنھیں زمین خریدنے کے حق میں قائل کرنے کے لیے دلیلیں پیش کرنے لگا۔ اُنھوں نے فرمایا "ٹھیک ہے لے لو" میں نے کہا سرکار کیسے لیں باباجی (حضرت قبلہ) تو مانتے ہی نہیں وُہ بھی تو اجازت دیں۔ مخدومہ عالمؒ (حضرت قبلہ کی اہلیہ محترمہ) نے فرمایا "کل نہ جاؤ اگر نہ مانے تو پرسوں چلے جانا۔" رات کو حضرتؒ اندرونِ خانہ تشریف لے گئے تو جناب والدہ ماجدہ نے آپ کو زمین خریدنے کے لیے آمادہ کر ہی لیا۔ صُبح جب آپ تشریف لائے تو فرمایا "اگر زمین خریدنے سے نہیں رُکتے جاؤ لے لو۔" ہماری مُراد بر آئی۔

اُسی صُبح بھائی علیم الدین صاحب مجھے الوداع کہنے کے لیے آئے کیونکہ وہ رات کو یہ سُن کر گئے تھے کہ حضرتؒ نے مجھے اجازت دے دی ہے۔ جب وہ میرے پاس آئے تو میں نے بتایا کہ زمین خریدنے کی اجازت مِل گئی ہے۔ یہ سُن کر اُنھوں نے کہا "ابھی چلو" اُس وقت دِن کے دس بجے تھے۔ ایک بجے دِن تک ہم رجسٹری، اِنتقال اور دیگر معاملات طے کرا کے ہم واپس حضرت کی خدمت میں پہنچ چکے تھے۔ یا تو تین ماہ کی کوششوں کا کوئی نتیجہ بر آمد نہ ہُوا تھا یا صرف چند گھنٹوں میں تمام کام ختم ہو گیا۔ یہ تھا آپ کی رضامندی کا اثر۔

پھر حضرت قبلہ نے فرمایا "شام کو رقبہ میں چلیں گے اور ختم کی شیرینی وغیرہ تقسیم ہوگی" شام کو آپ رقبہ میں تشریف لے گئے اور شیرینی وغیرہ تقسیم ہوئی۔ حضرت نے مجھے ارشاد فرمایا "آپ ابھی نہیں جا سکتے رقبہ آباد کرنا ہے۔ آلو کی کاشت کے لیے زمین تیار کرائیں اور پھر چلے جانا۔" دُوسرے دِن قصبہ کے زمینداروں سے بَیل اور ہَل وغیرہ منگوا کر میں نے زمین تیار کرائی اور دُوسرے دِن رُخصت ہو گیا۔

سات سال تک زمین سے پیداوار حاصل ہوتی رہی۔ مگر حضرت نے فرمایا "یہ زمین میرے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان پردہ بن کر حائل ہو رہی ہے۔ اِسے بیچ دیا جائے۔ چنانچہ میری عدم موجودگی میں زمین بیچ دی گئی۔ بیسؔ مَن تمباکو کٹا ہُوا زمین پر پڑا تھا۔ وہ ساتھ ہی دے دیا گیا۔ مکّی کی فصل کے پانچ سو روپے الگ ملتے تھے' وُہ بھی نہ لیے گئے۔ گویا زمین ایک بَلا تھی کہ جس سے آپؒ نے یُوں جان چھُڑائی۔

زمین بیچ کر آپ نے مجھے ایک نوازش نامہ تحریر فرمایا۔ اُس میں لکھا "ہم نے وُہ تمھارا کُنواں بیچ دیا ہے۔"

جب مَیں پھر حاضر ہُوا تو فرمایا "ہم نے وہ تمھارا کُنواں بیچ دیا ہے اور ساتھ ہی تمباکو اور مکّی کی فصل بھی دے ڈالی" میں نے عرض کیا۔ حضرت اگر زمین کے ہمراہ خدام اور بَیل وغیرہ بھی دے دیتے تو خریدار بے چارے کو تکلیف تو نہ ہوتی۔ اس پر آپ مُسکرا دیئے یہ تھا آپ کا غِنا اور توکّل ؂

نگاہِ فقر میں شانِ سکندری کیا ہے

زور سے بُلوا لیا

ایک مرتبہ بظاہر میرا سکندر آباد شریف حاضر ہونے کا کوئی خاص ارادہ نہ تھا۔ اچانک نہایت ہی شِدّت سے حضرت کی زیارت کا اشتیاق پیدا ہُوا۔ میں اُسی وقت سکندر آباد کے لیے چل کھڑا ہُوا۔ حضرت قبلہ کی خدمت میں پہنچا تو آپ نے فرمایا "اس دفعہ ہم نے آپ کو زور سے بلوا لیا ہے دیپور میں بشیر میاں کے ہاں عُرس ہے۔

وھاں آپ کا ہونا بہت ضروری تھا۔"

ہُردے پور میں عُرس بڑی دُھوم دھام سے ہُوا۔ بڑی شاندار محفلیں ہوئیں۔ وھاں ہُردے پور میں کلّن نامی ایک قوّال بھی آیا ہوُا تھا۔ اُس نے روپیہ مقرّر کر کے قوّالی سُنانے پر آمادگی ظاہر کی۔ حضرت قبلہؒ کو جب رقم مقرّر ہونے کی بابت معلوم ہُوا۔ تو کلّن کو سُننے سے انکار فرما دیا۔ جب کلّن کو حضرت کی بابت معلوم ہُوا تو بھاگا بھاگا آیا اور بڑی معذرت کی اور رقم مقرّر کیے بغیر قوّالی کرنے کی پیش کش کی جسے قبول کر لیا گیا۔ حضرت قبلہ وھاں ہُردے پور میں تین دن ٹھہرے۔ جب آپؒ نے سکندر آباد واپس ہونے کی تیاری کی۔ تو وھاں کے لوگوں نے عمُوماً اور بھائی بشیر الدین، بھائی علیم الدین اور حکیم محمُود علی صاحب نے خصُوصاً درخواست پیش کی کہ حضرت قبلہؒ مجھے ہُردے پور ہی میں چھوڑ جائیں۔ جو منظور کر لی گئی۔

وھاں ایک لڑکا ظہور نامی حضرت قبلہؒ کے لیے چلم بھرنے گیا تھا۔ جب چلم بھر کر لا تو اُس نے پُوچھا کہ حضرت قبلہ کہاں تشریف فرما ہیں۔ جواب ملا کہ آپ تشریف لے گئے ہیں۔ اِس کا اُسے بہت دکھ ہُوا۔ فرطِ الم سے اُس نے چلم پھینک دی اور زمین پہ چاروں شانے چت گر پڑا۔ اور لوٹنے لگا۔ وہ کسی سے سنبھالے نہ سنبھلتا تھا۔ بھائی صاحبان نے یکے بعد دیگرے کوشش کی۔ مگر اُسے ہوش میں لانے کی کوئی صورت کارگر نہ ہُوئی۔ سب میری طرف متوجّہ ہُوئے۔ تھوڑی رد و قدح کے بعد دو مضبوط آدمی اس بات پہ مقرّر کیے گئے جو اسے خُوب قابو کر کے جلتی ہوئی زمین پر کچھ فاصلے تک چلاتے جائیں اور پھر دوڑاتے ہُوئے واپس لوٹائیں۔ واپسی پر وُہ بالکل ٹھیک تھا۔

حکیم محمُود علی صاحب جو کہ ایک فلسفہ قسم کے بزرگ تھے۔ بڑے حیران ہُوئے کہ یہ کیا ہُوا اور کیسے ہُوا۔ واپسی پر یہ واقعہ سکندر آباد شریف میں حضرت قبلہؒ کی خدمت میں پیش ہُوا۔ آپؒ بے حد مسرُور ہُوئے اور فرمایا" لڑکے کے دماغ میں زیادہ گرمی پہنچ گئی تھی۔ جلتی ہُوئی زمین میں اُس کو چلانے سے اس کی طبیعت اعتدال پر آگئی۔" مزید فرمایا: "خُوب سمجھ سے کام لیا گیا ہے۔"

سماع حضرت خواجہ غریب نوازؒ جیسے بزرگوں کا فعل ہے۔

ہردے پور (بھارت) میں بھائی بشیر الدین صاحب ایک عرصہ تک متمنّی رہے کہ حضرت قبلہؒ اودھے پور تشریف لائیں۔ آخر سکندرآباد شریف میں ورودِ مسعود کے تین چار سال بعد وہاں تشریف لے گئے۔ وہاں کی اکثریت سماع کے خلاف تھی۔ بشیر میاں صاحب اُن سے وعدہ کرتے رہتے تھے کہ حضرت قبلہؒ کے تشریف لانے پر یہ مسئلہ اُن سے حل کرالیں۔ آپ کے تشریف لانے پر گدھے پر کتابیں لادے کئی علماء، معززینِ شہر اور عوام کے جمِ غفیر کی معیت میں آپ کی قیام گاہ پر آدھمکے۔ اُن کی آمد کی اطلاع ملنے پر آپ باہر تشریف لائے اور دریافت فرمایا "مولوی صاحبان کیا معاملہ ہے؟" مولوی صاحبان نے کہا۔ "ایک مسئلہ پوچھنا ہے۔" آپ نے فرمایا "تم میں سے ایک آدمی آجاتا اور مسئلہ پوچھ لیتا۔ اِس قدر آدمیوں کے اجتماع، اس قدر کتابوں کی نمائش اور اس قدر ہنگامے کی کیا ضرورت تھی۔ خیر کہیے۔" مولوی صاحبان نے کتابیں ترتیب دیں اور سماع کے جواز کے بارے میں سوال کیا۔ آپ نے فرمایا "سماع کے ہم بانی مبانی نہیں ہیں۔ یہ ہمارے بزرگوں کا فعل ہے۔ وہی بزرگ آپ کے بھی بزرگ ہیں۔ کیا آپ خواجہ غریب نوازؒ، خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ اور خواجہ بحر و بر فرید الدین گنج شکرؒ اور حضرت محبوب الٰہیؒ کو اپنا بزرگ نہیں مانتے؟ یہ اُن بزرگوں کا فعل ہے جسے ہم بھی اختیار کر رہے ہیں۔ کیا آپ اِن جلیل القدر اولیائے کرام کو اپنا بزرگ تسلیم کرتے ہیں اور اُن کے فعل کو آپ غلط کہیں گے یا صحیح؟" اب مولوی صاحبان کتابیں اُلٹنے پلٹنے لگ گئے۔ جب جواب شافی نہ بَن پڑا تو آپ نے فرمایا "ہاں اپنی کتابیں بھی دیکھ لو۔" جب مولوی صاحبان نے جہاں جہاں نشانیاں لگائی ہوئی تھیں وُہ صفحات کھولے تو بالکل صاف و شفاف تھے۔ اب مولوی صاحبان کے پاس سوائے حیرت کے اور کوئی جواب نہ تھا۔ اس پر ایک عمر رسیدہ معزز بزرگ بولے۔ مولوی صاحبان تم مُتبَرّک بزرگان کو بزرگ تو مانتے ہو۔ مگر اُن کے فعل کو غلط سمجھتے ہو۔ تم صریح غلطی اور شرارت پر ہو۔ یہاں سے بوریا بستر اُٹھاؤ اور دُور ہو جاؤ۔

لہٰذا مولوی صاحبان اپنا سا مُنہ لے کر رخصت ہوئے۔

نصیر آباد شریف (بھارت) میں تیس ۳۰ برس تک حضرت قبلہ کا قیام رہا۔ ہر سال عُرس شریف ہوتا رہا۔ اِس موقع پر نصیر آباد شریف کے لوگوں کی دعوتِ عام ہوتی تھی۔ ایک سال میں (مستان شاہ) حسبِ معمول شہر کے لوگوں کو کھانا کھلا رہا تھا۔ لوگ گروہ در گروہ آکر کھانا کھاتے اور چلے جاتے۔ کھانا کھلانے کے دوران میں نے محسوس کیا کہ روٹی ضرورت سے کم ہے۔ لہٰذا میں نے کچھ دیر کھانا بند کرا دیا۔

اِسی اثناء میں حضرت قبلہ اِتفاقاً باہر تشریف لائے اور کھانا بند ہونے کی وجہ دریافت فرمائی۔ جو عرض کی گئی۔ آپ تنور پر کلوا نامی نانبائی کے پاس تشریف لے گئے۔ باتیں ہوتی رہیں اور اس طرح پانچ منٹ آپ کو وہاں ٹھہرنا پڑا۔ واپسی پر آپ نے مجھے فرمایا "کھانا شروع کرادو" دیکھا تو سٹور میں اور تنور پر ہر جگہ روٹیوں کے ڈھیر ہی ڈھیر تھے۔ سب لوگ سیر ہو کر کھا گئے۔ مگر کوئی کمی دوبارہ پیدا نہ ہوئی۔

جو چاہے آپ کا حُسنِ کرشمہ ساز کرے

نصیر آباد شریف (بھارت) میں حضرت قبلہ عالم اہلِ حدیث کے محلہ میں سکونت پذیر تھے اور حسبِ معمول سماع کی محفلیں منعقد ہوا کرتی تھیں۔ چھاؤنی کے ایریا میں سرکاری اجازت کے بغیر ایسے انعقاد ممنوع ہوتے ہیں۔ مگر آپ نے کوئی اجازت نامہ حاصل نہ کیا۔ اہلِ حدیث اصحاب نے موقع پا کر افسرانِ متعلقہ کو درخواست گزاری کہ ایک پیر صاحب یہاں اقامت پذیر ہیں، جو تمام رات رقص و سرود کی محفلیں گرم رکھتے ہیں اور ان کی وجہ سے اہلِ محلہ بہت بے چین ہیں۔ حضرت کو حکمنامہ کے ذریعہ مجسٹریٹ نے طلب کیا حکمنامہ پر آپ نے لکھ بھیجا کہ جسے کچھ دریافت کرنا مطلوب ہے، وہ یہاں آجائے۔ مجھے وہاں جا کر کچھ بتانے کی ضرورت نہیں۔

مخالف تو اس موقع کی تلاش میں تھے۔ اُن میں خوشی کی لہر دوڑ گئی کہ پیر صاحب نے خلافِ شرع و قانون فعل پر پشیمانی کے اظہار کے بجائے اُلٹا افسر کی حکم عدولی کی ہے۔ بلکہ اُلٹا افسر کو بلا بھیجا ہے۔ لوگ بڑی بے تابی سے نتیجہ کا انتظار کر رہے تھے۔

دُوسرے دن مجسٹریٹ صاحب خُود تشریف لائے۔ حضرت قبلۂ عالم ایک چبُوترہ پر حسبِ معمُول چہل قدمی میں مصروف تھے۔ اچانک مجسٹریٹ صاحب نے وہاں جا کر پوچھا۔ "کیا پیر صاحب آپ ہی ہیں۔" آپ نے اثبات میں جواب دیا۔ آپ نے نگاہ اُٹھائی اور مجسٹریٹ صاحب کی طرف سوالیہ انداز میں دیکھ کر فرمایا "کوئی حکم" اس پر مجسٹریٹ صاحب نے قانونی طور پر محافلِ سماع کے انعقاد کی اجازت دے دی اور واپس چلے گئے۔ اس واقعہ سے درخواست دہندگان اِنتہائی طور پر شرمسار ہُوئے اور ہمیشہ کے لیے خاموش ہو گئے۔

فَسادات میں مُسلمانوں کی دستگیری

سکندر آباد شریف (بھارت) میں تقسیمِ ہند کے وقت فسادات کا آغاز ہو چکا تھا۔ ایک دن سکندر آباد شریف کے مُسلمان آپ کی خِدمت میں حاضر ہُوئے اور اہلِ اسلام کو خطرہ لاحق ہونے کی خبر آپ کو دی۔ آپ نے مُختلف مُسلم محلّوں میں گشت کیا اور کئی حفاظتی تدابیر زیرِ تجویز آئیں۔ آپ نے فرمایا "خبردار بھی رہو مگر اللہ تمھارا حافظ و ناصر ہے۔" دُوسرے دِن صُبح سویرے یہ خبر مُختلف اطراف سے آنی شرُوع ہُوئی کہ سکندر آباد کی حفاظت کے لیے ایک بہت بڑی فوج متعیّن ہے کہ جس کے کمانڈر حضرت قبلۂ عالم ہیں۔

اِس خبر سے ہندوؤں میں خوف و ہراس پھیل گیا۔ میں (مستان شاہ) نے یہ خبر آپ کے گوش گزار کی تو آپ نے فرمایا "ایسی باتیں کرنے کا کیا فائدہ" اِس پر میں نے عرض کیا۔ حضورؐ یہ بات ساری دُنیا کہہ رہی ہے اور آپ ابھی چھپے بیٹھے ہیں۔ ؏

بازار میں بیٹھا ہے مگر پردہ نشیں ہے

اُسی دن شام کو آپ کی مجلس میں ایک چرواہا حاضر ہُوا۔ اور آپ کے قدموں سے لپٹ کر زار و قطار رونے لگا۔ کہ حضرت آپ نے ہم لوگوں کو بچا لیا۔ میں نے کہا آپ نے تم لوگوں کو کس طرح بچا لیا۔ چرواہا کہنے لگا۔ کہ میں فلاں گاؤں میں گیا۔ وہاں کے تمام

ہندو کہہ رہے تھے کہ رات کو حضرت قبلہ نے کہیں سے فوج منگوائی ہے۔ وہ ہمیں گاؤں سے نکالنا چاہتے تھے۔ میں نے کہا۔ حضرت قبلہؒ تو رات کو یہاں تھے وہاں کہاں تھے۔ وہ کوئی اور ہوگا۔ چپڑاسی نے بتایا۔ حضرت قبلہ فوج کے آگے آگے تھے۔ سب لوگوں نے آپ کو پہچانا ہے۔ اس واقعہ سے ہندو اور سکھ بہت خوفزدہ ہوئے اور سکندرآباد کا رُخ کرنے کی ہمت نہ ہوئی۔

اَبدالِ وقت نے آپ کے عقیدت مند کو آپ کا پیغام پہنچایا

میاں اللہ بخش صاحب دَولت آباد میں مدرس تھے۔ میاں صاحب بڑے نیک اور خُودار آدمی تھے۔ اُن کے لڑکے محمد شریف کی میاں ریاض حسین دو لتانہ کے منیجر بدرالدین سے کچھ کشمکش ہوگئی۔ بدرالدین نے اِس کشمکش کا اِنتقام لینے کے لیے میاں اللہ بخش صاحب کو ہدف بنایا۔ اور اِنتہائی بھیانک قسم کا اِقدام کیا کہ جس کا میاں اللہ بخش کو شدید صدمہ ہُوا۔ میاں صاحب موصُوف بائیس دِن تک ملُول رہے۔ اس کے بعد ایک رات عشاء کی نماز سے فارغ ہو کر بستر پر لیٹے ہی تھے کہ اُن کے دِل میں خیال پیدا ہُوا۔ کہ اس سلسلہ میں اپنے حضرت قبلہ پیرومُرشد کی جانب رجُوع کیوں نہ کیا جائے اور کیا میرے پیرومُرشد میرے حال سے بے خبر ہیں۔ انہی خیالات میں مُستغرق وہ سو گئے اور عالمِ خواب میں دیکھا کہ حضرت قبلہ تاج اولیاءؒ ایک مقام پر جلوہ افروز ہیں ——— اور حضرت پیر شاہ مُستان صاحب مدظلہٗ العالی بھی موجُود ہیں۔ حضرت پیر شاہ مُستان صاحب مدظلہٗ العالی نے میاں صاحب موصُوف کو حضرت قبلہ عالم تاج الاولیاء کی خِدمت میں پیش کر کے فرمایا "حضرت یہ بھی آپ کے غلام ہیں اِن کا بھی خیال رکھیں ہم آپ کی موجُودگی میں کیا کر سکتے ہیں؟" اس پر جناب تاج الاولیاءؒ نے میاں صاحب کی طرف نگاہِ التفات سے دیکھتے ہُوئے فرمایا "ہاں یہ ہمارا بچّہ ہے ہم اِن کا ضرُور خیال رکھیں گے اور اِن کی مدد کریں گے۔" پھر عالمِ خواب ہی میں میاں صاحب کو فرمایا کہ فلاں چیز لاؤ۔ میاں صاحب کو اُس چیز کا نام اب یاد نہیں رہا۔ صرف اس قدر یاد ہے کہ سالٹ کے مشابہ سفید رنگ کی

کوئی چیز تھی۔ میاں صاحب نے وہ چیز حاضر کر دی وہاں ہی آپ کے پاس مرچ مسالہ رگڑنے والی ایک دَوری اور ڈنڈا بھی رکھا ہوا تھا۔ آپ نے فرمایا اسے دَوری میں ڈال دو۔ میاں صاحب نے وہ سفید سی چیز دَوری میں ڈال دی۔ آپ نے ڈنڈا اٹھایا اور زور سے ایک رگڑا لگایا اور فرمایا کہ ہم نے تیرے بدخواہ کو اِس طرح رگڑا جیسے یہ چیز رگڑی گئی ہے۔ میاں صاحب کہتے ہیں کہ جب مَیں نے دَوری والی اُس چیز کو دیکھا تو وہ رگڑ کر بالکل سفوف سا بن گئی تھی۔ عالمِ خواب میں دیکھا منظر دیکھنے کے بعد میاں صاحب موصوف نے اپنے پیر و مُرشد حضرت قبلہ پیر مستان شاہ صاحب مدظلہ العالی کی خدمت میں حاضری دینے کے لیے چک ۱۴۱ R-B کا رُخ کیا۔ جب وہ کچا کھوہ پہنچے تو مستری شہاب الدین صاحب کی زبانی انھیں معلوم ہُوا کہ حضرت قبلہ پیر صاحب جھنگ گئے ہوئے ہیں۔ میاں صاحب اِس خیال کے پیشِ نظر کہ وہ جھنگ میں حضرت قبلہ پیر صاحب کو تلاش کرنے میں ناکام رہیں گے۔ کچا کھوہ سے سیدھے لاہور روانہ ہو گئے تاکہ وُہ تاج الاولیاء کی خدمت میں حاضری دیں۔ تقریباً تین چار بجے رات کو میاں لاہور ریلوے اسٹیشن پر پہنچے اور کچھ دیر سستانے کے لیے سرائے میں بیٹھ گئے۔ میاں صاحب کے ہمراہ فقیر محمد اور عنایت شاہ نامی دو آدمی اور بھی کچا کھوہ سے سفر میں شامل ہو گئے تھے۔ وُہ بھی سرائے میں اُن کے ساتھ بیٹھے تھے۔ اسی اثناء میں ایک مجذوب قسم کا درویش سرائے میں آکر میاں صاحب سے کچھ فاصلے پر ٹھہر گیا۔ ابھی وُہ ٹھہرا ہی تھا کہ پولیس کے ایک سپاہی نے دھکے دے کر اُسے نکال دیا۔ سپاہی آگے چلا گیا اور وُہ مجذوب پھر پلٹ آیا اور میاں صاحب کی جانب رُخ کر کے کہا۔ "ہم نے بدر دین کو رگڑ دیا جو ہمارے بچوں کو تنگ کرے گا ہم اس کو سخت سزا دیں گے۔" بدر الدین کا نام سُن کر میاں صاحب نے اپنے ساتھیوں سے پُوچھا کہ یہ فقیر کیا کہتا ہے۔ انھوں نے کہا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کسی نے اس کو تنگ کیا ہے اور یہ اُس کو بد دُعا دے رہا ہے۔ یہی مندرجہ بالا جملے دو مرتبہ اور مجذوب فقیر نے ادا کیے۔ اَب میاں صاحب معاملہ کی تہ تک پہنچ گئے تھے اور سب بات سمجھ گئے تھے۔ وُہ اُٹھے اور مجذوب کے لیے چائے اور مٹھائی لینے چلے گئے۔ جب واپس آئے تو مجذوب کو وہاں نہ پایا۔

بہت تلاش کیا مگر وُہ نہ ملا۔ اسٹیشن سے میاں صاحب حضرت قبلۂ عالم کی خدمت میں حاضری کے لیے چل پڑے۔ صبح آٹھ بجے آپ کی بارگاہ میں حاضری کا موقع ملا۔ میاں صاحب جاتے ہی آپ کے قدموں پر گر پڑے اور زار و قطار روتے۔ حضرت قبلۂ انھیں تسلی دیتے رہے کچھ دیر بعد حضرت قبلہؒ نے ٹھوڑی سے پکڑ کر میاں صاحب کو اُوپر اُٹھایا اور فرمایا ہم تمھارے حال سے بے خبر نہیں ہیں۔ میاں صاحب اَدب سے ایک طرف بیٹھ گئے۔ آپ نے فرمایا: "تمھاری تسلّی کے لیے تمھارے پاس پیغام بھی بھیجا تھا۔ اُس سے تمھاری گھبراہٹ دُور نہیں ہُوئی تھی۔" میاں صاحب نے عرض کیا حضورؐ اب سب گھبراہٹیں کافور ہو چکی ہیں۔

پھر ذرا جرأت کر کے گزارش کی کہ حضرت اسٹیشن والا مجذوب کس درجہ کا فقیر تھا اور میرے پاس کیسے آگیا۔ آپ نے جھڑک کر فرمایا "تم اپنے مطلب سے کام رکھو تمھیں فقیروں کے معاملات میں پُوچھ گچھ کی کیا ضرورت ہے۔" میاں صاحب چُونکہ مُخلص عقیدت مند اور آپ کے منظورِ نظر خادم تھے۔ پھر اصرار کر کے عرض کیا۔ حضرت اگر آگاہی ہو گی تو عقیدت اور مضبوط ہو گی۔ اور اِس کا خادموں کے حق میں اچھا نتیجہ نکلے گا۔

حضرت قبلہؒ نے مسکرا کر فرمایا: "تم پُوچھ کر ہی رہو گے باز رہنے والے نہیں ہو۔" پھر فرمایا "ارے وُہ ابدال تھا جسے ہم نے تمھارے پاس تمھاری تسلّی کے لیے بھیجا تھا۔ کیونکہ تم بہت گھبرائے ہُوئے تھے۔"

اِس انکشاف سے میاں صاحب اور دیگر خُدّامِ سلسلہ کی عقیدت اور زیادہ مضبوط ہو گئی۔ سُبحان اللہ حضرت قبلۂ عالمؒ کا کیا مرتبہ تھا۔

اُدھر بدرالدین کا یہ حشر ہُوا کہ جس رات کو میاں صاحب نے خواب دیکھا تھا اُسی رات کی صُبح کو بدرالدین نے نہانے کے لیے کپڑے اُتارے تو اُسے جسم میں چنگاریاں سی چھُوٹتی محسوس ہوئیں، یہ حالت بڑھتی گئی اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ اس کے تمام بدن پر آبلے پڑ گئے اور اُن سے پیپ بہنا شروع ہو گئی۔ اور میاں ریاض حسین دولتانہ بھی اُس سے ناراض ہو گئے۔ بدرالدین کو مینجری سے الگ کر کے ذلیل و خوار کیا۔ اور اُسے بڑی ذلّت کی زندگی کا رُخ دیکھنا پڑا۔

حضرتؒ کے سلیپر میں لاعلاج مریض کے لیے شفا تھی

چک ۲۴۴/۷-ایل نزد اوکاڑہ (ضلع ساہیوال) میں ایک سکھ صوبیدار غالباً سُندر سنگھ نامی رہتا تھا۔ اُس کا لڑکا پیٹ درد کے شدید عارضہ میں مُبتلا تھا۔ لڑکا ہر وقت دوہرا ہُوا رہتا تھا۔ سیدھا نہیں ہو سکتا تھا۔ صوبیدار صاحب نے بہت علاج معالجہ کرایا مگر کچھ فائدہ نہ ہُوا۔ ناچار چند اہلِ سلسلہ کی وساطت سے لڑکے کو اس کی والدہ اور اُن کا ایک آدمی میرے (مستان شاہ) پاس چک ۱۴۴/۸-آر لائے۔ میں نے لڑکے کو لنگر کا کھانا دیا۔ لڑکے نے کھا لیا۔ جس سے وُہ قدرے ٹھیک ہو گیا۔ لڑکے کی والدہ اور دیگر ساتھیوں کا کھانا سکھوں کے گھر بھجوا دیا گیا۔

اُنھوں نے نذر و نیاز پیش کرنے کی کوشش کی۔ لیکن مَیں نے انکار کر دیا اور انھیں ہدایت کی کہ وہ لڑکے کو سکندر آباد شریف (بھارت) حضرت قبلہ تاج الاولیاءؒ کی خدمت میں لے جائیں۔ علی محمدؐ نامی سلسلۂ عالیہ کے ایک آدمی کو ساتھ لے کر وہ لوگ سکندر آباد شریف حاضر ہُوئے۔

مَیں (مستان شاہ) بھی اُن سے پہلے وہاں پہنچا ہُوا تھا۔ اُنھوں نے مُجھے وہاں دیکھ کر مُجھ سے ملنے کی کوشش کی۔ چونکہ حضرتؒ کی موجودگی میں یہ بات خلافِ ادب تھی۔ مَیں نے اپنی ہی جگہ باادب بیٹھا رہنے کی انھیں ہدایت کی۔

حضرت قبلہؒ نے فرمایا "کیا بات ہے؟" مَیں نے عرض کیا۔ حضرت اِس لڑکے کے پیٹ میں درد رہتا ہے۔ فرمایا "یہ میرا سلیپر لے لو اور سات بار اس کے پیٹ پر لگا دو۔" مَیں نے ارشاد کی تعمیل کی اور وُہ لڑکا اُسی وقت بالکل ٹھیک ہو گیا۔

جو مریض علاج معالجہ سے ٹھیک نہ ہُوا وُہ آپ کے سلیپر کی برکت سے تندرست ہو گیا۔

دفعیہ وہم

ایک دفعہ میرے (مستان شاہ) کے پاس مبلغ دو صد روپیہ نقد تھا۔ مَیں نے اُسے

دربار شریف حضرت قبلہؒ کی خدمت میں پیش کرنے کا ارادہ کر لیا۔ میری یہ عادت بن گئی تھی۔ کہ جس قدر پس انداز کیا ہوتا، وہ سب حضرت کی خدمتِ عالیہ میں پیش کر دیتا تھا۔ ابھی روانگی کا پروگرام نہیں بنایا تھا کہ ایک رات مجلس میں بیٹھے ہوئے یہ بات چل نکلی کہ رقم کیسے بڑھائی جا سکتی ہے۔ میاں مُراد قصائی کہنے لگا۔ "حضرت کوئی تجارت کر لی جائے تو مال بڑھ سکتا ہے۔" میں نے خیال کیا کہ کالی کھال کی ٹوپیاں بنتی ہیں۔ لہذا یہ کاروبار اچھا رہے گا۔ چنانچہ چار آدمیوں کو یہ رقم دے کر میں نے انھیں جہلم روانہ کر دیا۔ جہلم پہنچ کر انھوں نے چند کھالیں اسّی روپے میں خریدیں۔ جن کو بیچ کر ایک سو ساٹھ ۱۶۰ روپے نفع حاصل ہوا۔ میرے فرستادہ آدمیوں نے کہا، یہ کاروبار اچھا رہے گا۔ اس لیے دوبارہ آدمی روانہ کر دیا گیا۔ جو تقریباً ایک سو کھالیں خرید لایا۔ واپسی پر کھالوں کا بھاؤ گر گیا اور یہ سودا گھاٹے میں رہا۔ گھاٹے کی وجہ سے مجھے اس کمی کو پورا کرنے کا خیال زیادہ رہنے لگا۔ میں نے وہ کھالیں فروخت کرا دیں۔ کیونکہ وہ میرے ذوق و شوق کی راہ میں حائل ہو رہی تھیں۔

اب وہ سارا مال ایک سو بیس ۱۲۰ روپے میں فروخت ہوا۔ اصل کے ساتھ منافع بھی جاتا رہا۔ جب میں دربار شریف حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا۔ تو عرض کیا۔ غریب نواز اگر اللہ واسطے کا کام کیا اور اس میں نقصان ہو تو اس کی کیا وجہ ہو سکتی ہے؟ آپ نے فرمایا" وہ اللہ واسطے کا کونسا کام کیا ہے؟" میں نے عرض کیا۔ حضور منافع کی غرض سے اس قدر رقم بیوپار میں لگائی تھی مگر اُلٹا نقصان ہوا۔ اس پر ارشاد ہوا "

پیشین گوئی

غالباً دسمبر ۱۹۴۷-۴۸ء کا واقعہ ہے۔ آپ عُرس شریف کے سلسلہ میں چک ۱۴۲/ R-8 تشریف لائے۔ عُرس شریف میں شرکت کی غرض سے آنے والے شہری لوگ اخبار بھی ہمراہ لاتے

تھے۔ اُنھوں نے اخبار کے حوالہ سے مجھے (مستان شاہ) بتایا کہ حضرت آج نظام حیدرآباد نے ہندوستان کے سامنے ہتھیار ڈال دیے ہیں۔ میں (مستان شاہ) نے سب لوگوں کو منع کر دیا کہ حضرت قبلہ کے سامنے بالکل اس واقعہ کا ذکر نہ کیا جائے۔ کیونکہ آپ کی طبیعتِ مبارک پر ایسے واقعات کا بُرا اثر پڑتا تھا۔

صبح وضو کراتے وقت میں نے مناسب انداز میں یہ خبر آپ کے گوش گزار کی تو فرمایا "بے فائدہ بات نہیں کرنی چاہیے"۔ عرض کیا کہ جناب یہ ریڈیو کی خبر بھی ہے اور اخبارات میں بھی یہ خبر چھپی ہے۔ فرمایا "اخبار لاؤ" اس پر دو تین اخبارات حاضر کیے گئے۔ اخبارات دیکھ کر اُس دن آپ خاموش ہو گئے۔ کچھ نہ فرمایا۔ دوسرے دن مجمع عام میں فرمایا "پاکستان کا دارومدار حیدرآباد پر نہیں ہے۔ اب جب بھی لڑائی ہوگی حملہ پاکستان کرے گا اور کامیابی بھی پاکستان ہی کی ہوگی"۔ یہ بھی فرمایا کہ مجھے حملہ کی تاریخ بھی معلوم ہے۔ مگر بتاؤں گا نہیں۔ چنانچہ ۱۹۶۵ء میں وہ حملہ پاکستان ہی کی جانب سے ہوا اور کامیابی بھی پاکستان ہی کی ہوئی۔

آپ کی دُعا سے مایوس باپ کو بیٹا عطا ہُوا

ملک عالم شیر مرحوم رئیس چک ۱۷ تحصیل خانیوال ضلع ملتان نے کہا کہ مجھے حضرت قبلہ کی خدمت میں پیش کیا جائے۔ میں (مستان شاہ) نے ملک صاحب کو آپ کی خدمت میں پیش کیا۔ ملک صاحب نے پیش ہو کر عرض کیا۔ حضرت! کہاوت ہے کہ دانت تھے تو چنے نہیں اور چنے ہیں تو دانت نہیں"۔ ملک صاحب کی پہلی بیوی فوت ہو چکی تھی اُس سے کوئی اولاد نہ تھی۔ پھر دوسری شادی کی اُس سے بھی کوئی اولاد نہ ہوئی۔ اِس لیے بہت رویا۔ آپ نے فرمایا "جاؤ ایک لڑکا ہم نے تمھیں دے دیا"۔ حضرت کی دُعا سے ملک صاحب کے ایک لڑکا پیدا ہُوا جس کا نام ملک مظفر خان ہے۔ اس کے سوا ملک صاحب کے ہاں کوئی اولاد پیدا نہ ہوئی۔ سچ ہے کہ ؎

گفتۂ او گفتۂ اللہ بود　　گرچہ از حلقوم عبد اللہ بود

حضرت کے چبائے ہُوئے پان سے خوشبو

حاجی احمد حسن صاحب بودلہ سکنہ چک ۵/1-R.A ریالہ خُورد (ضلع ساہیوال) بیان کرتے ہیں کہ جناب تاج الاولیا ؒ نے فیروز پور میں مجھے پان کا ایک ٹکڑا اپنے دہنِ مُبارک سے نکال کر دیا۔ میں نے اُسے اپنے مُنہ میں رکھ لیا۔ اس کے اِستعمال کی برکت سے میرے مُنہ سے اِنتہائی خوشگوار اور لطیف خوشبو آنا شروع ہوگئی اور کئی سالوں تک متواتر بدستور قائم رہی۔

ایک مولوی صاحب کو قُطب بنا دِیا

موضع ڈھوڈہ (ضلع سیالکوٹ) کے مولوی عُمر دین صاحب چک ۴۴ ڈی (تحصیل اوکاڑہ) میں مدرس تھے۔ مست طبیعت تھے۔ اُن کی خواہش تھی کہ میری موت حضرت کے سامنے واقع ہو اور دربارِ عالیہ میں دفن کیا جاؤں۔ چُنانچہ ایسا ہی ہُوا۔ مولوی صاحب عرس شریف کے موقع پر نصیر آباد (اجمیر شریف) حاضر ہُوئے۔ رات کا کھانا انھوں نے نہ کھایا۔ کھانا نہ کھانے کی بابت اُن سے دریافت کیا گیا تو عرض کیا کہ میرے پیٹ میں خرابی ہے۔ رات کو سو رہے۔ صبح دیکھا گیا تو اُن کا سر چارپائی سے کچھ نیچے لٹکا ہُوا تھا۔ میں (مستان شاہ) نے اُن کے مُنہ میں پانی ڈالا تو کُلی کر دی۔ دوبارہ پانی ڈالا تو غرارہ کر کے پانی کی کُلی کر دی۔ پھر اُن کا سَر اچھی طرح چارپائی پر رکھ دیا گیا۔ ڈاکٹر کو بھی بُلا لیا گیا۔ ڈاکٹر صاحب نے انھیں ایک انجکشن لگایا۔ اِتنے میں حضرتؒ بھی وہاں تشریف لائے۔ ڈاکٹر نے کہا سُورہ یٰسین تلاوت کریں۔ میں (مستان شاہ) نے کہا۔ مالک موجُود ہیں جو مناسب ہوگا فرمائیں گے۔ دیکھتے ہی دیکھتے اُن کا وصال ہوگیا۔ تجہیز وتکفین کے بعد اُن کے چہرے پر نوجوانوں کی طرح سُرخی تھی۔ حضرت قبلہؒ نے فرمایا "مولوی صاحب پر قطبیت کے آثار ظاہر ہو گئے ہیں۔ حضرت نے مولوی صاحب کے جنازے کو کندھا بھی دیا اور نصیر آباد شریف کی سرزمین میں وُہ دفن ہُوئے۔ سُبحان اللہ آپ کی ادنیٰ سی توجہ سے مولوی صاحب پر

آثارِ قطبیت ظاہر ہو گئے۔

وصال کے بعد بھی آپ کی شفقت

غالباً سنہ ۱۹۶۰ء کا واقعہ ہے میں (مستان شاہ) کراچی گیا ہوا تھا۔ حضرت کے وصال کو پانچ سال کا عرصہ گزر چکا تھا۔ میرے ایک پیر بھائی محمد جمیل صاحب نے میری دعوت کا انتظام کیا۔ جس دن میری دعوت تھی۔ اس سے ایک رات پہلے محمد جمیل صاحب نے عالمِ رؤیا میں حضرت قبلہؒ کی زیارت کی۔ آپ نے محمد جمیل سے فرمایا "مستان شاہ کو مچھلی بہت پسند ہے۔ اُن کی دعوت میں مچھلی ضرور شامل کرنا۔" چنانچہ انھوں نے تعمیلِ ارشاد کے لیے سب سے پہلے مچھلی پیش کی۔ میں نے پوچھا کیا صرف مچھلی ہی کی دعوت ہے۔ جواب ملا۔ "جناب یہ مچھلی ایک خصوصی حکم کے تحت پکائی گئی ہے۔ اِس لیے اس کا کھانے سے قبل پیش کرنا ضروری تھا۔" اور پھر خواب کا قصہ سُنایا۔ سُبحان اللہ حضرت کی شفقت کا تعلق بعد وصال بھی قائم ہے اور اِنشاء اللہ قائم رہے گا۔ ؎

بابا جا ہے کی بات نرالی

متوسّلین کی ہر بات پر نگاہ

کراچی کے اِسی سفر کے دوران جناب فرید میاں صاحب نصیر آبادی حال مقیم حیدرآباد بھی میرے ساتھ تھے۔ انھوں نے بچّوں کے کھلونے خریدے۔ کھلونوں کی قیمت تو ادا کر دی مگر کھلونے وہیں بھول گئے۔ جب وہ جائے قیام پر پہنچے تو حضرت کی طرف سے اشارہ ہوا کہ کھلونے وہیں دُکان پر ہی رہ گئے ہیں۔ وُہ دُکان پر گئے اور کھلونے اٹھا لائے۔ سُبحان اللہ کیا شان ہے کہ متوسّلین کی ہر بات میں بعد وصال بھی رہنمائی جاری ہے اور اِنشاء اللہ جاری رہے گی۔

تیرا اِک اشارہ کافی ہے گھٹانے میں بڑھانے میں

ایک دفعہ سکندر آباد شریف میں ایک تحصیلدار صاحب حاضرِ خدمتِ اقدس ہوئے اور عرض کیا غریب نواز! بندہ نے کئی خیراتیں اور میلاد شریف بھی کیے ہیں۔ لیکن مال افسر کے عہدہ پر ترقی یاب نہیں ہوسکا۔ آپ نے فرمایا "تم مال افسر ہو جاؤ گے۔" تحصیلدار صاحب نے عرض کیا کہ وہ ایک روز قبل کمشنر صاحب سے ملے تھے اور انھوں نے کہا تھا کہ اُن کی عمر زیادہ ہوگئی تھی۔ اِس پر آپ نے فرمایا "تم فنانشل کمشنر صاحب سے ملو۔" تحصیلدار صاحب ایک ممبر اسمبلی کے ہمراہ فنانشل کمشنر صاحب سے ملے۔ افسرِ مجاز نے انھیں حکم دیا کہ فلاں علاقہ میں بند وبست شروع ہے۔ تمھیں وہاں مال افسر تعینات کیا جاتا ہے۔ چنانچہ وہ حضرت کی دُعا سے مال افسر بن گئے۔ دُعا اس بات پر خوش ہو کر کی گئی تھی کہ تحصیلدار صاحب کا ایک بارہ سالہ بچہ تہجد گزار تھا۔ اِرشاد فرمایا "تمھارے بچے کی ریاضت ہمیں بہت پسند آئی اس لیے تمھارے حق میں دُعا کی گئی ہے۔"

چار سال کے عرصہ تک بند وبست رہا۔ اس دوران میں وُہ حضرت قبلہؒ کو بھول گئے من مانی کارروائیاں کرنے لگا۔ لوگوں سے ناجائز طور پر رقوم وصول کرنے لگا۔ اِن کارروائیوں کی بنا پر اُس کی معزولی کی تجویز پاس کر کے اَفسرانِ مجاز نے اُسے پھر تحصیلدار بنا دیا۔ اُس وقت اُسے یاد آیا۔ کہ مَیں تو حضرت قبلہؒ کی دُعا سے مال افسر بنا تھا۔ چنانچہ وہ پھر حاضرِ خدمت ہُوا۔ اور عرض کیا کہ حضور میں تنہائی میں ایک عرض کرنا چاہتا ہُوں۔ تمام حاضرینِ مجلس ذرا باہر تشریف لے جائیں۔ سب چلے گئے مگر میں (مستان شاہ) بیٹھا رہا۔ اُس نے میرے متعلق بھی باہر چلے جانے کو کہا۔ آپ نے فرمایا ان کا کوئی حرج نہیں مگر اُس کے اصرار کے پیشِ نظر میں بھی باہر چلا آیا۔ اور سامنے باہر والی سڑک پر ٹہلتا رہا۔ مال افسر صاحب نے اپنا حال عرض کیا کہ اُس کا خرچ کافی تھا۔ لہٰذا بغیر لیے دیے گزارہ نہیں چل سکتا تھا۔ آپ نے فرمایا "ہم نے دُعا اس لیے نہیں کی تھی کہ تم رشوت لیتے رہو اگر باز نہیں آؤ گے تو ضرور تحصیلدار بنا دیے جاؤ گے۔ اگر بچے رہو گے تو مال افسر ہی رہو گے۔ عرض کیا حضور بہت اچھا اب میں رشوت نہیں لوں

گا۔ چنانچہ وُہ مال افسر ہی رہا۔ لہٰذا حضرت کا اشارہ اور ارادہ ہی اُن کے گھٹانے اور بڑھانے کو کافی تھا۔ سچ ہے کہ ؎

اِشارہ تیرا کافی ہے گھٹانے میں بڑھانے میں

تعظیمِ بزرگان

ایک روز حضرت قبلہ تاج الاولیاء نے فرمایا کہ "ہمارے پیر و مُرشد اسدِ جہانگیری فخر السالکین جناب شاہ محمد نبی رضا خاں کے بھائی جناب عنایت حسین شاہ صاحب میرے حضرت (شاہ محمد نبی رضا خاں) کی زندگی میں تحصیلدار تھے۔ آپ کے عرصۂ حیات میں انھوں نے دینداری اور فقیری کی طرف کوئی توجہ نہ دی۔ آپ کے وصال کے بعد انھیں خیال آیا کہ دریائے رحمت ہمارے گھر میں ٹھاٹھیں مارتا رہا۔ باہر کے ہزاروں لوگ فیض یاب ہو گئے۔ اور میں یونہی محروم رہا۔ اِدھر اُدھر پھرتے پھراتے رہے۔ ہمارے پیر بھائیوں میں سے اکثر حضرات نے جناب عنایت حسین شاہ کو مُرید کرنے کی کوشش کی۔ اُن کا خیال تھا کہ حضرت کے بھائی ہمارے مُرید ہو گئے تو ہماری بات بن جائے گی۔ مگر انھیں کامیابی نہ ہو سکی۔ وُہ اُن سب سے بدظن ہو کر ہمارے حضرتؒ (شاہ محمد نبی رضا خاں) کی طرف سے غائبانہ ارشاد حاصل کر کے اُن کے پیر بھائی حکیم سیّد سکندر شاہ صاحب کی خدمت میں بمقام دھلی حاضر ہوئے اور کہا کہ "مجھے آپ کے پاس بھیجا گیا ہے۔" جناب قبلہ سیّد سکندر شاہ صاحب نے فرمایا "بھائی صاحب اگر آپ ایک بار نصیر آباد سے ہو آئیں تو زیادہ بہتر ہے۔ چنانچہ عنایت حسین صاحب نصیر آباد چلے آئے۔ اِن دنوں اجمیر شریف میں حضرت خواجہ غریب نواز کا عُرس شروع تھا اور میں عُرس شریف میں شرکت کے لیے اجمیر شریف گیا ہوا تھا۔ لہٰذا وُہ بھی اجمیر شریف چلے آئے۔ چونکہ اُن کا مجھ سے تعارُف نہ تھا۔ اس لیے وہاں مجھ سے مُلاقات نہ ہو سکی اور میں واپس نصیر آباد آ گیا۔ کچھ دیر بعد عنایت حسین صاحب بھی تشریف لائے۔ ابھی میں آرام کے لیے اندر ہی گیا تھا کہ باہر سے اُن کا پیغام ملا۔ اگرچہ طبیعت میں کافی تکان تھی تاہم اپنے حضرت کے بھائی کی تعظیم کو ملحوظ رکھتے ہوئے باہر آنا پڑا۔ اُن کے لیے

گدی لگوائی اور انھیں گدی پر تشریف رکھنے کے لیے کہا۔ مگر انھوں نے کہا۔ "میں یہاں سے کچھ حاصل کرنے آیا ہوں گدی پر بیٹھنے کے لیے نہیں آیا۔" میں نے کہا۔ گدی پر تشریف رکھیں میرے پاس جو کچھ بھی ہے وہ سب آپ کا ہے۔ سب کچھ مل جائے گا۔ اسی گفتگو کے دوران میں گدی پر بیٹھ گیا۔ مگر پھر گدی خالی کر دی اور اُن سے کہا کہ میں تو آپ کا ذکرِ خیر کرتا رہتا ہوں اگر میں گدی پر بیٹھ گیا اور آپ نیچے بیٹھے رہے تو یہ لوگ کیا سمجھیں گے کہ اپنے پیر و مرشد کے بھائی کو نیچے بٹھایا اور خود گدی پر بیٹھ گئے۔ مگر وہ (عنایت حسین صاحب) باوجود اصرار گدی پر تشریف رکھنے کے لیے رضامند نہ ہوئے۔

میں نے انھیں ایک مہینہ کے لیے اپنے پاس قیام کرنے کو کہا چنانچہ وہ ایک مہینہ تک یہاں نصیر آباد ٹھہرے رہے۔ اسی دوران میں صوفی محمد حسین صاحب بھی یہاں آ گئے۔ حضرت قبلہ فخر السالکین شاہ محمد نبی رضا خاں کے متوسلین میں سے وہ واحد شخص تھے جو فیض سے محروم رہے تھے۔ اُن کے علاوہ باقی سب لوگ کامیاب ہو گئے تھے۔ میں نے اُن سے کہا کہ وہ جناب عنایت حسین صاحب سے بیعت کر لیں۔ انھوں نے کہا: "حسب الحکم بیعت تو کر لیتا ہوں مگر تصوّر آپ ہی کا کروں گا۔" میں نے کہا چلو ایسا ہی کر لینا۔ ایک ماہ نصیر آباد گزارنے کے بعد وہ چلے گئے۔ انھیں رخصت کے وقت میں نے تعلیم و تلقین کی اجازت دے دی۔ واپس جا کر انھوں نے تعلیم و تلقین کا سلسلہ شروع کر دیا۔ تھوڑے ہی عرصہ میں بے شمار لوگ اُن کی وساطت سے سلسلۂ عالیہ میں داخل ہو گئے۔ کچھ عرصہ بعد حضرت سکندر شاہ نے انھیں بلا بھیجا اور دریافت کیا کہ آپ کے ساتھ کیا معاملہ کیا گیا۔ عنایت حسین صاحب نے کہا۔ جناب بظاہر تو کچھ نہیں ہوا جو کچھ ہوا ہے باطنی طور پر ہوا ہے لکھنؤ شریف میں حضرت قبلہ (شاہ نبی رضا خاں) کے عرس کے موقع پر وہاں ایک اور بزرگ بھی موجود تھے۔ حضرت (شاہ نبی رضا خاں) نے اُن کو فرمایا کہ صبح کو اعلان کر دو کہ عنایت حسین شاہ سجادہ نشین ہیں۔

صوفی محمد حسین صاحب جو کہ نصیر آباد میں عنایت حسین صاحب کے سب سے پہلے مرید ہوئے تھے اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے وہ بھی کامیاب ہو گئے۔ اُن کے بھی کئی

خلفا ہیں۔

حضرتؒ کی دُعا بہت گرانمایہ تھی

ایک دفعہ نصیر آباد شریف (اجمیر شریف) دَورانِ حاضری میں (مستان شاہ) نے عرض کیا۔ غریب نواز پنجاب میں رواج ہے کہ وہاں کے پیرانِ عظام سائلین کے سامنے دُعا کر دیتے ہیں۔ فرمایا: "پنجاب چل کر اس رواج کو دیکھیں گے۔" آنجناب جب بندہ کے غریب خانہ چک ۱۴۲ تشریف لائے تو اکثر لوگ ملتجیٔ دعا ہوئے۔ آپ نے اُن کے سامنے ہاتھ اُٹھا کر دُعا کر دی۔ اور فرمایا" بھئی دُعا کا یہ طریقہ ہمیں بہت پسند آیا۔ اس طرح ہم بری الذمّہ ہو جاتے ہیں کیونکہ دُعا کرانے والے کو ہماری طرف سے تو اطمینان ہو جاتا ہے اس لیے کہ ہم نے اُن کے سامنے دُعا کر دی۔ آگے قبول کرنا یا نہ کرنا اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔ لیکن اگر ہم یہ کہیں کہ دُعا کر دیں گے تو اس طرح اُن کا کام کرانا ہمارے ذمّہ ہو جاتا ہے۔

دُعا کا ایک خاص انداز تھا

سکندر آباد شریف (یوپی) کا واقعہ ہے کہ مُسلم لیگ کے چند نمائندے جن میں ڈاکٹر لیاقت علی خاں کے منیجر بھی تھے حاضر ہوئے۔ مَیں (مستان شاہ) نے کہا جنھیں ضرورت ہوتی ہے وہ خود حاضر ہُوا کرتے ہیں۔ دُوسرے تیسرے روز ڈاکٹر لیاقت علی خاں مرحوم خُود بھی حاضر ہوئے اور عرض کیا۔ حضور! کانگرس کے مقابلہ میں مُسلم لیگ جدوجہد کر رہی ہے۔ جس کی کامیابی کے لیے آپ جیسی برگزیدہ ہستی کی سرپرستی ضروری ہے۔ لہٰذا ہم لوگ حاضر ہوئے ہیں کہ آپ ووٹ بھی دیں اور مُسلم لیگ کی کامیابی کے لیے دُعا بھی کریں۔ فرمایا "اچھا بھئی ہمارا ووٹ بھی تمھارے لیے ہے اور دُعا بھی تمھارے ہی لیے ہے۔" اس کے چند روز بعد کانگریسی نمائندے بھی حاضر ہوئے۔ اور ووٹ کے لیے التجا کی۔ آپ نے فرمایا "ہم تو ووٹ کا مُسلم لیگ والوں سے وعدہ کر چکے ہیں۔" اُنھوں نے کہا حضور! پھر ہمارے

بلیے دعا ہی فرما دیں۔ فرمایا "ہماری دعا ووٹ سے زیادہ قیمتی ہے اور ووٹ سے زیادہ اہمیت رکھتی ہے لہٰذا ہم نے دعا بھی مسلم لیگ ہی کے لیے کر دی ہے۔" کانگرسی ناکام و نامراد واپس لوٹ گئے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے مسلم لیگ کامیاب ہوئی۔

موروثی ورثہ لوٹایا گیا

سکندر آباد شریف کا ذکر ہے۔ میں نے عرض کیا حضور! میں اکثر بزرگانِ دین کے مزارات پر حاضری دیا کرتا ہوں۔ اس دفعہ جب میں حضرت خواجہ نور محمد صاحبؒ مہاروی کے مزارِ پُر انوار پر حاضر ہوا تو انھوں نے بڑا کرم فرمایا۔ مجھے اس قدر ذوق اور کیفیت ہوئی کہ مجھے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ میری روح نکلنے کو ہے۔ لوگ مجھے حلقہ میں لیے ہوئے تھے حالانکہ کوئی شعر وغیرہ بھی نہ پڑھا گیا تھا۔ تاہم عالمِ بے خودی میں میں ان کے در کی چوکھٹ پر سر رکھ کر خوب رویا اور حد سے زیادہ تسکین جا حاصل ہوئی۔ آپ نے ارشاد فرمایا۔ "یہ ہمارے حضرات ہی کا اُن پر انعام تھا۔ حضرت خواجہ صاحب مہارویؒ ہمارے حضرت قبلہ خواجہ امیر ابوالعلاء شاہ صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یہ حاضری اُن کے پیر و مرشد حضرت فخر جہاں کے حکم کے تحت تھی۔ دربارِ عالیہ کے وہاں حجرے تعمیر ہو رہے تھے۔ خواجہ صاحب مہارویؒ تین روز سر پر گارے کی کڑاہی رکھ کر کام کرتے رہے۔ تین روز کے بعد آپ نے فرمایا۔" خواجہ جاؤ تمھارا کام کر دیا گیا لہٰذا یہ تمھارے ہی گھر کی دولت تھی جو انھوں نے تمھیں عطا کی۔ (واقعہ حضرت قبلہ پیر مستان شاہ)

کسی بھائی کو حقیر نہ سمجھو

ہمارے ایک پیر بھائی شفیع میاں ہمارے حضرت کے انتہائی عاشق مرید تھے۔ حضور کی خدمتِ اقدس میں حاضری کے وقت ایسے محو اور مدہوش ہوتے کہ گھر بار اور عزیز و اقارب کی کوئی فکر دامن گیر نہ ہوتی۔ انھیں اپنی بیوی کے فوت ہونے کی خبر ملی تب بھی نہ گئے پھر لڑکا فوت ہوا تو بھی دربار شریف کو نہ چھوڑا۔ آپ نے فرمایا تمھارے گھر میں تو ماتم

ہے اور تم یہاں بیٹھے ہو۔" شفیع میاں نے عرض کیا۔" حضرت خود مار بھی رہے ہیں اور جلا بھی رہے ہیں۔ میں تو یہاں بیٹھا تماشہ دیکھ رہا ہوں۔" شاید کسی خلیفہ نے شفیع میاں کو حقارت کی نگاہ سے دیکھا۔ حضرت قبلہؒ نے نورِ باطن سے معلوم کر کے فرمایا "کسی خلیفہ کو یہ گمان نہ ہونا چاہیے کہ وہ عام لوگوں سے بہتر ہے۔ اگر کسی کو گمان گزرے کہ میں اچھا ہوں تو اُسے ایسا گمان نہیں کرنا چاہیے۔ کیونکہ میں جانتا ہوں کہ ایک آدمی خلفا سے بہتر ہے۔ باقی لوگوں کے نام نہیں بتاؤں گا جو بہتر ہیں اور وہ ایک آدمی شفیع میاں ہیں۔

اپنے ذوق کی تسکین کے لیے دُوسروں کو تکلیف نہ دی جائے

نصیر آباد شریف (اجمیر شریف) کا ذکر ہے۔ عرس شریف کے موقع پر تقریباً ۲ بجے رات تک محافلِ سماع منعقد ہوا کرتی تھیں۔ وہ زمانہ حضرت قبلہ کا کچھ عجیب زمانہ تھا۔ سلسلۂ عالیہ کے تمام لوگ بڑے صاحبِ حال اور با ذوق تھے۔ ہم سب نے مِل کر کچھ اشعار پڑھنے شروع کر دیئے جس سے لوگوں پر وَجد و حال طاری ہو گیا۔ تقریباً پون گھنٹہ تک کے لیے محفل دوبارہ جم گئی۔ حضرت نے دروازہ کھولا۔ دروازہ کھلتے ہی شفیع میاں نکل بھاگے۔ حضرت نے فرمایا "اب تو لوگوں کو آرام کرنے دو۔" میں (مستان شاہ) نے عرض کیا۔ غریب نواز یہ لوگ سال کے بعد یہاں اکٹھے ہوتے ہیں۔ اور اپنا ذوق و شوق پورا کرتے ہیں۔ اس پر حضرت نے فرمایا کہ "اگر ذوق و شوق پورا کرنا ہے تو بوریا بستر اٹھاؤ اور جنگل میں چلو۔ وہاں جنگل میں دُوسرے لوگوں کو تو تکلیف نہ ہو گی۔ میں بھی تمہارے ساتھ چلتا ہوں۔"

آپ کو لوگوں کے آرام کا کس قدر خیال رہتا تھا۔ سبحان اللہ!

احترام و محبّتِ مدینہ طیّبہ

اجمیر شریف میں عرس شریف کے موقع پر ایک عرب نوجوان مدینہ طیبہ سے اجمیر شریف آ گیا۔ حضرت قبلہ نے دریافت فرمایا۔ کہ تم کہاں کے رہنے والے ہو۔ نوجوان عرب نے عرض کیا: "مدینہ شریف کا رہنے والا ہوں۔" حضرت قبلہ مدینہ طیبہ کا نام سنتے ہی اٹھ کھڑے ہوئے

اور اُٹھ کر اُس سے گلے ملے۔ آپ اُس سے اِس قدر اخلاق سے پیش آتے کہ وہ آپ سے جُدا ہونا ہی نہ چاہتا تھا۔ جس وقت وہ عرب نوجوان اُٹھتا یا کہیں سے لوٹ کر آتا تو آپ کھڑے ہوجاتے۔ عرب نے عرض کیا۔ حضور! میں آپ کے بیٹوں کا ہم عمر ہوں گا۔ جب مجھے دیکھ کر کھڑے ہوجاتے ہیں تو مجھے شرم محسوس ہوتی ہے۔ حضرت نے فرمایا۔ "یہ تمہارا احترام نہیں ہے۔ یہ سرکارِ مدینہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا احترام ہے۔ کہ تم اُن کی پاک سرزمین سے آئے ہو۔" حضرت کی زبانِ فیض ترجمان سے یہ لفظ سُن کر وہ زار و قطار رونے لگا۔ اور عرض کی کہ حضور میرے لیے سرکارِ مدینہ کی محبت کی دُعا فرمادیں۔"

حضرت کے تصرّف کا ظاہر واقعہ

مولوی قمرالدین صاحب سکنہ "مولوی واہ" تحصیل دھاڑی ضلع ملتان بیان کرتے ہیں کہ وُہ حضرت قبلۂ عالم کی خدمت میں حاضری کے لیے لاہور حاضر ہوئے۔ حضرت قبلہؒ نے انہیں خلافت عطا فرمائی۔ چونکہ کسی مجمع عام میں مولوی صاحب کو نعمتِ خلافت سے نہیں نوازا گیا تھا۔ اِس لیے ان کے دِل میں خیال آیا کہ کسی کو کیونکر معلوم ہوگا کہ مجھے خلافت سے نوازا گیا ہے۔ جب وُہ واپس جانے کے لیے بس میں سوار ہوئے تو کچھ مولوی صاحبان نے جو کہ پہلے سے بس میں سوار تھے، مولوی صاحب موصوف سے دریافت کیا کہ آپ کونسی خانقاہ کے سجّادہ نشین ہیں تو مولوی صاحب نے کہا کہ میں کسی خانقاہ کا سجادہ نشین نہیں ہوں۔ مگر اُن مولوی صاحبان نے اِس بات کا یقین نہ کیا اور کہنے لگے۔ حضرت آپ خُود کو چُھپانے کی کوشش کررہے ہیں۔ مگر آپ کے چہرۂ پُر انوار و تجلیات آپ کی بزرگی کے غمّاز ہیں۔ چنانچہ مولوی صاحب کو پہلے تو شُبہ تھا کہ میرے خلافت و اجازت سے نوازے جانے کا لوگوں کو کیوں کر علم ہوگا۔

مگر حضرتِ قبلہؒ کا یہ تصرّف تھا کہ لوگ خود بخود اُن کی طرف رجُوع کرنے لگے۔ مولوی صاحب ابھی گھر پہنچے ہی تھے کہ لوگ مرید ہونے کے لیے کشاں کشاں آنے لگے۔ اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور حضرت کے تصرّف سے اُن کا سلسلہ چل نکلا اور تاحال جاری ہے۔

جنابِ "تاج الاولیاء" کی خلافت اور اشاعت سلسلۂ عالیہ

ایک روز ارشاد ہُوا ہم آرمی کنٹریکٹر تھے جب ہمیں نعمتِ خلافت سے نوازا گیا۔ ہمارے حضرت قبلہ پیر و مُرشد (شاہ محمد نبی رضا خاں) کی خدمتِ اقدس میں لوگ اکثر مسائل و افکار کے بارے میں بات چیت کرتے رہتے۔ مگر ہمارا یہ معمول ہوتا تھا کہ آنکھیں بند کیے اپنے پیر و مُرشد کو ہوا دینے میں مشغول رہتے۔ اگر کوئی دُوسرا بھائی مجھ سے پنکھا لے لیتا۔ تو میں خاموشی سے سر جھکائے پاؤں دبانے میں مصروف رہتا۔ خلافت کے بعد کافی عرصہ تک مجھ سے سلسلہ کی اشاعت نہ ہو سکی۔ ایک دفعہ جب حضرت قبلہ (شاہ نبی رضا) کی خدمت میں حاضر ہُوا تو مجھ سے دریافت فرمایا:
"سناؤ بھئی کچھ کام سلسلۂ عالیہ کی اشاعت کا شروع کیا یا نہیں؟ میرے ہمراہ ایک نوکر بنام نرسنگھ تھا۔ جو کہ میرا حجام بھی تھا۔ اُس نے عرض کیا۔ حضور! لوگ کہتے ہیں کہ ہم آرمی کنٹریکٹر کے مرید کیوں ہوں۔ اس پر ارشاد ہُوا "ہم لوگوں کو دکھا دیں گے کہ ہم نے ان کے ساتھ کیا کیا۔ تین سال تک اسی طرح فرمان جاری ہوتا رہا۔ اس کے بعد ہمارے غریب خانہ پر تشریف آوری کا پروگرام بنایا گیا۔ پروگرام کے مطابق اتوار کے دِن صُبح ۱۰ بجے آپ نے تشریف لانی تھی۔ لیکن منشائے ایزدی کچھ اَور تھی۔ وُہ یہ کہ بجائے ہماری سرکار کی تشریف آوری کے ہمیں آپکے وصال کی خبر عین اُسی وقت ملی جو آپ کی آمد کا مقرر تھا۔ تو ہمیں خیال آیا کہ ہم تو کچھ سمجھے ہی نہیں ہیں معاً سوچا کہ چلو اگر ضرورت ہُوئی تو حضرت قبلۂ عالم دادا صاحب (شاہ محمد عبدالحیؒ) سے دریافت کرلیں گے۔ مگر حالات نے بعد میں ثابت کر دیا کہ ہمیں کسی سے کچھ پوچھنے کی ضرورت ہی نہ پڑی۔ یہ سب کچھ اعلیٰ حضرت (شاہ نبی رضا خاں) کے باطنی تصرف اور توجہ مبارک کی بدولت تھا۔ بعد ازیں تین ماہ تک ہم بالکل خاموش رہے اور کسی کے ساتھ کوئی بات چیت نہ کی۔ ایک رات دِل میں خیال گزرا کہ مبادا اپنے پیر و مُرشد کی حکم عدولی میں گرفتار ہو جاؤں اس لیے تہیہ کر لیا کہ صُبح سے ہی سلسلۂ عالیہ کی اشاعت کا کام شروع کر دوں گا۔ اُسی رات حضرت قبلۂ عالم (شاہ نبی رضا خاں) نے ہمارے ساتھ کچھ ایسا معاملہ کیا کہ صُبح ہوتے ہی لوگ خُود بخُود آنے شروع ہو گئے اور ہم ان کو داخل سلسلۂ عالیہ کر کے تعلیم و تلقین کرنے

لگے۔ حضرت نے اس قدر مہربانی فرمائی کہ اجمیر شریف اور گرد ونواح کے گاؤں گاؤں اور شہر بہ شہر ہزاروں کی تعداد میں لوگ داخل سلسلۂ عالیہ ہونے لگے اور کئی متوسّلین کو خلافت سے بھی نوازا گیا۔ چنانچہ ہماری تعلیم اور اشاعت کی شہرت سُن کر بنگال سے ہمارے چچا پیر صاحب ڈپٹی مستفیض الرحمان اور ڈپٹی بدیع العالم صاحب اور دیگر کئی بزرگ حضرات ہمارے ہاں بغرضِ ملاقات تشریف لائے۔

ایفائے عہد

حضرت قبلۂ عالم (تاج الاولیاءؒ) نے کچھ دِنوں کے لیے کورٹ سُلطان (ضلع مظفر گڑھ) میں قیام اختیار فرمایا۔ اِسی دوران غلام حیدر نامی ایک آدمی نے اس شرط پر مُرید ہونا چاہا۔ کہ حضرت قبلہ انھیں گناہ سے باز رکھیں۔ کہنے لگا کہ حضرت میں غلامی میں داخل تو ہونا چاہتا ہوں۔ مگر میں جنگلی اور آوارہ جانوروں کی سی عادات واطوار رکھتا ہوں۔ اگر آپ مجھے آوارگی سے باز رکھیں تو مرید ہو جاتا ہوں۔ غلام حیدر کے اصل الفاظ یہ ہیں:

"حضرت مرید تھیون نوں دِل پیا چاہندا اے پَر اساں تھیوسے جنگلی جانور۔
اُساں کوں وَلو تاں مُرید تھیندا ھاں۔ نہیں تاں نہیں تھیندا ھاں۔"

حضرت نے فرمایا ہاں بھئی ہم تمھیں "وَلیں" گے۔ اس پر وہ مرید ہو گیا۔ غلام حیدر موصُوف کے دو عورتوں کے ساتھ ناجائز تعلقات تھے۔ کچھ دنوں کے بعد اس نے ایک عورت کے ساتھ ملاقات کے لیے جگہ متعیّن کی۔ اُس کی آشنا عورت متعینہ جگہ پر وعدہ کے مطابق پہلے پہنچ کر بیٹھ گئی۔ اور غلام حیدر کا انتظار کرنے لگی۔ تھوڑی دیر بعد غلام حیدر بھی مقرّر شُدہ جگہ کی طرف چل پڑا۔ ابھی وہ کچھ فاصلہ پر تھا کہ عورت اُسے آتا دیکھ کر کھڑی ہو گئی اور غلام حیدر کی طرف چل پڑی۔ غلام حیدر کو وہ عورت حضرت قبلہؒ کے لباس میں ملبوس نظر آئی۔ جس سے اُسے گمان غالب ہُوا کہ شاید حضرت قبلہ تشریف فرما ہیں۔ یہ منظر دیکھ کر وُہ واپس چلا گیا۔

بعد ازیں وُہ دُوسری عورت کے پاس چلا گیا۔ وہاں بھی اُسے یہی واقعہ پیش آیا۔

یہ واقعات دیکھ کر اُس نے تمام آوارگی وغیرہ چھوڑ دی اور راہِ راست پر آگیا۔ لہٰذا حضرت قبلہ جناب تاج الاولیاءؒ نے وعدہ کے مطابق اُسے "وَلی" ہی لیا۔

سرکارِ اجمیرؒ کے حُکم سے خلافت

نصیر آباد شریف (اجمیر شریف) ۱۹۲۴ء کا ذکر ہے۔ مَیں (مستان شاہ) اور بھائی غلام محمد صاحب دربار عالیہ میں حاضر تھے۔ آپ کا منشا مبارک جناب ھادی علی، عبدالقیوم صاحب اور جناب صوفی الٰہی بخش کو خلافت عطا کرنے کا تھا۔ عطائے خلافت سے پہلے آپ نے دُعا فرمائی۔ دُعا کے وقت شہنشاہِ ولایت ہند جناب خواجہ صاحب اجمیریؒ نے فرمایا کہ "خلافت میں نُور محمد کو بھی شامل کر لو۔" خلافت کے بعد جناب نُور محمد صاحب کو ...... دکن میں چلے جانے کا حکم ہُوا۔ وھاں کے مسلمان مُبت سامنے رکھ کر نماز پڑھتے تھے۔ جناب نُور محمد صاحب نے اُن کو سلسلۂ عالیہ میں داخل فرمایا اور اِسلام کی صحیح تعلیم دی۔ واپسی پر وھاں سے بیس سیر وزنی چاندی کے بُت ہمراہ لائے اور حضرت قبلہؒ کی خدمت میں پیش کیے۔ بعدازاں انھیں بمبئی جانے کا حکم ہُوا۔ وھاں متلاشیانِ حق کو راہِ حق دکھلائی۔

عالمِ خواب میں علاج

نُور ماہی سکنہ ملوٹ ضلع جہلم بیان کرتے ہیں کہ مُجھے گلے کے پاس ایک تکلیف دِہ پھوڑا نِکل آیا جس کی وجہ سے مَیں بے حد تکلیف اور پریشانی میں مُبتلا تھا۔ رات کو عالمِ خواب میں نظر آیا کہ حضرت قبلہ تاج الاولیاءؒ جامع مسجد میں تشریف فرما ہیں۔ آپ نے فرمایا اس گاؤں میں بیماری زیادہ ہے اِس لیے ہم یہاں آئے ہیں۔ مَیں نے عالمِ خواب ہی میں عرض کیا کہ حضور مجھے گلے کے پاس پھوڑا ہے۔ جس کی وجہ سے کافی تکلیف ہے۔ ارشاد ہوا" اس پھوڑے پر "گلِ باسی" کے پتّے باندھ دیا کرو۔" صُبح سے مَیں نے اُس پھوڑے پر گلِ باسی کے پتّے باندھنے شروع کر دیے۔ اس علاج سے پھوڑے کو مکمل طور پر آرام ہوگیا۔ اب تک

اس بیماری کا علاج میں نہیں کیا کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے شفا ہو جاتی ہے۔

تُم بھی "میاں میر" بن سکتے ہو

۱۹۲۶ء کا ذکر ہے کہ جناب "تاج الاولیاء" پنجاب سے واپس ہندوستان تشریف لے جا رہے تھے۔ میں (مستان شاہ) اور صوفی احمد رضا بھی آپ کے ہمراہ تھے۔ جب گاڑی لاہور سٹی اسٹیشن سے چل کر میاں میر ریلوے اسٹیشن سے رُکی تو صوفی احمد رضا صاحب نے حضرت قبلہ "تاج الاولیاءؒ" کی خدمت میں عرض کیا۔ حضور میاں میر صاحبؒ بہت بڑے بزرگ گزرے ہیں۔ اُن کا مزار شریف اِدھر ہی ہے۔ آپ خاموش رہے۔ جواب نہ ملنے پر صوفی صاحب موصوف دوبارہ عرض پیرا ہوئے۔ حضور یہ میاں میر صاحب بہت بڑے بزرگ ہوئے ہیں۔ حضرت قبلہؒ نے فرمایا "ہم نے تمہاری بات پہلی بار ہی سن لی تھی۔ بار بار دُہرانے سے کیا فائدہ۔ میاں میر صاحبؒ اپنے زمانے میں "میاں میر" تھے۔ اب زمانہ ہمارا ہے۔ تم بننا چاہو تو تم بھی "میاں میر" بن سکتے ہو۔"

• سُبحان اللہ جناب "تاج الاولیاء" کی شان ہی کیا تھی اور کس قدر بلند مقام تھا کہ آپ میاں میر صاحبؒ جیسے بلند مرتبہ بزرگ پیدا کر سکتے تھے۔

یاد سے یاد ہوتی ہے

حضرت قبلہؒ "تاج الاولیاء" ایک مرتبہ موضع پادشاھان ضلع جہلم تشریف لے گئے۔ میں (مستان شاہ) بھی آپ کے ہمراہ تھا۔ "پادشاھان" کے مولوی محمد ابراہیم صاحب نے عرض کیا۔ حضرت پھر بھی کبھی ملاقات نصیب ہوگی؟ فرمایا "کیوں نہیں ضرور ہوگی۔" اس واقعہ کے تقریباً چھ ماہ بعد مولوی صاحب موصوف نے عالمِ رؤیا میں دیکھا کہ موضع پادشان میں تالاب کے نزدیک محفلِ سماع کا بندوبست کیا جا رہا ہے۔ پھر حضرت قبلہ تاج الاولیاء محفل میں تشریف لائے اور محفلِ سماع شروع ہو گئی۔ محفل کے اختتام پر حضورؒ نے مجھے اپنے پاس بُلا کر فرمایا! "مولوی صاحب ہم نے اپنا وعدہ پُورا کر دیا۔ دوبارہ ملاقات ہو گئی۔" پھر فرمایا "آدمی جب چاہے

مُلاقات ہو سکتی ہے۔

لعابِ دہن سے شفا

میاں شاہ محمد صاحب سکنہ "کھائی" ضلع جہلم کے ہاتھ پر ایک اذیّت ناک بیماری ظاہر ہوئی۔ اُن کے ہاتھ پر آبلے سے پڑ جاتے اور اُن سے غلیظ سا پانی بہنے لگتا۔ کافی علاج کرایا مگر علاج سے کوئی آرام نہ آیا۔ بیماری کافی تکلیف دہ تھی۔ ایک دن وہ پریشانی کے عالم میں سو گئے۔ عالمِ رویا میں دیکھا کہ حضرت قبلہؒ تشریف لائے فرمایا "شاہ محمد کیوں پریشان ہو؟" عرض کیا۔ حضور اِس بیماری نے پریشان کر رکھا ہے۔ آپ نے اسی وقت عالمِ خواب ہی میں اپنا" لعابِ دہن "میرے ہاتھ پر لگا دیا۔ صبح اُٹھا تو ہاتھ بالکل ٹھیک تھا۔ بیماری کا اثر موجود نہ تھا۔

کریم ہی جو ٹھہرے تو کرم کا کیا ٹھکانہ

روضۂ اطہر جنابِ سرورِ کائنات کی زیارت

صوفی غلام قادر صاحب سکنہ ملوٹ ضلع جہلم بیان کرتے ہیں کہ حضرت قبلہ جناب پیر شاہ مستان صاحب مدظلہٗ العالی پہلی دفعہ موضع ملوٹ تشریف لے گئے تو میرے چھوٹے بھائی محمد زمان مرحوم و مغفور نے حضرت قبلہ (شاہ مستان) سے بیعت کر لی۔ میرے والد بزرگوار مسمّی محمد خاں نے بڑی سخت مخالفت کی۔ انھوں نے حضرت قبلہ (پیر شاہ مستان) کے مریدوں کو لعنت ملامت بھی کی۔ کسی نے یہ واقعہ جناب پیر صاحب قبلہ کی خدمت میں بیان کیا دیا۔ جناب نے بارگاہِ ایزدی میں دُعا کی کہ "یا الٰہی اگر میں حق بجانب ہوں تو محمد خاں کو ہدایت فرما اور اگر میں جھوٹا ہوں تو تیری ذات پاک بہتر جانتی ہے۔" اس کے دُوسرے دن بعد حضرت قبلہؒ واپس چک نمبر $\frac{14}{8.R}$ تشریف لے گئے۔ کچھ عرصہ بعد میرے والد بزرگوار مکان کی چھت پر نماز عشاء کے بعد سو گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد انھوں نے بلند آواز سے بلند آواز سے اللہ۔ اللہ۔ اللہ کا ذکر شروع کر دیا۔ اور چارپائی سے نیچے

گر پڑے۔ جسم ماہئ بے آب کی طرح تڑپنے لگا۔ گھر اور گاؤں کے سب لوگ جمع ہو گئے۔ تقریباً پندرہ (۱۵) منٹ تک اُن کی یہی حالت رہی۔ آنکھیں کھولنے پر اپنے ارد گرد لوگوں کا ہجوم دیکھ کر بولے یہ کیا تماشا ہے؟ اس پر سب لوگ چلے گئے۔ ہمارے پڑوسی مسمّی غلام جو گر دا نے اس واقعہ کی حقیقت معلوم کرنے کے لیے والد صاحب کو کریدنا شروع کر دیا۔ تقریباً دو ماہ تک اُنھوں نے والد صاحب کو مسلسل مجبور کیا۔ آخر کار والد صاحب نے اُس رات کے واقعہ کا انکشاف کیا اور بیان فرمایا کہ "میں نے عشاء کی نماز مکان کی چھت پر ادا کی اور بعد فراغت وہیں لیٹ گیا۔ جب مجھے نیند آگئی تو میں عالمِ رؤیا میں مجھے ایک نورانی صورت سفید ریش بزرگ نظر آئے۔ اُنھوں نے مجھے روضۂ اطہر جناب رسولِ مقبول صلعم پر پہنچا دیا۔ جس وقت میری نگاہ گنبدِ خضریٰ پر پڑی۔ تو میری زبان سے بے ساختہ اللہ۔ اللہ کا ذکر جاری ہوگیا۔" اِس واقعہ کے کچھ عرصہ بعد میرے والدِ بزرگوار نے حضرت قبلہ جناب پیرِ شاہ مستانؒ صاحب مدظلہٗ العالی کے دستِ حق پرست پر بعیت کر لی۔ جب میرے والد بزرگوار کو حضرت تاج الاولیاء کی زیارت نصیب ہوئی تو اُنھوں نے فرمایا کہ عالمِ رؤیا میں مجھے جناب سرورِ کائنات صلعم کے روضۂ اطہر کی زیارت سے مشرّف کرانے والے یہی بزرگ تھے۔

آسمان کے چاند

صوفی غلام قادر ساکنہ "ملوٹ" ضلع جہلم کی والدۂ محترمہ نے ایک رات خواب میں دیکھا کہ آسمان سے چاند اُتر کر ہمارے گھر آگیا ہے اور ہمارے گھر کا کونہ کونہ منوّر ہو گیا ہے۔ اس خواب کے تین روز بعد جناب "تاج الاولیاءؒ" اُن کے گھر تشریف لے گئے اور اُن کے خاندان کے تمام افراد اپنے رُوحانی فیض سے فیضیاب و سیراب کر کے اپنے مقبول و معزز خلیفہ جناب حضرت قبلہ شاہ مستان کے دستِ حق پرست پر بعیت ہونے کا حکم فرمایا۔

مظہرِ تجلیات

صوفی غلام قادر ساکنہ ملوٹ ضلع جہلم بیان کرتے ہیں کہ ایک روز وہ راجہ محمد اکرم صاحب کی دکان پر بیٹھے تھے۔ راجہ صاحب کی دکان ریلوے روڈ جہلم پر واقع ہے۔ صوفی صاحب موصوف جناب تاج الاولیاءؒ کے وظائفِ مبارک میں سے کوئی وظیفہ پڑھ رہے تھے کہ اچانک اُن کی آنکھیں چُندھیانے لگیں۔ جہاں تک اُن کی نظر نے کام کیا ہر سُو نُور ہی نُور نظر آیا۔ اُن کے بیان کے مطابق دُنیا کی کوئی بھی نورانی چیز اس نُور سے مشابہت نہ رکھتی تھی۔ انھیں مکانات، سڑکیں، اشجار وغیرہ بلکہ ذرہ ذرہ میں نُور ہی نُور نظر آیا۔ دکان سے تقریباً پندرہ[۱۵] گز کے فاصلہ پر شیشم کا ایک درخت تھا۔ وہ درخت سب سے زیادہ منوّر تھا۔ جب اُس درخت کے اُوپر اُن کی نگاہ پڑی تو حضور تاج الاولیاءؒ کا جلوہ درخت پر نظر آیا۔ اُس وقت آپ کا وجُودِ مسعُود مخرجِ تجلیات نظر آرہا تھا حتیٰ کہ سر کا تاج مبارک اور کپڑے بھی مظہرِ تجلیات نظر آ رہے تھے۔ یہ واقعہ آپ کے وصال شریف کے بعد کا ہے۔

آپ کی یاد سے مرض جاتا رہا

محترم جناب خان عبدالعزیز خانصاحب دھلوی حال کبیر والہ ضلع ملتان جو کہ تاج الاولیاءؒ کے خدامِ خاص میں سے ہیں۔ بیان کرتے ہیں کہ جب ہم دھلی میں تھے۔ میری بڑی لڑکی کی آنکھوں کو سخت تکلیف لاحق ہوگئی۔ کافی علاج معالجہ کرایا مگر کوئی افاقہ نہ ہُوا۔ مریضہ کی تکلیف کے پیشِ نظر میں نے اُسے سرکار تاج الاولیاءؒ کی طرف رجوع ہونے کا مشورہ دیا۔ اس پر اُس نے سرکار تاج الاولیاءؒ کی بارگاہ میں رجُوع کیا۔ اور غائبانہ طور پر آپ کو یاد کیا اور سو گئی۔ عالمِ رؤیا میں حضور تاج الاولیاءؒ نے اُسے زیارت کا شرف بخشا اور بیت اللہ شریف میں پہنچا دیا۔ حضور تاج الاولیاءؒ بنفسِ نفیس اُس کے ہمراہ رہے۔ حضور نے اپنی معیت میں اُسے خانہ کعبہ کا طواف کرایا۔ پھر مقامِ عرفات، منا، صفا، مروہ اور سعی میں لے گئے حتیٰ کہ تمام ارکانِ حج ادا کرائے۔ بعد ازاں حضور تاج الاولیاءؒ اُسے آپ

زمزم پر رے گئے۔ اور آبِ زمزم کا ایک پیالہ اُسے عطا کیا اور فرمایا "بیٹی! اسے پی لو اور آنکھوں پر بھی لگا لو" اُس نے تعمیلِ ارشاد کی۔ بیدار ہونے پر اُس کی آنکھیں بالکل تندرست تھیں تقریباً رات کے تین بجے اُس کی آنکھ کھل گئی تھی۔ اُس نے اُسی وقت مجھے جگایا اور سارا واقعہ سُنا دیا۔

تاج الاولیاؒ نے مدد کی

خانصاحب موصوف ہی بیان کرتے ہیں کہ تقسیم ہندوستان کے وقت ہم دہلی کے قصبہ "پہاڑ گنج" میں مقیم تھے۔ ہمیں معلوم ہوا کہ ہمارے قصبہ پر حملہ ہونے والا ہے۔ لوگ خوفزدہ حالت میں اپنے چھوٹے موٹے ہتھیار لے کر مکانوں کی چھتوں پر چڑھ گئے۔ میں اُس وقت لیٹا ہوا تھا۔ مجھے اونگھ آگئی اور عالمِ خواب میں میں نے دیکھا کہ سرکار تاج الاولیاؒ تشریف لائے ہیں اور میرا ہاتھ پکڑ کر فرما رہے ہیں کہ "اٹھو! اب چلنے کا وقت آگیا ہے" میں نے بیدار ہو کر اپنے اہل و عیال کو ساتھ لیا اور چل کھڑا ہوا۔ کچھ اور لوگ بھی میرے ہمراہ چل پڑے۔ ہمارا ایک قافلہ بن گیا۔ جب ہم چوک میں پہنچے تو دیکھا کہ سکھوں کا ایک گروہ ہم پر حملہ کے لیے تیار ہے۔ ہم گھبرا گئے۔ اچانک دو فوجی سپاہی ہاتھوں میں سٹین گن لیے نمودار ہوئے۔ انھوں نے سکھوں کو للکار کر کہا کہ خبردار جو اِن لوگوں کی طرف آنکھ اُٹھائی۔ اس پر سکھوں کے گروہ کو ہم پر حملہ کرنے کی جرأت نہ ہوئی اور ہم لوگ اپنے کیمپ کی طرف روانہ ہوگئے۔ راستے میں جناب تاج الاولیاؒ کی ذاتِ گرامی بنفسِ نفیس ہمیں اپنے آگے آگے نظر آئی اور ہم اُن کے پیچھے پیچھے چلتے رہے۔ اِس طرح ہم بحفاظت کیمپ میں پہنچ گئے۔ کیمپ میں پہنچ کر بچے بھوک سے بلبلانے لگے۔ میں نے کہا کہ بچو! صبر کرو تم اللہ میاں کی بارات کے ساتھ آئے ہو، کھانا پک رہا ہے۔ ابھی مل جاتا ہے۔ رات کو حضور تاج الاولیاؒ سینکڑوں میل دُور سے بنفسِ نفیس تشریف فرما ہوئے۔ ہمارے کیمپ کے نزدیک ہی ایک تنگ و تاریک کوٹھڑی تھی۔ اُس کی طرف اشارہ کر کے فرمایا "وہاں دو بوری راشن کی پڑی ہیں اٹھا لو" صبح میں نے اپنے چچازاد بھائیوں کو اسی کوٹھڑی میں راشن کی بوریاں اُٹھوانے کے لیے بھیجا۔

وہاں راشن کی دو بوریاں موجود تھیں جنہیں وہ اُٹھا کر لے آئے۔ ایک بوری میں چنے تھے اور دُوسری میں گُڑ تھا۔ ہم اسے استعمال میں لے آئے اور اللہ کا شکر ادا کیا۔ دُوسرے روز ہمیں ایک اور کیمپ میں لے جایا گیا جو کہ درگاہِ معلّٰی حضرت خواجہ نظام الدین اولیاؒ کے قُرب میں لگا ہُوا تھا۔ وہاں مَیں نے رات کو خواب میں دیکھا کہ حضور تاج الاولیاءؒ ایک اور بزرگ کے ہمراہ کیمپ میں جلوہ فرما ہیں۔ آپ نے مجھے فرمایا کہ "تم نے بابا صاحب کو سلام نہیں کیا؟" مَیں نے عرض کیا کہ حضور کون بابا صاحب؟ فرمایا "حضرت داتا گنج بخش فیضِ عالم جو لاہور سے تم لوگوں کو لینے کے لئے تشریف لائے ہیں۔ اس کے بعد مَیں نے دیکھا کہ جناب داتا صاحبؒ نے ہمیں ایک رسّی کے حلقہ میں لے لیا ہے۔ اور حضور تاج الاولیاءؒ فرما رہے ہیں کہ "گھبراؤ نہیں جناب داتا صاحبؒ تمہیں بحفاظت پاکستان لے جائیں گے۔" صبح ہمیں دہلی اسٹیشن پر لایا گیا۔ پہلی گاڑی جو اس وقت تیار کھڑی تھی ہمارے کیمپ کے لوگوں نے اُس میں سوار ہونے کی کوشش کی۔ تو ہمارے کیمپ کے تمام لوگوں کو روک لیا گیا اور ہم سب سے کہا گیا کہ آپ کا کیمپ دُوسری گاڑی پر روانہ ہوگا۔ اللہ کی قدرت پہلی گاڑی پر راستہ میں حملہ کیا اور اس گاڑی کے تمام لوگ شہید کر دیئے گئے۔ ہمیں دُوسری گاڑی پر بھیجا گیا۔ جب گاڑی روانہ ہوئی تو مَیں نے دیکھا کہ حضور تاج الاولیاءؒ اور حضرت داتا صاحبؒ ہماری گاڑی کے ساتھ ساتھ ہیں۔ ہماری گاڑی پر ایک چلمن سی پڑی ہوئی نظر آتی تھی۔ جو اس قدر باریک تھی کہ باجرے کا دانہ بھی اس میں سے نہیں گزر سکتا تھا۔

ہم لوگ گاڑی کے اندر بیٹھے باہر سے گولے پھٹنے اور رائفلوں کے دھماکوں کی آوازیں سُنتے تھے مگر ہماری گاڑی کے کسی بھی آدمی کو نُقصان نہ پہنچا۔ ہمارے کیمپ کے سب لوگ بخیر و عافیت لاہور پہنچ گئے۔ اِس طرح اِس کٹھن دَور اور منزل میں سرکار تاج الاولیاءؒ نے ہماری دستگیری فرمائی۔

بارش سے پہلے رُخصت کر دیا

مستّی فیض رسُول سکنہ ملوٹ ضلع جہلم بیان کرتے ہیں کہ حضور "تاج الاولیاءؒ" جب کوٹھی

نمبر ۲ گارڈن ٹاؤن لاہور میں مقیم تھے بندہ اُس وقت لاہور چھاؤنی میں ڈیوٹی دیتا تھا بندہ اکثر "تاج الاولیاءؒ" کی بارگاہ میں حاضری دیا کرتا تھا۔ بندہ کے ہمراہ پلٹن کے اور لوگ بھی اکثر حاضری دیا کرتے تھے۔ اِس طرح جو بھی آپ کی خدمت میں حاضری دیتا۔ وہ قلادۂ غلامی گلے میں ڈال لیتا۔ ہماری پلٹن کے کافی جوان حضورؒ سے بیعت کا شرف حاصل کر چکے تھے۔ ہم لوگ دوسرے یا تیسرے دِن باقاعدگی سے حاضری دیا کرتے۔ ایک روز ہماری پلٹن کے کافی جوانوں نے عصر کے وقت حاضری دی۔ بندہ بھی ہمراہ تھا۔ ہمارا پروگرام عشاء کی نماز بارگاہِ عالیہ ہی میں ادا کر کے لوٹنے کا تھا۔ ابھی ہمیں حاضر ہوئے چند منٹ ہی گزرے تھے کہ اچانک آپ نے فرمایا "رسالے والے جوان جلدی واپس چلے جائیں"۔ ادب کو ملحوظ رکھنے کو ہمیں یہ پوچھنے کی جرأت ہی نہ ہوئی کہ حضور ہم ابھی تو آتے ہیں اتنی جلدی کیا ہے۔ ہم سب نے دست بوسی کی اور چلے آئے۔ ابھی ہم تھوڑی ہی دُور گئے تھے کہ مغرب کی طرف سے سیاہ بادل اٹھتا نظر آیا۔ ابھی اپنی اپنی بارکوں میں ہم داخل ہوئے ہی تھے کہ موسلا دھار بارش شروع ہو گئی۔ اولے بھی پڑنے۔ ساری رات بارش ہوتی رہی۔ اُس وقت ہماری سمجھ میں آیا کہ ہمیں کیوں جلدی رخصت کر دیا گیا تھا۔ جس وقت ہمیں رخصت کیا گیا تھا، اُس وقت بارش کی کوئی نشانی یا امکان نظر نہ آتا تھا۔ اگر ہم اُس وقت چھاؤنی میں نہ پہنچتے تو پھر صُبح تک جانا محال تھا اور چھاؤنی سے رات بھر کی غیر حاضری ہمارے لیے بہت بڑی مصیبت بن جاتی۔

عالمِ خواب ہی میں کیفیت بدل گئی

فضل محمد صاحب مکان نمبر ۷۔ بی ممتاز آباد بیان کرتے ہیں کہ ۱۹۶۲ء کا ذکر ہے کہ میں اُس زمانہ میں فلم بینی کا شوقین تھا۔ روزانہ ایک یا دو مرتبہ فلم دیکھتا تھا۔ طبیعت میں بے چینی رہتی تھی۔ ایک دن صوفی محمد رمضان صاحب کیف سکنہ کوٹ سلطان (مظفر گڑھ) اور شیخ نیاز احمد صاحب بعد نمازِ عشاء میری دُکان (واقع بوہڑ گیٹ) پر تشریف لائے۔ رمضان میاں اور شیخ صاحب دیر تک خوش الحانی سے حضور "تاج الاولیاءؒ" کے حضور غزلیں پڑھ کر نذرانۂ عقیدت پیش کرتے رہے اور میں روتا رہا۔ اسی شغل میں رات کے ۱۲ بج گئے۔ ہم سب

دیں سعد ہے۔ اسی رات کو مجھے خواب میں سرکار "تاج الاولیاءؒ" کی زیارت نصیب ہوئی۔ آپ بہت محظوظ و مسرور تھے۔ عالمِ خواب ہی میں میری کیفیت بدل گئی۔ صبح اٹھا تو آنکھوں سے آنسو رواں تھے۔ طبیعت میں ذوق و شوق اور دل میں سرور تھا۔ اس کے بعد میری حالت خود بخود سدھر گئی۔ سبحان اللہ۔ حضرت کی توجہ اور تصرّف کی کیا مثال ہو سکتی ہے ؎

فقط اک نگاہ سے ہوتا ہے فیصلہ دل کا

ایفائے عہد کی یاد دہانی

میاں اللہ بخش صاحب بیان کرتے ہیں کہ ۱۹۲۶ء کا ذکر ہے جبکہ میں "دولت آباد" میں مدرس تھا۔ مجھے پتہ چلا کہ جناب قبلہ "تاج الاولیاءؒ" پاکپتن شریف بموقع عرس شریف جناب فریدالدین گنج شکرؒ تشریف لا رہے ہیں۔ میں بھی جناب "تاج الاولیاءؒ" کی خدمت میں حاضری کے لیے دولت آباد (تحصیل دھاڑی) سے پاکپتن روانہ ہو گیا۔ میرے ہمراہ کچھ آدمی اور بھی تھے۔ ہم نے جناب "تاج الاولیاءؒ" کی خدمت میں حاضری دی اور ایک دن انھیں کی خدمت میں حاضر رہے۔ میری رخصت زیادہ نہ تھی۔ دوسرے دن حاضری تھی اور میرے دوسرے ساتھیوں کو بھی جلدی تھی۔ انھوں نے اجازت حاصل کرنے کے لیے مجھ سے سرگوشی کی۔ ان کی سرگوشی کی بھنک آپ نے بھی سن لی۔ فرمایا "اللہ بخش کیا کھسر پھسر ہو رہی ہے۔" میں نے عرض کیا۔ حضور میرے ساتھیوں کو جلدی ہے اور میری بھی صرف آج کے دن کی رخصت ہے اور "دھاڑی" کو جانے والی گاڑی کا وقت نزدیک ہو رہا ہے۔ اگر یہ گاڑی چھوٹ گئی تو پھر اور کوئی گاڑی نہیں ملے گی اور میری غیر حاضری ہو جائے گی۔ فرمایا "اگر وہاں غیر حاضری ہو گئی تو کیا ہوا۔ یہاں تو حاضر ہو۔" بعد میں فرمایا "اچھا دیکھو ہم یہاں سے چک ۱۴ A.R تمھارے پیر صاحب کے پاس بھی جائیں گے۔ ایک ہفتہ تک وہاں آ جانا اب ہم تمھیں اجازت دیتے ہیں"۔ ہم سب اجازت لے کر واپس چلے گئے۔

دولت آباد پہنچ کر مجھ سے کچھ غفلت سی ہو گئی اور میں وعدہ کے مطابق چک نمبر ۱۴ حاضر نہ ہو سکا۔ ایک رات عالمِ خواب میں مجھ سے فرمایا ہم چک نمبر ۱۴ پہنچ چکے ہیں تم وعدہ

کرنے کے باوجود نہیں آئے اور مزے سے سو رہے ہو۔" صبح کو میں چک نمبر ۱۴۳ حاضر ہونے کے چل کھڑا ہوا۔ چک نمبر ۱۴۳ پہنچ کر میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ کے لیے ایک کمرہ مخصوص تھا۔ آپ اسی کمرہ میں اُس وقت تنہا تشریف رکھتے تھے۔ مجھے دیکھ کر مسکرائے اور فرمایا۔ "سو رہے تھے۔" میں نے عرض کیا حضور غفلت ہو گئی ہے۔ مہربانی فرمادیں۔ فرمایا "کوئی بات نہیں جاؤ ہمارے لیے چلم بھر لاؤ۔" میں چلم بھرنے چلا گیا اور آپ مراقبہ میں مشغول ہو گئے۔ جب میں چلم بھر کر واپس آیا تو فرمایا "تمہیں حصّہ تو ملے گا مگر ابھی بہت دیر ہے۔" چنانچہ ۱۱ر دسمبر ۱۹۵۵ء کو مجھے وہ حصّہ عطا کیا گیا۔ یعنی پورے اُنتیس ۲۹ سال بعد آپ کا فرمان پورا ہوا۔

آرزو پوری ہوئی

مسمّی فیض رسول صاحب ساکنہ "ملوٹ" ضلع جہلم نے بیان کیا۔ کہ ۲۳ر مارچ ۱۹۵۰ء کو لاہور میں عرس شریف کے موقع پر حاضری نصیب ہوئی۔ آخری شب کو بزمِ مشاعرہ کا انعقاد ہوا جس میں حضور "تاج الاولیاء" نے تین بجے رات تک موجود رہ کر شعراء کرام کی حوصلہ افزائی کی۔ جب میں واپس اپنے یونٹ کو جانے لگا تو راستے میں میرے دل میں اُمنگ پیدا ہوئی میں تھوڑی دیر کے لیے رُک گیا اور "آستانہ عالیہ" کی طرف منہ کر کے دل میں خیال کیا کہ حضور اس ناچیز کو فنِ شاعری سے واقفیت نہیں ہے۔ سب لوگ مشاعرہ میں حصّہ لیتے ہیں اور میں اس سے محروم ہوں۔ صبح ہوتے ہی خود بخود میری زبان سے شعر موزوں ہونے لگے۔ حضور "تاج الاولیاء" کے پیر و مرشد سلطان العارفین جناب شاہ محمد نبی رضا خاں کی شان میں منقبت لکھی۔ اور دربارِ عالیہ میں حاضری کے وقت جناب "تاج الاولیاء" کے حضور پیش کر دی۔ حضور نے اُس منقبت میں سے مندرجہ ذیل شعر پسند فرمائے ؎

رکھنا مجھ کو قدموں میں شاہ شکور ۔۔۔ آپ ہو شانِ رضا جانِ رضا

ذرّیہ دکعبے سے انھیں کیا واسطہ ۔۔۔ مل گیا ہے جن کو دامانِ رضا

حَلِ عقدہ

حضرت قبلۂ عالم تاج الاولیاءؒ کے ایک مُریدنے سرِ محفل "الانسان سری وانا سرہٗ" کی تفسیر چاہی۔ آپ نے فرمایا کہ تیرا یہ سوال عوام کے سامنے پُوچھنے والا نہ تھا۔ اگرچہ مجلسِ عام ہے تو ہُوا کرے۔ صِرف تُو ہی غور سے سُن۔ آپ نے دو گھنٹہ تک مسلسل تشریح فرمائی اور لُطف کی بات یہ ہے کہ صِرف سائل کے سوا دُوسرے حلقہ بگوشانِ مجلس کی سمجھ میں کچھ بھی نہ آیا۔ اس مُرید پر آپ کی نظرِ شفقت تھی۔ اس کی غیر حاضری کو آپ محسُوس فرمایا کرتے۔ کچھ عرصہ بعد وُہ مرید بیمار ہو گیا اور دورانِ علالت اُس نے عالمِ خواب میں دیکھا کہ:

"صُبح کا وقت ہے۔ مَیں ایک بہت بڑے کمرے (ھال) میں داخل ہُوا ہُوں۔ اور داہنی طرف کونہ کے نزدیک کھڑا ہو گیا ہوں اور کیا دیکھتا ہُوں کہ کمرہ لوگوں سے بھرا ہُوا ہے۔ دیکھتا ہُوں کہ کمرہ کے سب لوگ میری شکل و صُورت کے ہیں اور وُہ سب میں ہی ہوں۔ اور میں دیکھ رہا ہُوں کہ مُجرم بھی میں ہی ہوں اور گرفتار کرنے والا اور جج کے سامنے پیش کرنے والا بھی مَیں ہی ہُوں اور مَیں ہی جج بھی ہوں۔ اور پھر جج کے سامنے سفارش کرنے والا بھی مَیں ہی ہوں۔ اور رہائی پانے والا بھی مَیں ہی ہوں یعنی ایک کونے میں کھڑا ہو کر سب نظارہ دیکھنے والا۔ مُجرم کرنے والا۔ گرفتار کرنے اور گرفتار ہونے والا۔ پھر جج اور جج کے سامنے پیش کرنے اور پیش ہونے والا اور پھر جج کے سامنے سفارش کرنے اور رہائی پانے والا مَیں ہی ہوں۔"

صحت یاب ہونے پر وُہ مرید حاضرِ خدمتِ اقدس ہُوا اور اپنا خواب بیان کیا۔ حضور قبلۂ تاج الاولیاء مسکرائے اور فرمایا یہ تو تمہیں "الانسان سری وانا سرہٗ" کی تعلیم دی گئی ہے۔ تاکہ تمہیں اس کے راز سے آگاہی حاصل ہو۔ یہ تھا حضور کا کمالِ تصرف کہ زبانی تشریح کے ساتھ اصل حقیقت سے بھی آگاہ کر دیا۔ (راوی علی نثار خاں)

جناب مرزا یعقوب بیگ صاحب اے ایس آئی ولد مرزا غلام قادر قوم مغل متوطن بریلہ خورد نزد کالانور اکبری تحصیل و ضلع گورداسپور (بھارت) حال سکنہ خلجیاں تحصیل نارووال ضلع سیالکوٹ (پاکستان) بیان کرتے ہیں۔ کہ میں ۱۹۴۰ء میں نئی دہلی چھاؤنی میں بحیثیت کنسٹیبل ٹریفک ڈیوٹی پر مامور تھا۔ اور ہر جمعرات کو حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء زری زر بفتؒ کی درگاہ پر حاضر ہونا میرا معمول تھا۔ وہیں درگاہ شریف میں جناب صوفی محمد رمضان مرحوم شکوری اور جناب صوفی عبدالحمید صاحب شکوری کے برادرِ محترم جناب سیٹھ پیر محمد صاحب سے متعارف ہوا اور پھر اُن سے میرا دوستانہ قائم ہو گیا۔ لہٰذا میرا اُن کی دکان واقعہ پنچکوئیاں روڈ نئی دہلی پر آنا جانا ہو گیا۔ وہاں میرا تعارف جناب صوفی محمد رمضان صاحب مرحوم سپیشل ٹیلر ماسٹر، جناب صوفی عبدالحمید صاحب اور خان عبدالعزیز خاں عرف آقا صاحب (حال کبیر والہ ضلع ملتان) سے ہوا۔ میں ان ہر سہ حضرات شکوریہ سے خاصا متاثر ہوا۔ ایک دن خاں صاحب اور جناب صوفی عبدالحمید صاحب نے دربارِ عالیہ شکوریہ سکندر آباد میں حاضری کا پروگرام بنایا۔ حالانکہ میں اُن کے پروگرام سے مطلع نہ تھا تاہم جب انھوں نے مجھ پر اپنا ارادہ ظاہر کیا تو میں نے بھی ان کے ہمراہ جانے کی حامی بھر لی۔ اور بغیر چھٹی لیے اُن کے ہمراہ سکندر آباد شریف کے لیے روانہ ہو گیا۔ حالانکہ شام کو میری ڈیوٹی تھی۔ مگر میں بغیر کسی کو بتائے یا اجازت لیے ڈیوٹی سے غیر حاضر رہا۔ میں اُس آستانہ عالیہ پر حاضر ہونے جا رہا تھا۔ جہاں لوگوں کے سوئے ہوئے مقدر جگائے جاتے تھے۔ آستانہ عالیہ پر پہنچ کر بڑے صاحبزادہ حضرت علاءالدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی زبانی معلوم ہوا کہ سرکار تاج الاولیاءؒ "بلند شہر (یو پی) تشریف لے گئے ہوئے ہیں۔ میں نے حضرت صاحبزادہ صاحب کی خدمت میں عرض کیا۔ کہ ہم وہاں ہی چلے جاتے ہیں۔ تو آنجناب نے فرمایا۔" وہاں جانے کا یہ وقت نہیں ہے۔ راستہ خطرناک ہے اور سورج غروب ہو جائے گا۔ تو کیا کرو گے؟" مگر

میرا شوق جنون کی حالت اختیار کر گیا۔ کھانا کھا کر ہم بذریعہ تانگہ آستانہ عالیہ سے " بلند شہر " کے لیے روانہ ہو گئے۔ کوچوان اپنا تانگہ اور گھوڑا چھن جانے کے خیال سے بہت خائف تھا۔ کیونکہ راستہ میں رات کے وقت ڈاکوؤں سے لٹ جانے کا قوی امکان تھا۔ اُس علاقہ میں اکثر و بیشتر ایسی وارداتیں ہوتی رہتی تھیں۔ اور اسی خدشہ کا اظہار کوچوان برابر کرتا جا رہا تھا۔ اور وہ کہتا جا رہا تھا کہ آج میرا تانگہ گھوڑا ضرور کوئی ڈاکو چھین لے جائے گا۔ تقریباً تین میل سفر طے کیا ہُوا ہو گا۔ کہ ہمارے سامنے اندھیرے میں ہم سے دُور دُور ایک انسانی سایہ چلتا ہُوا نظر آیا۔ ہم سب کی توجّہ کا مرکز وہ چلتا ہُوا انسانی سایہ بن گیا۔ جُوں جُوں خطرناک جگہ قریب آ رہی تھی۔ کوچوان ہراساں ہوتا جا رہا تھا۔ اور ہم بھی دیدہ و دانستہ اس قسم کی حرکات کر رہے تھے کہ جن سے یہ ظاہر ہو رہا تھا کہ ہمارے پاس اسلحہ ہے۔ آخر کار خطرناک جگہ پر پہنچ کر وُہ انسانی سایہ جو ہمارے ساتھ ساتھ چلا آ رہا تھا۔ اس قدر قریب آ گیا کہ اس کا صحیح لباس نظر آنے لگا۔ ہم کوچوان کو تانگہ تیز چلانے کی ہدایت کر رہے تھے اور کوچوان بھی خوف کے مارے تانگہ نہایت تیزی سے چلا رہا تھا۔

چند ہی منٹ میں ہم خطرناک جگہ سے گزر گئے۔ اور وُہ انسانی سایہ بھی آہستہ آہستہ دُور ہوتا چلا گیا۔ یہاں تک کہ " بلند شہر " سے دو میل کے فاصلہ پر وہ سایہ بالکل ہماری نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ بلند شہر پہنچ کر جب ہم حضرت علیم الدین شاہ صاحبؒ (خلیفہ مجاز حضرت اقدسؒ) کے مکان پر گئے۔ تو وہاں محفلِ سماع ہو رہی تھی۔ اور حضرت قبلہ سرکار تاج الاولیاءؒ میرِ مجلس کی حیثیت سے جلوہ افروز تھے۔ اہلِ دل شمعِ جمالِ جہانگیریؒ پر پروانہ وار نثار ہو رہے تھے۔ میرے ہمراہی جناب صوفی عبد الحمید صاحب اور محترم خان صاحب دیوانہ وار سرکار تاج الاولیاء کے قدموں سے لپٹ گئے۔ لہٰذا میں نے بھی اُن کی نقل کی۔ جب میرِ مجلس (سرکار تاج الاولیاء) نے اپنا دستِ راست میرے شانہ کے نیچے اور دستِ چپ میری کمر پر رکھ کر مجھے سہارا دے کر اُوپر اُٹھایا۔ تو فرمایا " بہت تکلیف اُٹھانی پڑی۔" اُس وقت تو میری سمجھ میں کچھ

نہ آیا۔ اور سرکارِ پُرانوار کی زبانِ فیض ترجمان سے اپنی تکلیف اور پریشانی کا ذکر سُن کر بے حد حیرت ہُوئی۔ مگر جب غور سے آپؒ کا لباس دیکھا۔ تو معلوم ہُوا کہ جو انسانی سایہ دورانِ سفر ہمارے ساتھ ساتھ چل رہا تھا۔ وہ تو یہی سرکار "باباجی" تھے۔ یہ پہلی عظیم الشان کرامت تھی جو مرید ہونے سے پہلے میں نے دیکھی۔ کہ آپؒ بیک وقت بلند شہر میں بھی موجود رہے۔ اور دورانِ سفر میلوں ہمارے ساتھ چل کر ہماری حفاظت بھی فرمائی۔ اور اپنی جگہ سے حرکت بھی نہیں فرمائی۔

سرکشی کا خاتمہ

اگرچہ والدین کی صُحبت کے اثر سے بچپن ہی سے مَیں (مرزا یعقوب بیگ) نماز روزہ کا پابند تھا۔ قدرے غربا، پروری کی طرف بھی طبیعت مائل تھی۔ تاہم طبیعت میں سرکشی اور غرور کا عنصر نمایاں تھا۔ چُونکہ والد بزرگوار اولیائے کرام کے معتقد اور ماننے والے تھے۔ لہٰذا مجھے بھی اپنے ہمراہ اپنے پیر و مُرشد کے آستانہ واقع بدوقتی لے جایا کرتے تھے۔ جب سے والدِ بزرگوار نے مجھے وہاں لے جانا شروع کیا۔ مجھے بھی اولیائے کرام سے دِلچسپی ہو گئی۔ اُن دنوں والد بزرگوار کے پیر و مُرشد کے پوتے وہاں کے سجادہ نشین تھے۔ جن کی عادات و خصائل مجھے پسند نہ تھے۔ والد بزرگوار کو بھی ان کی حرکات پسند نہ تھیں۔ اس لیے مجھے کبھی انھوں نے اُن کی بیعت کی ترغیب نہ دی۔ البتہ نصیحت کے طور پر فرمایا کرتے تھے (بناں مُرشداں راہ نہ تھدا آوے دُھداں باجھ نہ رِجھدی کھیر میاں۔

اِس لیے بچپن ہی سے مجھے پیر و مُرشد کی تلاش تھی۔ لہٰذا بہت سے ست ملنگ نہنگ اور ننگے فقیروں اور دیگر کئی ایک بزرگوں سے ملا۔ مگر ان کی حالت سے اطمینان نہ ہُوا۔ اور طبیعت کی سرکشی کی وجہ اُن کا مذاق اڑایا کرتا تھا۔ بے شمار آستانوں پر حاضر ہُوا مگر ناکام و نامراد واپس لوٹتا۔ معلوم نہیں میرا ملی نالینا تھا یا پھر میرا مقدر مجھے کسی اُونچی جگہ لے جانا چاہتا تھا۔ لہٰذا جب میں اپنے میدانِ درانی

طریقت جناب صوفی عبدالمجید صاحب اور محترم خان عبدالعزیز خاں کی معیت میں حضرت قبلۂ عالم سرکار تاج الاولیاء (شاہ محمد عبدالشکورؒ) کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپؒ نے نظر کے پہلے ہی وار میں مجھ جیسے سرکش کو دردِ دل سے رُوشناس کرا دیا۔ برادرِ طریقت حضرت علیم الدین شاہ صاحب رئیسِ اعظم بلند شہر (یو۔پی) کے دولت کدہ پر مجھ پر دردِ عشق و محبت کا وُہ زبردست دورہ پڑا کہ جس نے بحالتِ وجد محوِ رقص کر دیا۔ ؎

زہے رندی کہ پامالش کنم صد پارسائی را
زہے تقویٰ کہ من با جُبّہ و دستار مے رقصم

وُہ پگڑی کہ جس کے طرّہ کا ٹیڑھا ہونا بھی مَیں برداشت نہ کر سکتا تھا۔ آپؒ کی نظر کے پہلے ہی وار نے اپنے مستانوں کے پاؤں کے نیچے روندوا ڈالی۔ یعنی میری سرکشی اور غرور کا خاتمہ کر دیا۔

اختتامِ محفل پر میں اُسی جگہ سو رہا۔ اور یہ خیال تک نہ آیا کہ کپڑوں کی اِستری خراب ہو جائے گی یا قیمتی کوٹ میں شکنیں پڑ جائیں گی۔ یہ سرکارؒ کی پہلی ہی نظر کا اثر تھا۔ کہ میرے جیسے سرکش اور راشی پولیس مَین کو انسانیت کے سانچے میں ڈھال دیا۔ صُبح نماز کے وقت میں سو رہا تھا۔ اور نماز کی جماعت وہیں ہوئی جہاں میں سو رہا تھا۔ جب نماز باجماعت کی ادائیگی کے لیے حضرت قبلۂ عالم وہاں تشریف لائے تو حضرت مستان شاہ صاحب مدظلہٗ (معزز و محبوب خلیفہ جناب تاج الاولیاءؒ) نے مجھے جگانے کی کوشش کی تو مَیں نے نیند کی غنودگی ہی میں کہا۔ بابا مجھے سونے دو۔ تو حضرت مستان شاہ صاحب نے فرمایا۔ "بابا اُٹھو نماز پڑھو۔" میں نے کہا۔ میں تو یہاں نماز چھوڑ روزے بھی بخشوانے آیا ہوں۔ یہ سُن کر حضرت قبلہ نے فرمایا۔ "اچھا بھئی اسے سونے دو، نماز کا انتظام دُوسری جگہ کر لو۔" آپؒ کے اس فرمان سے میں اِس قدر متأثر ہوا کہ فوراً اُٹھ کر وضو کیا۔ صبح کی سُنتیں پڑھنے تک آپؒ میرا انتظار فرماتے رہے۔ سنتیں پڑھ کر میں نے نماز باجماعت ادا کی۔ بعد ازیں اپنے

ہمراہیوں کے ساتھ چہل قدمی کے لیے باہر نکل گیا۔

وسعتِ معلومات

تقریباً گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ کے بعد حضرت قبلۂ عالمؒ کی طرف سے ہماری طلبی ہوئی۔ مع ہمراہیاں حضرت قبلۂ عالم کی خدمتِ اقدس میں مکان پر حاضر ہوا۔ حضرتؒ اُس وقت کرسی پر رونق افروز تھے۔ اور تمام اہلِ دل دست بستہ حاضرِ خدمت تھے۔ میں بھی آپؒ کے پیچھے مؤدب کھڑا ہو گیا۔ آپ نے میرا نام لے کر پکارا۔ اور فرمایا۔ چھٹی لے کر آئے ہو۔ میں نے عرض کیا۔ نہیں حضور۔ اِس پر آپؒ نے فِدہ فِدہ قانونی نکات ارشاد فرمائے۔ جو صرف ایک پولیس والا ہی جانتا ہے۔ اور خوب ڈانٹا۔ اِرشاد ہوا۔ "ہمیں ایسے مریدین کی ضرورت نہیں جو اپنی اور ہماری عزت کا خیال نہ رکھیں۔

چونکہ مجھے ابھی اس محکمہ (حضرت قبلہ کے سلسلۂ عالیہ) کا ڈسپلن (نظم و نسق) نہ آتا تھا۔ میں نے بھی بے تکلف کہہ دیا کہ مجھے بھی ایسے پیر کی ضرورت نہیں۔ اور وہاں سے چل دیا۔ اِس واقعہ سے میری کم عقلی اور حضرت قبلہ کی ہر علم اور ہر محکمہ کے اصول و ضوابط اور نظم و نسق سے کماحقہٗ آگاہی اور تحمل و بردباری اور کرم فرمائی کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

چنانچہ میرے چلے جانے کے بعد آپ کے بحرِ کرم میں مد و جزر کا تلاطم برپا ہوا۔ مجھے واپس بلانے کے لیے سلسلۂ عالیہ کے ایک شیرِ ببر (معززؔ و محبوب خلیفہ مجاز حضرت اقدسؒ پیرستان پاک چک نمبر ۸-آر/۱۴ اضلع ملتان) کو روانہ کیا۔ جو اس نادان خادم کو ایک شکار کی طرح دبوچ کر لائے۔ حاضر ہوتے ہی فرمایا "وضو ہے؟" جی حضور۔ میں نے کہا۔

تو آپؒ نے میرے جیسے کمینہ کو سلسلۂ عالیہ میں داخل کر کے اپنی غلامی میں قبول فرما لیا۔ اور حکم دیا ناشتہ کر لو اور بھاگ جاؤ۔ جتنی جلدی ہو سکے اپنی ڈیوٹی پر حاضر

ہو جاؤ۔"

ڈیوٹی پر جلد پہنچنے میں حکمت

بیعت ہونے کے بعد میں (مرزا یعقوب بیگ حال اے۔ ایس۔ آئی اسلام آباد) نے جلدی جلدی ناشتہ کیا اور بھاگم بھاگ اڈے پر پہنچا۔ بس پکڑی۔ دہلی پہنچا۔ وردی پہنی اور ڈیوٹی کے لیے روانہ ہو گیا۔ جب ڈیوٹی پر حاضر ہوا۔ تو تھوڑی دیر بعد انسپکٹر صاحب آ گئے۔

انسپکٹر صاحب نے کہا۔" میں تمھاری چیکنگ کے لیے آیا ہوں کیونکہ سارجنٹ نے تمھاری شکایت کی تھی کہ تم کئی دن سے غیر حاضر تھے۔ اب تمھارا ڈیوٹی پر موجود ہونا ثابت کرتا ہے کہ سارجنٹ نے تمھاری رپورٹ غلط کی ہے۔"

اِس کے بعد یہ بات بھی خصوصاً قابلِ ذکر ہے کہ ۱۹۴۲ء سے ۱۹۴۷ء تک میں جتنی دفعہ بھی حضرت قبلہ سرکار تاج الاولیاء کی خدمت میں حاضری دینے کے لیے گیا۔ یا اس دوران میں جس قدر عرس شریف میں نے اٹینڈ کیے۔ بغیر رخصت لیے اور کسی کو بتائے بغیر ہی گیا۔ دو دو تین تین دن وہاں رہا۔ مگر افسران نے جب بھی میری چیکنگ کی۔ میں ڈیوٹی پر حاضر ملا۔

ایک اور واقعہ

دورانِ ڈیوٹی کا ایک اور خاص واقعہ عرض ہے۔ ۱۹۴۴ء میں ایامِ عرس شریف کے موقعہ پر میں ایک خاص ڈیوٹی پر مامور تھا۔ جہاں ہر روز صبح و شام افسرانِ بالا سے واسطہ پڑتا تھا۔ اُن دنوں میرے بال بچے بھی دہلی میں میرے ہمراہ رہ رہے تھے۔ بچی بیمار تھی۔ میں تھانہ سے گھر آیا۔ سائیکل خوب صاف کی اور تیل وغیرہ بھی دیا۔ بیوی نے پوچھا آج سائیکل بہت صاف کر رہے ہو۔ میں نے کہا۔ آج سے سکندر آباد میں عرس شریف شروع ہے۔ شاید چھٹی نہ مل سکے۔ اِس لیے سائیکل

ساتھ لے جا رہا ہوں۔ جب محفلِ سماع ختم ہو گی تو میں واپس آجاؤں گا۔ اور کل بچی کو ہسپتال بھی لے جاؤں گا۔ افسرانِ بالا کو پتہ بھی نہ لگے گا۔ اور عُرس شریف میں میری حاضری بھی ہو جائے گی۔

چنانچہ سکندر آباد پہنچ کر میں نے خود کو بہت چھپایا۔ مگر سب سے پہلے بھائی گلزار صاحب نے مجھے وہاں دیکھ لیا۔ ان کو سب بات بتا کر اخفائے راز کی تاکید کی۔ مگر جب چادر شریف کے بعد محفلِ سماع کا آغاز ہونے لگا تو حضرت قبلہ کا حکم ملا کہ تمھارا مقام آگے ہے۔ لوگوں کے پیچھے نہیں۔ چنانچہ تعمیلِ حکم کی گئی۔ اور میں آگے جا کر بیٹھ گیا۔ اختتامِ محفلِ سماع کے بعد برادرانِ طریقت حضرت غلام محمّد صاحب مدظلہٗ، (راولپنڈی) اور حضرت مستان شاہ صاحبؒ کو تمام واقعہ گوش گزار کر کے ان کی وساطت سے اجازت لینے کے لیے عرض کیا۔ مگر اُن کی طرف سے جواب ملا کہ یہاں دم مارنے کی گنجائش نہیں۔ صبح خود اجازت لے لینا۔ اِسی تگ و دو میں تین دن گزر گئے۔ جب اجازت مانگی تو حکم ہُوا۔ "آگے اپنی مرضی سے رہے ہو۔ اب ہماری مرضی سے رہو گے جب حکم ہو گا تب جاؤ گے۔" لہٰذا سات دن کے بعد اجازت ملی۔ جب گھر گیا تو بچی بالکل تندرست تھی۔ بیوی نے بتایا کہ تین چار دن ڈاکٹر خود آ کر دوائی دے جاتا رہا ہے اور جب سات دن کی غیر حاضری کے بعد تھانے پہنچا۔ تو ڈیوٹی محرر نے پوچھا۔ "یار آج رات تم کہاں تھے؟" حالانکہ میں مسلسل سات دن تک غیر حاضر رہا۔ اِس سے آپ اندازہ لگائیں کہ حضرت قبلہؒ نے کیا کھیل کھیلا۔ کہ مجھے سات دن تک اپنے قدموں میں رکھا۔ اور اِدھر صبح و شام میری ڈیوٹی حاضری کے ساتھ ہوتی رہی۔ یہ تھا میری سرکار کا تصرّف۔

مفرور ملزم کی بازیابی

مرزا صاحب موصوف ہی بیان کرتے ہیں۔ ۱۹۴۴ء کا واقعہ ہے۔ میں تھانہ قرول باغ دہلی میں بطور کنسٹیبل ڈیوٹی دیا کرتا تھا۔ ایک دن صبح کے وقت میری نگرانی

میں سے ایک ملزم بھاگ گیا۔ نہایت پریشان ہُوا۔ مگر ساتھ ہی انچارج تھانہ کو بھی مُطلع کر دیا۔ اُس نے تمام ملازمین کو ملزم کی تلاش میں روانہ کر دیا۔ مگر ملزم کا کوئی سراغ نہ ملا۔ اسی پریشانی کی حالت میں مَیں نے مسجد کا رُخ کیا اور محراب میں بیٹھ کر اپنے پیرو مُرشد (تاج الاولیاءؒ) کا بتایا ہُوا ذکر کیا۔ دورانِ ذکر ہی میں غنودگی طاری ہوئی۔ تو دیکھا کہ حضرت قبلہ تاج الاولیاءؒ کے محبوب و معزز اور معتقد خلیفہ جناب ستان شاہ صاحب مدظلہٗ صُوبیدار کی وردی میں ملبوس مع ایک حوالدار اور چار فوجی سپاہیوں کے میرے سامنے موجود ہیں۔ اُن تمام نے فل کٹ بیگ لگا رکھا ہے۔ اور عہدہ کے مطابق اسلحہ بھی پاس ہے۔ مجھے مخاطب ہو کر فرمایا۔" جاؤ بھئی تم آرام کرو۔ ہم اُس وقت آپ سے ملیں گے۔ جب آپ کا مفرور ملزم واپس آپ کے پاس لائیں گے۔" یہ دیکھ کر طبیعت کو قدرے سکون ہُوا۔ دو رکعت نماز نفل ادا کر کے تھانے واپس چلا آیا۔ اُسی دن تقریباً ۴ بجے مَیں تھانہ کے گیٹ پر کھڑا تھا۔ کہ وُہی مفرور ملزم سفید لباس میں ملبوس میری طرف آرہا تھا۔ مَیں نے اپنی بہادری کا مظاہرہ کرتے ہُوئے اُسے گھیرے میں لینا چاہا۔ تو وُہ خُود میرے پاس آ گیا۔ اور پوچھا" اسٹیشن کو کونسا راستہ جاتا ہے؟" مَیں نے کہا۔ ذرا اور آگے آؤ بتا دیتا ہوں۔ تو اُس نے کہا۔" صُبح سے پُوچھتا پھر رہا ہُوں کوئی راستہ ہی نہیں بتاتا۔ وُہ ملٹری والے جو سڑک پر جا رہے ہیں۔ اُنھوں نے کہا ہے کہ وُہ آدمی جو سامنے کھڑا ہے۔ وُہ تمھیں صحیح راستہ بتا دے گا۔"

جب مَیں نے سڑک کی طرف دیکھا تو وہاں کوئی ملٹری والا نظر نہ آیا۔ معاً یاد آ گیا کہ یہ تو وُہی ملٹری والے (حضرت ستان شاہ صاحبؒ) ہیں جو ملزم کو ڈھونڈنے گئے تھے۔ وُہی اسے یہاں چھوڑ گئے ہیں۔ اسے فوری گرفت میں کیا اور افسرانِ بالا کے پیش کر دیا۔ تھانیدار کو جب یہ سب واقعہ سُنایا۔ تو وُہ میری بہت عزّت کرنے لگ گیا۔ چنانچہ اس واقعہ نے اُس ہندو تھانیدار کو بہت زیادہ متاثر کیا ہُوا تھا۔

ایک دفعہ ایک ایسا کیس (مقدمہ) درج ہوا جس کی تفتیش کے سلسلہ میں پٹنہ جانا پڑتا تھا۔ مگر جو بھی افسر وہاں جاتا۔ فیل ہو جاتا تھا۔ لہٰذا بحیثیت کنسٹیبل باجازت ایس ایس پی مجھے بھیجا گیا۔ جب میں نے تفتیش مکمل کر لی اور ملزم بھی گرفتار کر لیا تو تمام کاغذات متعلقہ مقدمہ گم ہو گئے۔ کافی کوشش کے باوجود بھی کاغذات نہ ملے اور خرچ بھی ختم ہو چکا تھا۔ اس صورت میں میں نے پولیس دفتر سے قرض لیا اور ارادہ کیا کہ بجائے واپس جانے کے کلکتہ چلا جاتا ہوں۔ اور روپوش ہو جاتا ہوں۔ شام کو اپنے سلسلۂ عالیہ کے تمام بزرگوں کے مزارات پر حاضری دی اور دعائیں مانگیں۔ وہاں کے سجادہ نشینوں سے بھی دعائیں منگوائیں۔ مراقبہ کیا تو حکم ہوا۔ واپس جاؤ۔ اور راستہ میں سلسلۂ عالیہ کے تمام بزرگوں کے مزارات پر حاضری دی۔ لکھنؤ شریف جناب دادا پیر حضرت شاہ محمد نبی رضاؒ کے مزارِ اقدس سے تو خوب لپٹ لپٹ کے رویا۔ اور رات وہیں گزاری آگرہ میں حضرت قبلہ امیر ابوالعلاؒء کے مزارِ مقدس پر بھی حاضر ہوا۔ واپس دھلی آکر خان عبدالعزیز خاں صاحب کی وساطت سے حضرت تاج الاولیاءؒ کی خدمت میں درخواست دی تو جواب ملا۔ "حیرانگی کی بات ہے۔ اچھا بھلا پڑھا لکھا عقلمند اور شادی شدہ ہے۔ مگر بچپن کیوں نہیں جاتا۔" پھر فرمایا "اچھا ہمارے لیے تو اگر وہ سو سالہ بوڑھا ہو جائے بچہ ہی رہے گا۔" اُدھر (سکندر آباد میں) یہ کلمات ادا ہو رہے تھے اور اِدھر (تھانہ قرول باغ دھلی میں) تھانیدار اپنے ہاتھ سے یہ رپٹ لکھ رہا تھا۔ "یعقوب بیگ کنسٹیبل بعد تفتیش مقدمہ نمبر فلاں فلاں وقت پٹنہ سے واپس آیا اور تکمیل شدہ کاغذات میرے حوالے کیے۔"

جب محرر تھانہ نے یہ رپٹ پڑھی تو کہا "پنڈت جی! ایک مسلمان کو بچانے کے لیے اپنے گلے میں پھندا ڈال لیا ہے۔" مگر تھانیدار نے کہا۔ جو کچھ میں کر رہا ہوں۔ بہتر ہی ہو گا۔ نہ تو اِسے کچھ ہو گا اور نہ ہی مجھے کچھ ہو گا۔ اور ایسا ہی ہوا۔ آج تک نہ تو مجھے کسی نے پوچھا اور نہ ہی کوئی سزا ملی۔ ے

کریم ہی جو ٹھہرے تو کرم کا کیا ٹھکانہ

آپؒ کی وسعتِ نگاہ

۱۹۴۳ء کا واقعہ ہے۔ میں (مرزا یعقوب بیگ حال اے ایس آئی اسلام آباد) دہلی میں تھا۔ ایک رات خواب میں دیکھا۔ کہ میں نے اپنے گاؤں سے نصف میل کے فاصلہ پہ ایک جگہ بہت بڑی اور کم از کم پانچ چھ فٹ اونچی سٹیج (چبوترا) بنائی ہے اور سٹیج اتنی بڑی ہے کہ اس پہ دو تین سو آدمی بیٹھ سکتے ہیں۔ اور تمام سٹیج کو ایک ہی سفید چادر سے ڈھانپ دیا گیا ہے۔ اور اس کے اوپر اِدھر اُدھر پھر کر یہ دیکھ رہا ہوں۔ کہ کہیں کوئی سلوٹ یا کجی تو نہیں رہ گئی۔ دریں اثناء ایک دوسرے گاؤں کا آدمی جو کہ وہاں سے گزر رہا تھا۔ اُس نے پوچھا۔ کہ یہ کیا بنایا ہے؟ میں نے کہا سٹیج بنائی ہے۔ اُس نے کہا۔ کس مقصد کے لیے؟ میں نے کہا۔ یہاں محفلِ سماع کراؤں گا۔ اُس نے کہا۔ یہ زمین تو کھتریوں (ہندوؤں) کی ہے۔ اتنے میں میری نیند کھل گئی۔ اور میں اپنے کمرہ واقع چوکی پولیس دھولہ کنواں نئی دہلی میں لیٹا ہوا تھا۔

چنانچہ اُسی وقت حضرت قبلہ کی خدمت میں حاضری کا ارادہ کیا۔ اور بغیر کسی رخصت کے سائیکل پہ سوار ہوا اور آستانہ عالیہ کو روانہ ہو گیا۔ ۲۷ میل کا سفر دو گھنٹہ میں طے کر کے سورج نکلنے سے پہلے آستانہ عالیہ پہ پہنچ گیا۔ بارگاہِ شکوری میں حاضری کی استدعا کی تو معلوم ہوا کہ سگِ دربار کا پہلے سے انتظار کیا جا رہا تھا ـــــ قدم بوسی کی سعادت حاصل ہونے کے بعد جب میری نگاہ حضرت قبلہ کے مقدس چہرہ پر پڑی تو آپ مسکرا رہے تھے۔ اُسی متبسم انداز میں فرمایا۔ "تم راتوں کو بھی آرام نہیں کرتے۔ جو واقعہ تم نے دیکھا خط پہ نہیں لکھ سکتے تھے"۔ پھر فرمایا "کوئی بس اس وقت بھی دہلی سے آتی ہے؟" میں نے عرض کیا جس پہ حضور کی نظرِ کرم ہو جائے اسے بس وغیرہ کی ضرورت نہیں رہتی۔ اُس کے لیے زمین سکڑ جاتی ہے۔

اتنے میں چائے آگئی۔ حکم ہوا چائے پی لو۔ تعمیلِ حکم کی گئی۔ تو فرمایا "اب بات کرو۔ کیا واقعہ دیکھا؟" (حالانکہ آپؒ میرے واقعہ خواب اور دیگر حالات سے بخوبی آگاہ تھے) میں نے تمام واقعہ متعلقہ خواب عرض کیا۔ فرمایا "وُہ زمین تمھاری ہے" (جہاں سٹیج بنائی گئی تھی۔) میں نے عرض کیا۔ حضور وُہ رقبہ ایک ہندو کا ہے۔ اور وُہ مزارعہ کو بھی اس شرط پر کاشت کرنے دیتا ہے کہ وہ مرزا غلام قادر میرے والدِ بزرگوار اور مرزا رحمت علی کو وہاں سے گزرنے بھی نہ دے۔ دریں اثنا آپ کھڑے ہو گئے۔ اور جوش میں آکر فرمایا "کیا کہا۔ وہ رقبہ ہندوؤں کا ہے۔ یہ کونسی بڑی بات ہے۔ اللہ تعالیٰ کے سامنے کوئی بات بڑی نہیں ہے۔ وہ رقبہ تمھارا ہے۔" میں نے پھر اپنی کم عقلی کا مظاہرہ کیا اور عرض کیا۔ حضور! وُہ رقبہ اب تک تو ہندوؤں کا ہے۔ آپؒ نے درشت لہجہ میں فرمایا "بھائی مرزا خاں (آپؒ مجھے مرزا خاں کہہ کر پکارا کرتے تھے) وُہ رقبہ تمھارا ہے۔" بعدہٗ فرمایا "کوئی اور بات کہنی ہے؟" عرض کیا۔ نہیں حضور۔ تو آپؒ نے صاحبزادہ رؤف میاں صاحب کو فرمایا۔ اس کو خود جا کر بس پر سوار کرادو۔ یہ اپنی طرف سے تو بہت بہادر بنتا ہے۔ ڈیوٹی میں دیر ہو جائے گی اسے۔"

حضرت قبلہؒ کی یہ بات میری سمجھ سے بالا تھی۔ میں نے بہت سوچا مگر کوئی سمجھ نہ آئی۔ مگر حالات کے ہیر پھیر سے یہ بات واضح ہو کر میرے معائنہ میں آگئی۔ چنانچہ ۱۹۴۷ء میں جب غدر پڑا اور تبادلہ آبادی ہوا تو ہماری جدی زمین موضع بریلہ خورد ضلع گورداسپور سے بذریعہ کلیم پاکستان میں منتقل ہو گئی۔ اور وہ زمین جہاں خواب میں میں نے سٹیج بنائی تھی اور اس کے ارد گرد والی زمین ہم تین بھائیوں کو الاٹ ہو گئی اور ہندو غدر میں ہندوستان چلے گئے۔ مجھے اسٹیج والی زمین سے کچھ فاصلہ پر زمین الاٹ ہوئی۔ اسٹیج والی زمین میرے بھائیوں کو الاٹ ہو گئی۔

۱۹۶۹ء میں ہمارے گاؤں میں اشتمالِ اراضی ہوا۔ ۱۹۷۰ء کے آخر تک اشتمال ہوتا رہا۔ آخری فیصلہ میں وُہ سٹیج والی زمین اور اُس کے اِرد گرد والا رقبہ منتقل ہو کر چھ ایکڑ مجھے

مل گیا۔ اور جانب مشرق جہاں خواب کی حالت میں کھڑے ہوکر دوسرے گاؤں کے اُس آدمی نے اسٹیج کے متعلق سوالات کیے تھے اور کہا تھا کہ یہ تو ہندوؤں کی زمین ہے اُس جگہ سرکاری سڑک بنائی گئی۔

یہ ہے وہ زمین جو حضرت قبلہؒ نے تقریباً ستائیس برس پہلے مجھے دے دی تھی جبکہ پاکستان کا وہم و گمان بھی نہ تھا۔ حضرت قبلہؒ کی وسیع النظری کا اندازہ کون لگا سکتا ہے۔ ستائیس برس بعد پیش آنے والے حالات کی ہر تفصیل سے آپؒ کس قدر واقف تھے۔ سبحان اللہ!

۱۹۴۶ء میں ایک دفعہ میں نے عرض کیا۔ کہ میرے ساتھی ترقی یاب ہونے والے ہیں۔ انھوں نے ہیڈ کنسٹیبلی کا کورس پاس کرلیا ہے اور میں نے ابھی کورس پاس نہیں کیا۔ حضرتؒ نے فرمایا۔ پہلے تم ترقی یاب ہوگے۔ پھر تمھارے ساتھی کامیاب ہوں گے۔ میں حیران تھا کہ یہ کیسے ہوگا۔ کیونکہ مستقبل قریب میں ایسا کوئی چانس نہ تھا۔ مگر ایک دن ایس ایس پی کی طرف سے پولیس فائرنگ کے مقابلہ کا ایک جنرل آرڈر جاری ہوا۔ میں نے بھی پولیس فائرنگ کے مقابلہ میں شرکت کرنے کے لیے نام لکھوا دیا۔ ایک ماہ تک مسلسل مقابلہ جاری رہا۔ حضرتؒ کی دعا سے میں بہت اچھے نمبر حاصل کرتا رہا۔ آٹھ کنسٹیبل فائنل میں آگئے۔ تو ایس ایس پی نے اعلان کیا۔ کہ اب میں ایک دائرہ بناتا ہوں جو پانچ فائر اس دائرہ میں لگالے گا۔ اس کو اسی وقت ہیڈ کنسٹیبل بنا دیا جائے گا۔ حضرت کے کرم سے یہ ناچیز مقابلہ میں اوّل آیا۔ اور اسی دن ترقی یاب ہوا۔

حضرتؒ نے بے سروسامانی کی حالت میں امداد کی

۱۹۴۷ء میں جب غدر پڑا۔ تو میں نہایت ہی بے سروسامانی کی حالت میں پرانا قلعہ معروف قلعہ کوروپانڈو نئی دہلی کیمپ میں مع اہل وعیال چلا گیا۔ ڈیڑھ ماہ تک کیمپ

میں رہنا پڑا۔ پاکستان آنے کی باری ہی نہ آتی تھی۔ تمام کوششیں بے سود ثابت ہوئیں۔ آخر کار حضرت کی ذات کی طرف رجوع کیا۔ تو اسی دن حکم ہوا کہ تیار ہو جاؤ۔ مگر میرے پاس پھوٹی کوڑی بھی نہ تھی اور کیمپ سے خارج ہونے کے لیے بھی کچھ رشوت دینی پڑتی تھی۔ پریشانی کی حالت میں وہ رات اور اگلا دن بھی یونہی گزر گیا۔ دوسری رات پھر حکم ہوا۔ "تیار ہو جاؤ" اس پر بھی میری وہی کیفیت رہی۔ آخر کار تیسری رات ایسا ہوا کہ حضرت کیمپ میں تشریف فرما ہیں۔ اور اپنے معزز خلفاء میں سے حضرت مستان شاہ صاحب، حضرت غلام محمد شاہ صاحبؒ راولپنڈی والے اور حضرت علیم الدین شاہ صاحب بلند شہری بھی ہمراہ ہیں۔ حضرتؒ نے میرا سر اپنی گود میں رکھا ہوا ہے۔ اور مجھے ہمت و حوصلہ بلند رکھنے کی ھدایت کر رہے ہیں۔ اور فرما رہے ہیں کہ تیاری کر لو اور بمبئی والے حضرات نور محمد صاحب (خلیفۂ مجاز حضرت اقدسؒ) نے فرمایا۔ "کون اپنے بھائی کو پاکستان لے جائے گا؟" حضرت بلند شہری نے فرمایا۔ "جسے حکم ہوگا۔ سب حکم کے منتظر ہیں۔" اس پر حضرت بلند شہریؒ کو حکم ہوا۔ "تم جاؤ گے۔" اور مجھے فرمایا۔ "جاؤ اپنے بچوں کو تیار کرو۔" میں ابھی گود ہی میں تھا کہ ایک آدمی نے آ کر کہا۔ "خرچ میرا اور کوشش تمھاری۔" لہٰذا اگلے دن جو سپیشل ٹرین جانی تھی ہم اُس پر سوار ہو گئے۔ اور بخیر و عافیت چار دن بعد لاہور آ گئے۔ راستہ میں جہاں بھی مشکلات کا سامنا ہوا۔ بھائی علیم الدین شاہ صاحب بلند شہری (خلیفۂ مجاز حضرت اقدسؒ) ظاہری اور باطنی طور پر لاہور تک میرے ساتھ رہے۔ اس طرح حضرتؒ نے بے سروسامانی کی حالت میں ہماری مشکل کشائی فرمائی۔ اور ہمیں پاکستان پہنچا دیا۔

حضرت کے متوسلین

میں بھی بیشتر حضرات صاحب کمال ہیں

حضرت قبلۂ عالم کی اس زمانہ میں نظیر ملنا مشکل ہے۔ حضرت سراپا برکت کے تصرفات اور کمالات تو اظہر من الشمس ہیں ہی۔ مگر حضرت کے خدام جنھوں نے آپ کی آغوش

رحمت میں تعلیم و تربیت پائی۔ اُن میں بھی اکثر ایسے صاحبِ کمال حضرات تھے اور اب بھی موجود ہیں۔ کہ اُن کے بھی واقعات اور کمالات سُن کر آدمی دنگ رہ جاتا ہے۔ چنانچہ اس سلسلہ میں مرزا صاحب موصُوف (مرزا یعقوب بیگ صاحب حال اے ایس آئی اسلام آباد) ہی کی زبانی چند واقعات نظر نوازِ ناظرین ہیں۔ مرزا صاحب فرماتے ہیں:

اواخر ۱۹۴۲ء کا واقعہ ہے۔ جب کہ سلسلۂ عالیہ شکوریہ میں داخل ہوئے مجھے چند ہی ماہ گُزرے تھے۔ ایک صاحب کو بہت ہی خفیف سے جُرم میں میں نے زدوکوب کیا۔ اُس نے گلوخلاصی کے لیے مبلغ تیس روپے رشوت کی پیش کش کی جسے میں نے بخوشی منظور کر لیا۔ مگر ملزم کی جیب میں اُس وقت صرف دو روپے نقد موجود تھے۔ اس لیے وہ اپنی سائیکل بطورِ رعمال میرے پاس چھوڑ گیا۔ جب وہ روپے لے کر میرے پاس آیا تو اُس وقت میں عصر کی نماز ادا کرنے کے لیے مُصلّے پر کھڑا تھا۔ اُس نے مصلّے پر ہی مجھے تیس روپے دیے۔ میں نے وہ روپے جیب میں ڈال کر نماز ادا کی۔ اور بعد ازاں سیٹھ پیر محمد صاحب کی دکان واقع پنجکوٹیاں روڈ نئی دہلی روانہ ہو گیا کہ جسے سلسلۂ عالیہ شکوریہ کے متوسّلین کے لیے ریسٹ کیمپ کہنا بے جا نہ ہو گا۔

جب میں ریسٹ ہاؤس پہنچا تو وہاں برادرِ طریقت جناب محمد سرور صاحب لیفٹیننٹ جہلم والے پہلے موجود تھے۔ لیفٹیننٹ صاحب چارپائی پر تشریف فرما تھے۔ اور باقی لوگ نیچے دری پر اور کچھ لوگ لکڑی کے ایک تختے پر بیٹھے تھے۔ لیفٹیننٹ صاحب نے مجھے چارپائی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ مگر میں نے انکار کرتے ہوئے تختے پر بیٹھنے کی کوشش کی۔ اُنھوں نے مجھے بازو سے پکڑ کر چارپائی پر اپنے پاس ہی بٹھا لیا۔ اور بیڑی سلگا کر مجھے دی۔ حالانکہ میں نے حُقّہ، سگریٹ یا بیڑی وغیرہ کبھی استعمال نہیں کی تھی مگر میں انکار نہ کر سکا۔ اور بیڑی پینے لگا۔ وہ مجھے بیڑیاں سلگا کر دیتے رہے اور میں پیتا رہا۔ یہاں تک کہ پُورا بنڈل پی گیا۔ مگر کوئی تکلیف محسوس نہ ہوئی۔ جب بیڑی نوشی کا دور ختم ہوا۔ تو مجھے چارپائی پہ اچانک حضرت قبلۂ عالم تشریف فرما نظر آئے

میں فوراً دست بستہ کھڑا ہو گیا۔ اور آنکھیں بند کر لیں۔

حضرت قبلۂ عالم نے رشوت کے معاملہ میں خفگی کا اظہار فرمایا۔ آپؒ کو برافروختہ دیکھ کر میں نے دل ہی دل میں رشوت سے ہمیشہ کے لیے توبہ کی۔ چند منٹ بعد جناب لیفٹیننٹ صاحب نے فرمایا۔ بھائی جو توبہ کی ہے۔ اس پر قائم رہنا۔ حالانکہ میں نے دل ہی دل میں خُفیہ طور پر توبہ کی تھی۔ مگر لیفٹیننٹ صاحب پر میرا تمام قلبی واقعہ منکشف تھا۔ گویا وہ میرے قلب کے جاسوس تھے۔ بظاہر تو وُہ ایسے نظر نہ آتے تھے۔ مگر میرے حضرت کے کرم سے وہ اس مقام پر فائز تھے۔ جہاں ہر چیز روشن ہوتی ہے۔ بعدہٗ لیفٹیننٹ صاحب نے فرمایا۔ اب جہاں دل چاہے بیٹھ جاؤ۔

اس واقعہ کے تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ بعد جب نوکر گھر سے کھانا لانے کو روانہ ہُوا۔ تو لیفٹیننٹ صاحب نے فرمایا صوفی صاحب کیا پکا رکھا ہے۔ اس پر محمد رمضان مرحوم برادرِ حقیقی سیٹھ پیر محمد صاحب مرحوم نے فرمایا نمکین پلاؤ اور زردہ پکوایا گیا ہے۔ یہ سُن کر لیفٹیننٹ صاحب نے فرمایا۔ ہمارے بھائی حضرت مستان شاہ صاحب (چک نمبر ۸-۱۱/۱۴۳ ضلع ملتان) تو اس وقت گڑ کے چاول تناول فرما رہے ہیں۔ کھانا کھانے کے بعد میں نے اُسی وقت حضرت پیر مستان شاہ صاحب کی خدمت میں عریضہ لکھا اور اُن سے دریافت کیا کہ فلاں تاریخ کو فلاں وقت کے کھانے میں آپ نے کیا کھایا تھا؟ تو آنجناب سے جواب آیا۔ اُس دن یہاں بہت رونق تھی۔ دہلی سے فلاں فلاں حضرات تشریف لائے تھے۔ اُن کی ضیافتِ طبع کے لیے اُس دن گڑ کے چاول پکائے تھے۔ سبحان اللہ وبحمدہٖ۔ سینکڑوں میل کی مسافت پر بھی آپ کے ایک مقبول نظر خادم کی نگاہ اس طرح کام کر رہی تھی جس طرح پاس ہی بیٹھے ہُوئے تھے اور رشوت کے معاملہ میں اس دن سے میرا دل ایسا بے زار ہُوا کہ میرا انچارج ہیڈ کنسٹیبل ہفتہ کے بعد جب رشوت کی تقسیم کرتا تو میرے حصّہ کے چار چار پانچ پانچ سو روپے میرے پیچھے پیچھے لیے پھرتا اور میں آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھتا۔ جب میرے انگریز افسران کو اس بات کا علم ہُوا تو وُہ مجھے پیر پادری کہنے لگے۔ اس چرچا سے گھبرا کر میں نے تبادلہ کی کوشش کی۔ تو معلوم

نہیں ایس پی صاحب کو کیا خیال آیا۔ کہ اُس نے کہا۔ ابھی اور اصلاح ہونے دو۔ اور میرا تبادلہ نہ کیا۔

آخر کار میری ضد کے پیشِ نظر اُس نے مجھے اپنے دفتر میں تبدیل کر دیا۔ میرے حضرت سراپا برکت کے فیض کا بحر بے کنار ہے۔ چنانچہ جناب قاتلؔ صاحبؒ نے خوب ہی فرمایا ہے ؎

کلامِ حق سے یہ ثابت ہوا ہے اے قاتلؔ
خُدا کے بندے بہت ہیں مگر شکور ہیں کم

حضرت کے متوسّلین کا ایک اور واقعہ

۱۹۶۵ء میں میرا تبادلہ راولپنڈی سے کراچی ہو گیا۔ مورخہ ۸ اگست ۱۹۶۵ء کو مجھے گھر سے ایک لفافہ بذریعہ ڈاک موصول ہوا۔ یہ لفافہ میری لڑکی نسیم اختر عمر تقریباً ۱۵/۱۶ سال کے ہاتھ کا لکھا ہوا تھا۔ جو کہ موضع خلجیاں ضلع سیالکوٹ سے ارسال کیا گیا تھا۔ لفافہ کا مضمون یہ تھا:

"ہم تینوں بہنیں مع اپنی امی اپنا کوٹھا لیپ رہی تھیں کہ گاؤں میں بھگدڑ مچ گئی۔ ہم نے لوگوں سے پوچھا کہ کیا ہو گیا ہے؟ انھوں نے بتایا کہ سکھوں نے حملہ کر دیا ہے۔ اس پر ہم چاروں رونے لگ گئیں۔ کیونکہ آپ بھی ہمارے پاس نہیں تھے اور تایا جی بھی ہم سے ناراض ہیں۔ روتے روتے امی نے کہا۔ اب گھر چلو۔ جلدی جلدی اپنا سامان سنبھالو۔ اپنے اپنے ٹوٹ کیسوں میں ضرورت کے مطابق کپڑے ڈال لو اور اسٹیشن کی طرف بھاگ چلو۔ گاڑی پر سوار ہو کر تمھارے ابا کے پاس چلے چلیں۔

چنانچہ ہم چاروں گھر پہنچ کر سامان سنبھال رہی تھیں کہ باہر سے کسی نے آواز دی۔ امی کے کہنے پر میں نے باہر جا کر دیکھا۔ پانچ چھ آدمی کھڑے تھے۔ میں نے پوچھا کون ہو؟ تو راولپنڈی والے باباجی (حضرت قبلہ غلام محمد شاہ مدظلہ المخاطب بخطاب غیبی جلوہ نما اولیاء) نے کہا کہ "میں وہی ہوں جس نے لاہور اسٹیشن پر

پانچ روپے دیے تھے۔ اور تم بہت ننھی تھیں۔

اتنے میں اندر سے امّی نے آواز دی۔ وہاں ہی بیٹھ گئی ہو۔ کون ہے؟ تو میں نے کہا۔ راولپنڈی والے باباجی ہیں۔ تو امی نے کہا۔ باباجی بھی اچھے وقت پر آئے ہیں۔ یہ کہتے کہتے وُہ بھی باہر آگئیں۔ اور آکر سلام وغیرہ کے بعد اندر چلنے کو کہا۔ تب باباجی مع دیگر پانچ چھ آدمیوں کے اندر آئے۔ صحن میں پہنچ کر اُن لوگوں کو کہا "جاؤ ان کا سامان درست کرو۔" اور یہ بھی کہا "اتیاں یعنی اندھیاں سامان اپنی اپنی جگہ درست رکھوانا۔" تب والدہ نے کہا۔ یہ ہمارا سامان کیا درست کریں گے ہم خود ہی درست کرلیتی ہیں۔ تو باباجی نے کہا۔ تم میرے ساتھ چھت پر آجاؤ۔ چھت پر لے جاکر ہمیں ایک چارپائی پر بٹھادیا۔ اور خود بھی وہیں بیٹھ گئے۔ اور ایک سلیٹی سے رنگ کی گرم چادر میں ہم کو چھپا لیا۔ خود بھی اللہ اللہ کرنے لگے اور ہمیں بھی اللہ اللہ کرنے کی ھدایت کی۔ چاند کی معمولی روشنی تھی۔ اِس لیے جو بھی ہم کو چھت پر بیٹھے دیکھتا وہ یہ سمجھ کر کہ بے چاری اکیلی ہیں۔ ڈر رہی ہوں گی۔ تسلّی دینے کے لیے ہمارے پاس جب آتا تو باباجی اس کو بھی ھدایت کرتے کہ چارپائی کو پکڑ کر بیٹھ جاؤ۔ حتیٰ کہ ہماری تمام چھت بھر گئی۔

چیمہ اور ساہووال اور شاہ پور والے چودھری بھی یہ پتہ لگنے پر ہمیں تسلّی دینے آگئے تھے کہ وُہ اکیلی ہیں۔ تمام رات آتشبازی کی طرح بمباری ہوتی رہی۔ جب صُبح کا وقت ہُوا۔ تو باباجی نے کہا۔ "اب بالکل ٹھیک ٹھاک ہے"۔ لوگوں کو بھی جانے کی ھدایت کی۔ اور ہم کو بھی چھت سے لے کر نیچے صحن میں آگئے۔ تو امّی نے کہا کہ بیٹھ جاؤ۔ لسّی وغیرہ بناتی ہوں کچھ تھوڑا سا ناشتہ کرلو۔ تو باباجی نے کہا۔ "وقت بہت کم ہے اور ابھی کام بہت ہے۔" اس پر امّی بھاگ کر اندر گئیں اور کچھ روپے لے آئیں۔ جب روپے باباجی کو پیش کیے تو انھوں نے فرمایا۔ "میں کوئی پیر نہیں ہُوں۔ اپنے بھائی کے بچّوں کو دیکھنے آیا تھا۔" یہ فرماتے ہُوئے صحن سے گلی میں پہنچ گئے۔ ہم کو فرمایا "اب فکر نہ کرنا بالکل آرام ہوگیا ہے۔ اندر چلی جاؤ۔" مگر ہم چاروں ان کے ساتھ

گئیں۔ وہاں جا کر پھر ہم کو پیار کیا۔ اور گھر جانے کی ھدایت کر کے مع ہمراہیاں جیپ پر سوار ہو گئے۔ جیپ ٹوٹا بیگ کے کنوئیں تک زمین پر چلتی رہی۔ اور وہاں سے اُڑنی شروع ہو گئی۔ ہمارے دیکھتے ہی دیکھتے کافی اونچائی پر چلی گئی۔ جامر تسر کی طرف جا رہی تھی۔ جب جیپ ہماری نظروں سے اوجھل ہو گئی تو ہم اپنے گھر لوٹ آئیں۔ اور سامان کو دیکھا تو اس قرینہ سے سجایا ہوا تھا کہ آج تک ہم خود بھی اس قرینہ سے نہ رکھ سکی تھیں۔

نیند سے بیدار ہو کر یہ تمام واقعہ میں نے امی کو بتا دیا۔ اُنھوں نے کہا کہ تمام واقعہ اپنے آبا جی کو لکھ دو۔ فقط۔

یہ واقعہ مورخہ ۸ راگست ۱۹۶۵ء کا ہے اور جنگ ۶ر ستمبر ۱۹۶۵ء کو شروع ہوئی یعنی جنگ شروع ہونے سے تقریباً ایک ماہ پہلے میرے محسن بزرگ اور برادرِ طریقت حضرت قبلہ جلوہ نمائے اولیاء نے میرے بچّوں کی نگرانی فرمائی۔ اور ہمارا گاؤں بارڈر سے صرف نصف میل کے فاصلہ پر ہے۔ جب میری بیوی کا بھائی اور بھتیجے اُسے لینے کے لیے ہمارے گاؤں آئے تو اُس نے کہا۔ "ہماری حفاظت کا ذمّہ کسی نے لیا ہوا ہے۔" اور وُہ کہیں نہیں گئی۔ حالانکہ گاؤں کے تمام لوگ بھاگ گئے تھے۔ یہ ہیں حضرتؒ کے متوسّلین کے واقعات چنانچہ کسی نے کیا ہی خُوب کہا ہے ؎

عالم پہ ہیں درخشاں فیضانِ جہانگیری
ہر شخص پہ ہیں یکساں فیضانِ جہانگیری

"ہمارے سامنے مت پینا"

حضرت قبلہ کے نصیر آباد کے قیام کے زمانہ میں اجمیر شریف سے ایک شاعر بوقتِ عصر حاضرِ خدمت ہُوئے۔ اور حالات و واقعات نہایت مؤثّر انداز میں پیشِ خدمت کیے۔ آپ نے فرمایا "میں تمھارے لیے دُعا کروں گا۔ مجھ سے ملتے رہنا اور میرے حضرت کی شان میں کوئی منقبت بھی لکھنا۔ کچھ عرصہ بعد وہ دوبارہ حاضرِ خدمت ہُوا اور

حضرت شاہ محمد نبی رضا کی شان میں ایک عمدہ منقبت آپ کے حضور نذرانہ کی صورت پیش کی۔ خوش ہو کر آپ نے انھیں شرفِ بیعت سے مشرف فرمایا۔ رخصت کے وقت شاعر صاحب موصوف نے مؤدبانہ گزارش کی۔ حضور! عرصۂ دراز سے بلا کا شراب نوش ہوں۔ اور اس عادت کا ترک کرنا میرے اختیار میں نہیں ہے۔ آپ نے کمال بے نیازی سے فرمایا۔ ہاں بھئی شراب پینا اور ضرور پینا۔ تمھیں کس نے منع کیا۔ مگر ہمارے سامنے مت پینا۔

آخر کار موصوف سے نہ رہا گیا۔ عرصۂ دراز سے بلانوش تھے۔ بے پیئے کیسے رہ سکتے تھے۔ گھر پہنچتے ہی پیمانہ میں شراب ڈالی اور نوشِ جان کرنے کے لیے لبوں سے پیمانہ لگایا ہی تھا کہ سامنے آپ کی صورت نظر آئی۔ آپ نے وہی سابقہ جملہ ادا فرمایا۔ "ہمارے سامنے مت پینا۔" کچھ دن بعد آپ کو دُور سمجھتے ہوئے اور نہ دیکھتے ہوئے خیال کر کے موصوف نے پھر شوقِ شراب پورا کرنا چاہا۔ تو لبوں سے جام ٹکرانے کے ساتھ ہی آپ کی نورانی صورت پھر سامنے ہرجائی انداز میں نظر آئی۔ اور وہی جملہ ادا ہوا "ہمارے سامنے مت پینا" اور ساتھ ہی نگاہِ غیور سے تمام حواسِ غالبہ کافور ہو گئے۔ اور پھر کبھی خیالِ شراب نے تکلف نہ کیا۔ اور موصوف نے بے پیئے مستیٔ ازل شعار لی۔ اور نہایت صاحبِ وردثابت ہوئے۔

زائرِ بے خرچ کو زادِ راہ عطا ہوا

کمہار منڈی ملتان کے قیام کے دوران آپ کی علالت اور شدتِ عارضۂ ہچکی کے باعث ہر طرف سے خدام سلسلۂ عالیہ بے تابانہ چلے آ رہے تھے۔ میاں چنوں سے میاں رجب نامی رنگریز مع دختران کم سن بغرضِ پرسشِ طبعِ اقدس ملتان حاضرِ خدمت ہوا۔ موصوف ایک ضعیف اور غریب آدمی تھا۔ چونکہ حضرت اقدس نادار لوگوں کو اکثر کرایہ وغیرہ عنایت فرما دیا کرتے تھے۔ اور کھانا بھی لنگر سے مل جایا کرتا تھا۔ اس خیال کے پیشِ نظر ایک ہی طرف کا کرایہ بنا کر حاضر ہوا۔ اُن دنوں آپ نہایت تکلیف سے

دوچار تھے اور تمام خدام بھی بہت بے قرار تھے۔

صورتِ حالات کی نزاکت کے پیشِ نظر موصوف بغیر کرایہ واپسی طلب کیے واپس چلا گیا۔ گاڑی لیٹ تھی لہٰذا وہ بچوں سمیت ریلوے اسٹیشن ملتان پر ایک جگہ آرام و انتظار کرنے لگا۔ گاڑی کچھ زیادہ لیٹ ہو گئی۔ اور وہ پریشان حال بچوں سمیت سو رہا۔ ابھی کچھ زیادہ دیر نہ گزری تھی۔ اس کی بڑی لڑکی جاگ اٹھی۔ اس نے اپنے ابا کو جگایا کہ حضرت اقدس تشریف لائے ہیں۔ لڑکی کے ہاتھ میں نقد رقم دیکھ کر اُس نے حقیقتِ حال دریافت کی۔ تو لڑکی نے بتایا۔ کہ یہ رقم حضرتِ اقدس نے زادِ راہ کے طور پر عنایت فرمائی ہے۔ اس سے بچوں کو کھانا کھلایا اور گاڑی آنے پر ٹکٹ لے کر گاڑی میں سوار ہوا اور واپس چلا گیا۔

اصحابِ ثلاثہ کے گستاخ کی سزا

صوفی محمد رمضان صاحب کیف سکنہ کوٹ سلطان ضلع مظفر گڑھ بیان کرتے ہیں کہ میرے ایک دوست ایک نابینا شخص سے کافی اُنسیت رکھتے تھے۔ وہ نابینا اکثر بزرگانِ دین کا کلام سنایا کرتا۔ جس سے اس کے صاحبِ نسبت ہونے کا گمان ہوتا اور ہم لوگ اُسے صاحبِ نسبت خیال کرنے لگے۔ ایک رات حضرت قبلہ کے دیدارِ فیض آثار سے مشرف ہوئے۔ فرمایا۔ اُس (نابینا شخص) کی حالت دیکھ لو۔ ہمیں اپنے سامنے ایک ہیبت ناک ریچھ نظر آیا۔ ہم نے لاحول ولاقوۃ پڑھ کر خلاصی پائی۔

چند روز بعد معلوم ہوا کہ وہ نابینا اصحابِ ثلاثہ کا گستاخ تھا اور پیٹ پرستی کے لیے ہر روپ دھار لیا کرتا تھا۔

جناب صاحب زادہ محترم محمد عبداللطیف صاحب بیان فرماتے ہیں۔ ۱۹۴۹ء میں والدہ ماجدہ بہت زیادہ بیمار ہو گئیں۔ قبلہ والد ماجد انھیں بغرضِ علاج معالجہ

لاہور لے گئے۔ جہاں چودھری فیروز الدّین صاحب کے مکان واقع مصری شاہ لاہور قیام فرمایا۔ حکیم نیّر واسطی سے علاج کرایا۔ دورانِ علاج ایک رات والدہ ماجدہ نے بحالتِ بیداری دیکھا کہ ان کے سر کی کھوپڑی کی ہڈی چار حصّوں میں منقسم ہو گئی ہے اور ساتھ ہی جسم کے تمام اعضا الگ شدہ نظر آئے۔

دریں اثنا۔ آسمان سے ایک نہایت چمکدار ستارہ نیچے اپنی طرف آتا ہُوا نظر آیا۔ یہ منظر دیکھ کر وہ گھبرا گئیں۔ پاس ہی ایک چارپائی پر قبلہ والد ماجد سوئے ہُوئے تھے۔ گھبراہٹ کے عالم میں اُنھیں بھی نہ جگا سکیں۔ جب ستارہ والدہ ماجدہ کے قریب آگیا تو انھوں نے دیکھا کہ وہ حضرت قبلہ (تاج الاولیاء) تھے۔ حضرت قبلہ نے سب سے پہلے اُن کے سر کی ہڈی کو اپنی ہتھیلیوں سے درست فرمایا۔ بعد ازاں تمام اعضاء کو از سرِ نو درست فرمایا۔ اسی دوران میں والدہ ماجدہ نے جلدی کر کے اپنے ایک دانت پر اُنگلی رکھ کر عرض کیا۔ یہ دانت بھی درست فرما دیجیے۔ والدہ ماجدہ کا اتنا فرمانا تھا کہ حضرت قبلہ غائب ہو گئے۔ اور وہ دانت اپنی صحیح جگہ فِٹ نہ ہُوا۔ جسے بعد میں نکلوانا پڑا۔ اگر والدہ ماجدہ جلدی کا مظاہرہ نہ کرتیں تو وہ دانت بھی حضرت قبلہ اپنی صحیح جگہ فِٹ کر دیتے۔ صبح کو اُنھوں نے خُود کو بالکل تندرست پایا اور گھر واپس آگئیں۔

مافی الضمیر پہ اطلاع

عُرس شریف کے موقع پر بمقام نصیر آباد چھاؤنی بعد محفلِ سماع آپ گدی شریف پر رونق افروز تھے۔ اور میں (حضرت قبلۂ عالم پیر غلام محمد شاہ صاحب) دبا رہا تھا۔ میں آپ کے اس قدر نزدیک تھا۔ جیسا کہ میں آپ کی گود میں ہوں۔ دریں اثناء خیال گزرا کہ جیسا اب میں حضرت کے نزدیک ہوں قیامت کو بھی ایسا ہی رہوں گا۔ آپ نے میری پیٹھ پر تھپکی دے کر فرمایا۔ "تم شیر کے بچے ہو تمھیں کیا ڈر۔"

دوسرا واقعہ

بھائی کاظم خاں مرحوم کی دلی تمنا تھی۔ کہ حضور (حضرت قبلہ تاج الاولیاؒ) میرے بنگلہ پر جلوہ افروز ہوں لیکن اظہار مدعا کی کسی کو جرأت نہ ہوئی۔ انتظام میرے (حضرت قبلہ عالم پیر غلام محمد شاہ صاحب) بنگلہ پر تھا۔ میرا بنگلہ کاظم خاں کے بنگلہ سے پہلے آتا تھا۔ آپ نے آگے جاکر کاظم خاں کے بنگلہ کے قریب پہنچ کر فرمایا۔ کاظم خاں تمہارا بنگلہ کہاں ہے؟ کاظم خاں نے عرض کیا حضور یہ سامنے ہے۔ آپ نے وہاں قیام فرماکر ان کی دلی تمنا پوری فرمائی۔

حضرت قبلۂ عالم سرکار تاج الاولیاءؒ کے

خُلفاءِ مجاز

حضرت اقدس قبلۂ عالم سرکار تاج الاولیاءؒ کے خلفائے نامدار کی صحیح تعداد شاید ہی کسی کو معلوم ہو۔ البتہ جن حضرات کا علم ہو سکا، اُن کے اسمائے گرامی ذیل میں درج کیے جاتے ہیں :-

۱۔ حضرت مولینا میر سید محمد احمد صدیق قاتل لکھنوی ثم اجمیری مرحوم مزار شریف میدان عید گاہ کراچی۔

۲۔ حضرت مولینا عبدالقیوم معروف بہ قیوم میاں شاہ مرحومؒ ساکن پیاگن ضلع اجمیر (بھارت)

۳۔ حضرت مولینا سید ہادی علی شاہ صاحب مرحوم محلہ بیگن گنج کانپور (بھارت) مزار شریف ناظر باغ کانپور۔

۴۔ حضرت مولینا نور محمد صاحب معروف بہ نوری بابا مرحوم نصیر آباد ضلع اجمیر مزار شریف متصل سوریا سینما بمبئی (بھارت)

۵۔ حضرت مولینا عبدالعزیز صاحب مرحوم   گنج الہ آباد مزار شریف الہ آباد (بھارت)

۶۔ حضرت مولینا فرید میاں صاحب نصیر آبادی متصل تانگہ اسٹینڈ حیدر آباد سندھ (پاکستان)

۷۔ حضرت قبلہ جناب پیر شاہ مستان صاحب سکنہ چک ۱۴۳/۸-R تحصیل خانیوال ضلع ملتان (پاکستان)

۸۔ حضرت قبلہ جناب پیر غلام محمد شاہ صاحب کوٹھی ۴۲/۷۔ ایف سٹلائٹ ٹاؤن راولپنڈی۔

ل مزار شریف ادوے پور (بھارت)

۹۔ حضرت قبلہ جناب پیر علیم الدّین شاہ صاحب مرحوم بلند شہر مزار شریف بلند شہر (یو۔پی) بھارت
۱۰۔ حضرت مولینا احمد مختار شاہ صاحب مرحوم مزار شریف قنوج (یو۔پی) بھارت
۱۱۔ حضرت مولینا عبدالصمد شاہ صاحب تسلیم مرحوم مزار شریف حیدر آباد۔ سندھ (پاکستان)
۱۲۔ حضرت مولینا سیّد صابر علی شاہ صاحب مرحوم مزار شریف ناظر باغ کانپور (بھارت)
۱۳۔ حضرت مولینا دیوان حفیظ الدّین صاحب مرحوم، مزار شریف نصیر آباد (اجمیر شریف)
۱۴۔ حضرت مولینا صوفی عبدالرب صاحب مرحوم، مزار شریف بیاور ضلع اجمیر (بھارت)
۱۵۔ حضرت مولینا صوفی محمد حسین صاحب مرحوم، مزار شریف بیاور ضلع اجمیر (بھارت)
۱۶۔ حضرت مولینا صوفی الٰہی بخش صاحب مرحوم مزار شریف کراچی (پاکستان)
۱۷۔ حضرت مولینا حافظ سراج الدّین صاحب مرحوم، مزار شریف نامعلوم
۱۸۔ حضرت مولینا سیّد حامد علی شاہ صاحب جلالی مرحوم، مزار شریف کراچی (پاکستان)
۱۹۔ حضرت مولینا سیّد حفیظ اللہ شاہ صاحب مرحوم، مزار شریف اوکاڑہ ضلع ساہیوال (پاکستان)
۲۰۔ حضرت مولینا سیّد محمود علی شاہ صاحب عرشی مرحوم، مزار شریف اجمیر (بھارت)
۲۱۔ حضرت مولینا محمّد سلیمان صادق احمد آبادی نصیر آباد (اجمیر شریف)
۲۲۔ حضرت مولینا محمّد سلیم الدّین صاحب سکنہ رائے ونڈ ضلع لاہور
۲۳۔ حضرت مولینا معین الدّین صاحب محشر ضلع گیا (صوبہ بہار) بھارت
۲۴۔ حضرت قبلہ صاحبزادہ جناب حکیم علی احمد شاہ صاحب معروف بہ علاءالدین مرحوم، مزار شریف بمقام لکّی نو نواح شورکوٹ، ضلع جھنگ (پاکستان)
۲۵۔ حضرت قبلہ جناب صاحبزادہ عبدالستار شاہ صاحب تیغ مرحوم مزار شریف بمبئی بھارت

۲۶۔ حضرت مولٰنا جناب صاحبزادہ محمد عبدالرؤف شاہ صاحب نیر مرحوم مزار شریف جیون ھانہ گارڈن ٹاؤن فیروز پور روڈ، لاہور

۲۷۔ حضرت مولٰنا جناب بشیر احمد صاحب شہید، مزار شریف ہردوے پور (بھارت)

۲۸۔ حضرت مولٰنا جناب فیض محمد شاہ صاحب مرحوم مزار شریف فتنی ضلع اجمیر (بھارت)

۲۹۔ حضرت مولٰنا غلام زکریا صاحب حیدر آباد سندھ (پاکستان)

۳۰۔ حضرت مولٰنا حکیم محمد صدیق صاحب مرحوم، مزار شریف الہ آباد (بھارت)

۳۱۔ حضرت مولٰنا حکیم محمود علی خاں صاحب مرحوم، مزار شریف سکندر آباد ضلع بلند شہر

۳۲۔ حضرت مولٰنا فیاض محمد شاہ صاحب مرحوم، مزار شریف کانپور (بھارت)

۳۳۔ حضرت مولٰنا ضیاء الحسن صاحب مرحوم، مزار شریف ۲۰۔ گنگ روڈ الہ آباد

۳۴۔ حضرت مولٰنا نذر محمد صاحب مرحوم، مزار شریف بمبئی (بھارت)

۳۵۔ حضرت مولٰنا ابوالخیر شاہ صاحب ضلع پٹنہ (بنگال)

۳۶۔ حضرت مولٰنا ضیاء الدین شاہ صاحب سکنہ بھیں ضلع جہلم (پاکستان)

۳۷۔ حضرت مولٰنا عبداللہ میاں شاہ صاحب کراچی (پاکستان)

۳۸۔ حضرت مولٰنا جناب محبوب رضا صاحب محبوب حیدر آباد سندھ (پاکستان)

۳۹۔ حضرت مولٰنا مفتی عبدالواحد صاحب مرحوم، مزار شریف لاہور (پاکستان)

۴۰۔ حضرت مولٰنا ڈاکٹر عبدالعزیز صاحب مرحوم، مزار شریف بمقام شیر گڑھ ضلع ساہیوال (پاکستان)

۴۱۔ حضرت مولٰنا حاجی گلزار محمد صاحب لائل پور (پاکستان)

۴۲۔ حضرت مولٰنا جمال احمد قنوج ضلع فرخ آباد (یو۔پی) بھارت

۴۳۔ حضرت مولٰنا مولوی قمر الدین صاحب سکنہ مولوی والہ تحصیل دھاڑی ضلع ملتان

۴۴۔ حضرت مولٰنا محمد یوسف صاحب مرحوم، مزار شریف ٹنڈو آدم سندھ (پاکستان)

۴۵۔ حضرت مولٰنا جناب محمد سعید صاحب واہ کینٹ (پاکستان)

۴۶۔ حضرت مولٰنا جناب بابو امیر احمد صاحب کیمبل پور (پاکستان)

۴۷۔ حضرتِ مولینا جناب راجہ خان صاحب سکنہ رسول ضلع گجرات (پاکستان)

۴۸۔ حضرت مولینا غیاث الدین شاہ صاحب قاسم کراچی (پاکستان)

۴۹۔ حضرت مولینا عبداللہ شاہ صاحب سکنہ رسول (گجرات) پاکستان

۵۰۔ حضرت مولینا جناب منشی عبدالمجید صاحب غازی سکندر آباد ضلع بلندشہر (یوپی)

۵۱۔ حضرت مولینا حاجی محمد اسحاق صاحب کراچی (پاکستان)

۵۲۔ حضرت جناب صوفی محمد رمضان صاحب کیف سکنہ کوٹ ضلع مظفر گڑھ (پاکستان)

سلسلہ ملفوظاتِ طیّبات

اجازت و خلافت جناب "تاج الاولیاء"

حضرت قبلہ جناب "تاج الاولیاء" کو اپنے پیر و مُرشد کی طرف سے "خلافت" ایک نوازش نامہ کے ذریعہ عطا ہوئی تھی۔ ذیل میں اُس نوازش نامہ کی نقل درج کی جاتی ہے۔ و ہو ہذا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ؕ

عزیزم محمد عبد الشکور

بعد سلام و دُعا کے واضح ہو کہ ہمارے پیر و مُرشد کی طرف سے آپ کو خلافت و اجازت ہے۔ اگر کوئی طالبِ حق آئے تو اُس کو تعلیم کر دو۔ اور سلسلہ میں داخل کر کے توبہ بھی کرا سکتے ہو۔

طریق توبہ کا یہ ہے :۔

امنت باللہ و بما جاء من عند اللہ و علیٰ مُراد اللہ و امنت برسول اللہ و بما جاء من عند رسُول اللہ و علیٰ مُراد رسُول اللہ اللّٰھُمّ انی تبرأۃ من جمیع الادیان و العصیان و اسلمت الان اشھد ان لا الٰہ الا اللہ و اشھد ان محمّداً عبدہٗ و رسُولہ۔

ہم ایمان لائے اللہ تعالیٰ پر، فرشتوں پر، جنت و دوزخ پر، کتابوں پر، فرشتوں پر، پُل صراط اور میزانِ حساب پر اور قبول کیے تمام احکام اللہ تعالیٰ کے اور رسُول اللہ کے اور توبہ کی سب گناہوں سے۔ اللہ تعالیٰ میری اس توبہ کو قبول فرما اور اسی توبہ پر قائم رکھ۔

میں نے بنا بتاً پیر و مُرشد کی طرف سے سلسلۂ عالیہ قادریہ میں مُرید کیا تُم نے قبول کیا۔ یہ اقرار تین مرتبہ لینا چاہیے۔ بعدہٗ فاتحہ۔

اِسی کو تُم اپنا اجازت نامہ سمجھو۔ اور ہمارے مریدان سلسلہ کو واضح ہو کہ وہ بجائے

ہمارے عبدالشکور کی تعلیم پر عمل کریں۔ جو کچھ دریافت کرنا ہو اُن سے کریں۔ مجھ میں اور اُن میں کچھ فرق نہ سمجھیں۔ فقط۔

فقیر محمد نبی رضا شاہ
از صدر بازار، لکھنؤ -
۲؍ شعبان - یوم جمعہ

ارشاداتِ عالیہ کے سلسلے میں حکیم محمود علی خاں صاحب ساکنہ سکندر آباد (یو پی) نے اپنے روزنامچہ میں "نسبت" سے متعلق حسبِ ذیل ارشادِ گرامی تحریر کیا ہے:

ملفوظ نمبر ۱

"۲۷ مارچ ۱۹۴۶ء کو شب کے وقت بارگاہ عالیہ میں حاضری نصیب ہوئی۔ معارف آگاہ صوفی غلام محمد شاہ صاحب خلیفہ دربارِ عالی و واقفِ اسرارِ حقیقت و رموزِ طریقت جناب حضرت صاحبزادہ محمد عبدالستار صاحب سجادہ نشین دربارِ عالیہ بھی تشریف فرما تھے۔

حضرت قبلۂ عالم جناب تاج الاولیا "روحی فداہ" زنانہ سے مردانہ میں تشریف لائے۔ میرے استفسار پر حضرت قبلۂ عالم نے فرمایا "نسبت ہی ایک ایسی چیز ہے کہ جس کے قیام سے تمام منازل طے ہو جاتی ہیں۔ یہی فقیری کی اور تصوف کا سرمایہ ہے۔ یہی اللہ تعالیٰ اور رسولِ اکرم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم تک پہنچنے کا ذریعہ ہے۔ محبت اور قربت اسی سے حاصل ہوتی ہے معقول اور منقولی طور سے یہ مدلّل ہے۔ اس کے دلائل پیش کیے جا سکتے ہیں۔ مشائخین علیہ الرحمت کے اقوال اور افعال بھی اس کی سند میں پیش کیے جا سکتے ہیں۔ آثارِ صحابہ رضوان اللہ تعالےٰ علیہم اجمعین سے یہی ثابت ہوا۔ یہی معمول رہا ہے۔ ہماری بھی یہی تحقیق ہے۔ ہم کو بھی ایسا ہی ثابت ہوا۔

نسبت نائب کے ذریعے حاصل ہو سکتی ہے۔ بے واسطہ نسبت کا قائم ہونا دشوار ہے یہی قانونِ قدرت ہے۔" ان الحکم الا للّٰہ" قرآن میں وارد ہے۔ یعنی حکومت صرف اللہ کے لیے ہے۔ حاکم صرف وہی ہے۔ اسی کا ہر حکم ماننے کے قابل ہے۔ یہ ہے وہ عقیدہ جو ہر مسلمان نفسیاتی حیثیت سے ماننے کو مجبور ہے۔ پیدائشی حیثیت سے ہر انسان سیکڑوں زنجیروں

اور ہزاروں بندھنوں سے جکڑا ہُوا ہے۔ حاکمِ وقت کا محکوم۔ ہر طاقت وَر شے کا محکوم۔ خاندان اور قبیلہ کا محکوم ہر خوفناک شے سے خوفزدہ۔ غرض کہ ہر وہ شئے اور ہر وہ شخص کہ اقتدار آور اختیار سے باہر کا محکوم بنا ہُوا ہے۔ اِس عقیدے سے ہر ایک سے رِہائی پائی۔ اور اب وُہ صرف ایک کا محکوم ہے۔ اُسی کے تحت کے تحت والدین، حاکمِ وقت، خاندان اور قبیلہ سے واسطہ اور تعلق رکھتا ہے۔ باقی رشتے اور تعلق ماسوا کے منقطع ہوگئے۔ حکومتِ الٰہی تسلیم کرنے کا صرف ایک ہی طریقہ ہے کہ اس کے دیئے ہُوئے احکام پر عمل اور قاعدے پر پابندی کر لی جائے جس کی تابعداری اور اطاعت کا اس نے حکم دیا ہے۔ کماحقہٗ تسلیم کرکے اُس کی بجا آوری کی جائے۔

اِنّی جاعلٌ فی الارض خلیفہ۔ یعنی کہ میں زمین میں نائب یا خلیفہ بنانے والا ہُوں اور حضرت ابوالبشر آدم علیہ السلام اس دنیا میں تشریف لائے اور نیابت کا فرض ادا کیا۔ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت خاتم النبیین محمد رسول اللہ تک برابر یہ نیابت چلی آرہی ہے کہ جس پر تمام اُمّت کا اِتفاق ہے۔ کسی مولوی، کسی عالم، کسی درویش یا فقیر کو انکار کی مجال نہیں۔

ختمِ نبوت کے بعد یہ سلسلہ حضرات اولیاء اللہ کے ذریعے سے جاری و ساری ہے۔ حدیث شریف " العلماء ورثۃ الانبیاء" یعنی علماء نبیوں کے وارث ہیں اور قرآنِ پاک کے حکم " واطیعوا اللہ واطیعوا الرسول و اولو الامر منکم" میں اسی طرف اشارہ ہے

حاصلِ کلام یہ ہُوا کہ انبیاء وارثِ خُدا ہیں اور عُلمائے شیخین وارثِ انبیاء ہیں۔ اُس (اللہ تعالیٰ) کے حکم سے بجا آوری، تابعداری، وفاداری اور اطاعت شعاری سب کچھ نائبوں کے ذریعے ہی سے کی جا سکتی ہے اور نائبوں کی اطاعت و فرماں بَرداری اور سب کچھ نائب ہی کے ذریعے کیا جاتا ہے۔ لہٰذا بغیر نائب کے چارہ نہیں۔ اسی پر دار و مدار ہے۔ یہی اسلوبِ فطرت ہے اور یہی قانونِ قدرت ہے۔

نائبِ رسول کی تابعداری رسُول کے لیے کی جاتی ہے اور رسُول کے حکم کی بجا آوری خُدا کے لیے کی جاتی ہے اور سب کچھ بغیر محبت نہیں ہو سکتا اور محبت بغیر عینیت کے نہیں ہوتی پھر بھی نائب ہی کی طرف رجوع کرنا پڑتا ہے۔ کما قال عارف رومی ؎

چوں تو ذاتِ پیر را کردی قبول
ہم خدا در ذاتش آمد و ہم رسول

محبت پیدا ہونا اور محبت پیدا کرنا دو طرح پر ہے۔

(۱) فعلِ اضطراری (۲) فعلِ اختیاری

نفس کی خواہش اور غلبہ سے ایک طلب خود بخود پیدا ہو جاتی ہے۔ یہ اضطراری ہے اور دوسری جان بوجھ کر اپنی کوشش اور سعیٔ بلیغ سے پیدا کی جاتی ہے۔ یہ اختیاری ہے مثلاً یوں تصور کرو کہ کسی حسین چیز کو دیکھ کر غلبۂ خواہش کے تحت ایک طلب پیدا ہو جاتی ہے۔ یہ فعل اضطراری ہے۔

دوسرے یہ کہ کسی کے اعمالِ حسنہ اور عمدہ عادات و خصائل دیکھ کر طلب پیدا کی جاتی ہے۔ یہ فعل اختیاری ہے۔

ایک کو مجاز کہہ سکتے ہیں اور ایک کو حقیقت؛ اسی طلب کو محبت کہتے ہیں۔ جب طلب غیر محدود ہو جاتی ہے تو مدہوشی اور بے خودی پیدا کر دیتی ہے۔ اُس وقت طالب کو مطلوب سے ایک خاص تعلق پیدا ہو جاتا ہے۔ جس کو رابطہ کہتے ہیں۔ رابطے سے ترقی کرنے پر محبت قائم ہو جاتی ہے اور اسی کا نام عشق ہے۔ اس کے استحکام سے افعالِ حسنہ اضطراری طور پر سرزد ہوتے ہیں۔ اس مقام پر مطلوب کے اطوار و خصائل طالب میں نمایاں طور پر پلٹنے جاتے ہیں۔ اس وقت بتدریج انسان "تخلقوا باخلاق اللہ" سے متصف ہو جاتا ہے۔ اب انسان خلیفۃ اللہ فی الارض کا مرتبہ حاصل کر کے حقیقی معنوں میں نائبِ رسول ہو جاتا ہے۔ پھر اُس کی یہ شان ہوتی ہے ؎

گفتۂ او گفتۂ اللہ بود
گرچہ از حلقوم عبداللہ بود

اسی کے لیے مجاہدے کرائے جاتے ہیں۔ ذکر اور فکر سے کام لیا جاتا ہے۔ اوراد و اشغال کی تعلیم دی جاتی ہے۔ غرض جو کچھ کرایا جاتا ہے۔ اسی ایک "نسبت" کے لیے اسی ایک تعلق و واسطہ کے لیے۔ اگر یہ مکمل ہو گیا تو سب کچھ ورنہ کچھ بھی نہیں ؎

یقینِ محکم، عمل پیہم، محبت فاتحِ عالم
جہادِ زندگانی میں ہیں یہ مردوں کی شمشیریں (اقبالؒ)

بس ایک "نسبت" ہی "مقصود" ہے۔ نسبت حاصل ہونے سے اِنسان خُدارسیدہ ہو جاتا ہے۔ ذِکر و اشغال وغیرہ سب ضمنی چیزیں ہیں ؎

اسم گر خوانی مسمّیٰ را بجو
بے مسمّیٰ کے گردوں کو (رومی)

ملفوظ نمبر ۲

تصوّرِ شیخ

۲۸ مارچ ۱۹۴۶ء کو عصر کے وقت فرمایا: "ہمارا اصُول کسی فرقہ یا گروہ پر حملہ کرنا نہیں ہے۔ ہمارا اصُول تو اپنے مذہب اور سلسلے کی صداقت بیان کرنا ہے۔ ہم اسی کو پسند کرتے ہیں۔ اِس سے خُود بخُود حق و باطل کا اِمتیاز ہو جاتا ہے۔ کسی دُوسرے کی دِل شکنی و دِل آزاری ہمارا شیوہ نہیں ہے اور نہ ہی ہم نے اِس کو مفید پایا ہے۔ جب تک اصُول و عقائد میں اِختلاف نہ ہو۔ فروعی مسائل میں ہم خاموش ہی رہتے ہیں۔ فروعی اِختلافات ہمارے نزدیک کوئی زیادہ اہمیت نہیں رکھتے۔ لیکن اصُولی اختلاف میں ہم بے باکی سے اس پر تنقید و تبصرہ کرتے ہیں تاکہ احقاقِ حق اور ابطالِ باطل کا انکشاف ہو جائے۔ ہمیں ایسی تبلیغ اور اشاعت پسند نہیں ہے کہ جس سے مُسلمانوں میں اِفتراق پیدا ہو۔ ہمارے نزدیک مُسلمانوں کا اِتفاق و اِتّحاد بڑی گراں بہا شے ہے۔

عرض کیا گیا کہ تصوُّر کے متعلق علمائے ظاہر بڑے اعتراضات کرتے ہیں۔ کچھ ارشاد ہو۔ اس پر فرمایا:

"دُنیا کے اکثر کام دیکھنے اور سُننے سے ہی ہوتے ہیں اور یہی دستور ہے۔ اِنسان جس ماحول اور فضا میں پرورش پاتا ہے اور رہتا ہے۔ اسی ماحول سے متاثر ہو کر ایک خاص عادت اور مزاج کا حامل ہو جاتا ہے اور اِسی کو صحیح اور حق سمجھنے لگتا ہے اور یہ کیفیات نامعلوم حیثیت سے اِس میں سرایت کرتی ہیں۔ اِس طرح کہ اسے شعُور تک نہیں ہوتا۔ کسی خاص گروہ کا مزاج

عادات اور خصائل اس گروہ کے ہر فرد میں نمایاں ہوتی ہیں۔ اسی لیے حضرت رسُولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے: کل مولود یولد علی فطرۃ واحدۃ فابواہ یہودانہ وینصرانہ او یمجسانہ۔ یعنی ہر بچہ فطرتِ واحدہ پر پیدا ہوتا ہے۔ لیکن اس کے والدین اُسے یہودی، نصرانی یا مجوسی بنا دیتے ہیں۔ یہ ہے ماحول کا اثر۔

کسی درس گاہ، تربیت گاہ یا تعلیم ہی کے ذریعے اس کے عادات، مزاج و خصائل بنائے جا سکتے ہیں۔ چنانچہ قرآن پاک میں ارشاد ہے: کونو مع الصادقین۔ یعنی صادقین کی معیت اختیار کرو۔ معیت ایک ایسا جامع لفظ اختیار کیا گیا ہے کہ جس سے تمام شکوک و شبہات رفع ہو جاتے ہیں۔ مطلب یہ کہ صادقین کی صحبت اختیار کرو۔ یعنی ظاہر و باطن کی کامل پیروی کر کے صُورت و سیرت میں انھیں جیسے ہو جاؤ۔

اس حکم کی تعمیل حضراتِ سلاسل ہی خوب کر رہے ہیں کیونکہ ہر مرید کے واسطے اُس کا پیر یقیناً صادق ہوتا ہے۔ یہ اس کی پیروی اور اتباع کامل طور پر کرنے کی کوشش کرتا ہے اور یہ اُسوۂ حسنہ اور پیروی کامل مطابق حکمِ الٰہی ہو گی۔

اپنے پیر کی مشابہت پیدا کرنے میں تمام اعضاء جوارح دل و دماغ وغیرہ کو مشغول ہونا پڑتا ہے۔ حتیٰ کہ حواس خمسہ بھی مشغول ہو جاتے ہیں۔ آنکھیں، کان، ناک، دِل و دماغ اس قدر متاثر ہو جائیں کہ ان اعمالِ حسنہ کا صدور بے تکلف ہونے لگے۔ اور صادقین کی تمام صفات پیدا ہو جائیں۔ تب ہی "کونوا مع الصادقین" صادق آئے گا۔ واللہ یہدی من یشاء الی صراط مستقیم۔ اسی کو پیروی کامل اور اسوۂ حسنہ کہتے ہیں۔

ملفوظ نمبر ۳

تصوّرِ شیخ

۲۹ر مارچ ۱۹۴۶ء کو عصر کے وقت جناب [illegible] خانۂ مرد ۔نے میں تشریف لائے آج پھر تصور کے بارے میں گفتگو شروع ہوئی۔ بخاری شریف کی [illegible] حدیث تلاوت فرمائی۔

لا یومنوا احدکم حتی اکون احب الیہ من والدہ [illegible] والناس اجمعین۔ یعنی کوئی شخص تم میں سے مومن نہیں ہو سکتا جب تک وہ مجھ سے اپنے [illegible] اولاد اور تمام

لوگوں سے زیادہ محبت نہ کرے۔

اس حدیثِ مبارک کے معنی اور مطالب پر جب غور و فکر کیا جاتا ہے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ جب تک دل و دماغ میں محبت اس قدر اثر پذیر نہ ہو جائے کہ سوائے محبوب کے اور کسی کا خیال تک باقی نہ رہے۔ خیالِ محبوب کو ہر شے پر فوقیت حاصل نہ ہو جائے۔ کوئی پورا مومن نہیں ہو سکتا۔ مومنِ کامل اسی وقت ہوگا جس وقت محبوب کی محبت اُسے ہر چیز سے بے نیاز کر دے۔ حتیٰ کہ ماں باپ، بہن بھائی اہل و عیال، عزیز و اقارب، مال و دولت اور اپنی جان بھی محبوب کی محبت پر نثار کر دے۔ یہ کیفیت اور حالت اُس وقت تک حاصل نہیں ہو سکتی۔ جب تک ہر وقت، ہر لحظہ محبوب کے طرزِ گفتار، رفتار اور طریق ادا کا تصوّر نہ کیا جائے اور خود کو اس میں مشغول نہ رکھا جائے اور ان تمام اعمال میں تصوّر پیش پیش ہوگا۔

غرض حدیثِ بالا کی تکمیل کے لئے تصوّر لازمی اور ضروری ہے۔ بغیر اس کے ممکن نہیں کہ اُسوۂ حسنہ حاصل ہو سکے۔ لہٰذا تصوّر سے انکار فضول اور عبث ہے۔ غرض عادات و خصائلِ رذیلہ ترک کرنے کا اور اوصافِ حمیدہ اختیار کرنے کا اس کے اور کوئی طریقہ اور ذریعہ نہیں۔ غور کرو جب محبت کا غلبہ ہوگا تو محبوب ہی محبوب نظر میں ہوگا۔ محبّ کی نظر میں سوائے محبوب کے اور کوئی نہ ہوگا۔ اور جب یہ کیفیت ہو گی تو رات دِن محبّ کے خیال اور تصوّر میں محبوب ہوگا۔ اِس کا تجربہ مجازاً تھوڑا بہت ہر شخص کو ہوگا۔ یہ ایک فطری چیز ہے جو معقول و منقول ہر طرح سے درست ہے ؎

سمایا ہے میری نظر میں تو ایسا
جدھر دیکھتا ہوں اُدھر تو ہی تُو ہے

"العشق نار یحرق ماسوا المحبوب" اور حدیث شریف "مُوتوا قبل انت موتوا" اسی پر دال ہے کہ اپنے افعال و کردار اور اخلاقِ قبیحہ کو یہاں تک ترک کر دو اُن پر موت طاری ہو جائے اور یہ سب قطعی رفع ہو جائیں۔ ان کا شائبہ تک نہ رہے اور ان کی جگہ اخلاق و عادات حسنہ متمکن ہو جائیں۔ جو خدا و رسول صلّی اللہ علیہ وسلّم کے احکام کے ماتحت ہوں۔

اس تعلیم کے لیے شیخ کامل رہبرِ طریقت کی ضرورت ہے۔ شیخ کی توجہ اور مرید کی کوشش

سے یہ جذبہ اُبھرتا ہے اور اس کی تکمیل بغیر تصوّر کے ہو ہی نہیں سکتی۔ ؎

آنکھ اُن سے کیا لڑی مری دُنیا بدل گئی
اپنی نظر میں آپ ھی بیگانہ ہو گیا

اِک جنبشِ ابروئے دنیا ہی بدل ڈالی
نہ اپنا ھی رہا اپنا نہ اب بیگانہ، بیگانہ

اب ذرا سوچو کہ نصِ صریح اور نسبتِ رسُول کے اعتبار سے تصوّر کس قدر ضروری کارِ خیر ہے

احوالِ فنا ہی کو لے لو یہ اصفیاء کرام کے علاوہ علماء کے نزدیک بھی مسلّمہ ہے۔ افعال وصفات تک تو اُن کے نزدیک بھی درست ہے۔ افعال وصفات میں تغیّر تصوّر کے بغیر پیدا ہو ہی نہیں سکتا۔ فنا کے لفظی معنی نفئ خودی کے ہیں اور اصطلاحِ تصوّف میں فنا اُس مقام کا نام ہے۔ جہاں ماسوا سے رُخ پھیر کر اُسے بالکل بھول جاتا ہے۔ یہاں تک کہ اپنی ہستی کا بھی احساس باقی نہیں رہتا۔ ماسوا اللہ کی ذات سے ہٹ کر اللہ اللہ میں مست اور بے خود اور اللہ ہی کا نُور وظہور اس کی نظر میں ـــــ یہ سب محبت کا کرشمہ ہے۔ بغیر محبّت کوئی ان باتوں کی حقیقت کیا جانے۔ خواہ عالم ہی کیوں نہ ہو۔

بغیر تصوّر کے فنائیت میں قدم نہیں رکھا جا سکتا۔ اس کی شاہراہ ہی یہی ہے۔ پس معلوم ہوا کہ تصوّر سے نسبت اور نسبت سے فنائیت ہو سکتی ہے اور سالک راہِ سلوک طے کر سکتا ہے۔ ورنہ ناممکن ہے کہ کسی اور ذریعے سے افعال وصفات میں تغیّر واقع ہو۔ اور کوئی تکلّف باقی نہ رہے۔ جب تک کہ دماغی تجزیے سے یہ افعال سرزد ہوں گے۔ دِل کو بھی بہ تکلّف پابند کرنا پڑے گا اور علمائے ظاہر کی عبادات اسی پہ معمول ہیں۔ لیکن جب دِل کے مبتلا ہونے سے یہ افعال سرزد ہوں گے۔ بلا تکلّف ہوں گے۔ لطف وسُرور حاصل ہو گا۔ اِنسان کُونُوا مع الصادقین کا مصداق ہو جائے گا۔ اور حدیث " لا یؤمنوا احدکم " کی کیفیت اس میں موجود ہو گی۔ اب وہ صحیح معنوں میں مومن ہو گا۔

تصوّر دماغی کیفیات کے متوازن کرنے اور دل کو مؤثر کرنے کی ایک اعلیٰ ترکیب ہے۔

مشائخ رحمۃ اللہ علیہم کا یہی دستور اور عمل رہا ہے اور اسی سے فیوض و برکات حاصل ہوتے ہیں۔ دِل میں سوز و گداز پیدا ہوتا ہے۔ جذبۂ محبت غلبہ پاکر باعثِ قیامِ نسبت ہو جاتا ہے جیسا کہ فرمایا عارف رومی رحمۃ اللہ علیہ نے ؎

یک زمانہ صحبتے با اولیاء
بہتر از صد سالہ طاعتے بے ریا

تصوّر بھی باعثِ تصدیق ہوتا ہے۔ جو عالمِ برزخ سے متعلق ہونے کا ذریعہ ہے۔ فنائیتِ شیخ کے لیے جہاں اعضاء و جوارح کو مقید کرنا پڑتا ہے۔ وہاں دماغ اور دِل کو بھی اُسی طرف لگانا پڑتا ہے اور اس کا سب سے اچھا طریقہ تصوّر ہے۔ بہرحال جس ترکیب کو بھی اختیار کیا جائے گا۔ اُسے تصوّر ہی کہا جائے گا۔ تصوّر اور تخیل سے خارج دماغ کا کوئی فعل ہی نہیں ہے اور نہ ہو سکتا ہے۔ کونوا مع الصادقین اس سے پورا ہوتا ہے۔ پس ثابت ہوا کہ تصوّر دماغی توازن درست کرنے کا نام ہے اور اس سے دِل متکیف ہو کر قیامِ نسبت کا سبب بن جاتا ہے۔ صاحبِ سلوک زیادہ تر اسی شغل سے کامیاب ہوتے ہیں۔

تاثراتِ عشق

۲۰ جنوری ۱۹۴۹ء بمقام کوٹھی نمبر ۶ گارڈن ٹاؤن لاہور میں میاں گل محمد مست (مرحوم) نے حاضرِ خدمت ہو کر دنیوی تکالیف اور گردشِ ایام کا عذر پیش کیا اور کہا کہ جناب ان وجوہ کی بنا پر دیر سے حاضر ہوا ہوں۔ اس پر ارشاد ہوا :۔

گردشِ ایام کیا ہے؟ یہ تاثراتِ عشق ہیں، صبر و شکر سے رہنا چاہیے۔ طالبِ حق کو اس قسم کے خیالات سے ہوشیار رہنا مناسب ہے۔ دِل کی نگہبانی اس طرح پر ہو کہ ماسوا اللہ کا گزر تک نہ ہو سکے۔ عشق و محبت کا راستہ بہت نازک ہے اور خیالاتِ غیر باعثِ حجاب بن جاتے ہیں۔ قرآنِ کریم میں حق تعالیٰ نے صبر کرنے والوں کو اپنی معیت کی خوشخبری سُنائی ہے۔ "إِنَّ اللهَ مَعَ الصَّابِرِينَ"۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی معیت اپنے عام بندوں کے ساتھ عام اور خواص کے ساتھ خاص ہوا کرتی ہے۔ اس کی زیادہ وضاحت کی ضرورت

نہیں ہے۔ فرقِ مراتب بھی منجانب اللہ تعالیٰ ہی ہے اور اللہ تعالیٰ نعمت صبر و شکر بھی جسے چاہے بخش دے۔ یہ اُس کی عنایت ہے۔

ارشاد کے دوران میاں گل محمد صاحب موصوف اُٹھ کر کھڑے ہو گئے اور دست بستہ زار و قطار گریہ کناں اپنے مخصوص لہجہ میں مترنم آواز سے مندرجہ ذیل شعر پڑھنے لگے ؎

شنیدم کہ در روز امید و بیم
بداں را بہ نیکاں ببخشد کریم

پیر کی خدمت وسیلۂ قُربِ حق ہے

آنجناب رحمت مآب سراپا گریاں دکھائی دے رہے تھے۔ حاضرینِ مجلس بھی ماہیٔ بے آب کی طرح رقت و گریہ میں تڑپتے نظر آرہے تھے۔ کافی دیر تک یہ کیفیت رہی۔ بعدہٗ فرمایا:

پیر و مُرشد کی خدمت میں حاضری دیتے رہنا چاہیے۔ حاضری باعثِ تزکیۂ نفس اور تصفیۂ قلب ہوتی ہے اور تکمیلِ منازل کا باعث بھی ہوتی ہے۔

نوافل سے قُربِ حق حاصل ہوتا ہے اور پیر و مُرشد کی خدمت کرنا اور حاضری میں رہنا بھی نفلی عبادت ہے۔ لہٰذا یہ بھی وسیلۂ قُربِ حق ہے۔ خدمت بجا لانے میں کوئی لالچ یا طمع نہیں ہونا چاہیے۔ لُطف یہ ہے کہ پیر کامل ہو اور مرید عامل ہو۔ یہ بات بھی ذہن میں رکھنی چاہیے کہ مرید کی حالت پیر کے ہاتھ میں ہوتی ہے اور پیر کا ہاتھ ہر جگہ پہنچ سکتا ہے۔ پیرِ کامل کے دستِ حق پرست پر بیعت درحقیقت دستِ قدرت پر بیعت ہے۔ پیرِ کامل کی ظاہر اور باطن کی اتباع ہی حاصلِ منزلِ مقصود ہے۔ ؎

اثر یہ ہے کہ قُطب الدینؒ فریدالدینؒ نظام الدینؒ ہر اک اِن میں کا خواجہ بن گیا خواجہ پرستی میں

پہلے پیر کامل کا وسیلہ پھر مجاہدہ

طالبِ حق کو اوّل پیر کامل کا دامن مضبوطی سے پکڑنا چاہیے۔ پھر راہِ خدا میں مجاہدہ کرے

قرآنِ کریم میں یہ امر بالتشریح موجود ہے اور اہلِ ایمان کو خطاب فرمایا گیا ہے۔ کہ اوّل وسیلہ اور پھر مجاہدہ اختیار کریں تاکہ فلاح پائیں اور یہی طریقہ منعم علیہ ہے۔ تمام اولیائے کرام اور علمائے محققین نے یہی طریقہ اختیار کیا ہے اور کامیاب ہوتے ہیں۔ وسیلہ سے مراد بالتحقیق پیرِ کامل صاحبِ نسبت ہی ہے۔ آیۂ کریمہ یاایھا الذین اٰمنوا اتقوا اللّٰہ وابتغو الیہ الوسیلۃ وجاھدوا فی سبیلہٖ لعلکم تفلحون۔" کی دلالت اسی طرف ہے۔

مختصر حالات و واقعات سیّدنا

امیر ابوالعلاؒ

۴ ۲ر جنوری ۱۹۴۹ء بمقام گارڈن ٹاؤن بموقع عرس شریف فرمایا۔

پاکستان آنے کے بعد آج پہلا عرس ہو رہا ہے۔ بفضلِ خدا اجتماعِ کثیر موجود ہے۔ پھر فرمایا:

ہم وہی بیان کیا کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ بیان کرا دے۔ آج دل میں حضرت سیّدنا امیر ابوالعلا علیہ الرحمۃ کے ذکرِ خیر کا درود مسعود ہے۔ حضرت سیّدنا امیر ابوالعلا رحمۃ اللہ علیہ معزز و مکرم خاندانِ سادات سے تعلق رکھتے تھے۔ شاہ جہان کے عہدِ حکومت میں جلوہ افروزِ عالم تھے۔ آگرہ میں مزار شریف مرجع عوام و خاص ہے۔ آپ شاہ جہان کے وزراء میں سے تھے۔ ایک مرتبہ تیر اندازی ہوئی اور ما بعد دورِ شراب نوشی کا اہتمام کیا گیا۔ آپ بادشاہ کے قرب میں جلوہ افروز تھے۔ آپ نے نظر بچا کر جامِ شراب اُلٹ دیا۔ مگر اتفاق سے بادشاہ کی نظر پڑ گئی۔ دوسرے دور میں بادشاہ نے خود ساقی کے فرائض سنبھال لیے اور شراب نوشی کا دور شروع ہوا۔ آپ نے پھر نظر بچا کر جام اُلٹنے کی سعی کی۔ مگر بادشاہ ترچھی نظر سے موقع کی تلاش میں تھا۔ غضب ناک ہو کر کہا۔ "تم غضبِ سلطانی سے نہیں ڈرتے ہو؟" آپ نے فوراً اُٹھ کر دونوں ہاتھ شانوں تک اٹھاتے ہوئے فرمایا۔ تم غضبِ رحمانی سے نہیں ڈرتے۔ ناگہاں دو ببر شیر گرجتے ہوئے نمودار ہوتے اور آپ ہاتھوں کی اوٹ میں بکمال بدلیستہ

منتظرِ حکم کھڑے رہے۔ یہ منظر دیکھ کر جملہ حاضرین بھاگ نکلے۔ مابعد آپ نے اشارہ سے شیروں کو غائب ہو جانے کا حکم دیا اور خود اجمیر شریف کا سفر اختیار فرمایا۔ اجمیر شریف پہنچ کر درگاہِ معلّٰی حضرت خواجہ غریب نواز میں مقیم ہو گئے۔ مزار شریف پر حاضری کے وقت یہ کلمات ادا فرماتے: "حضرت! آپ ہمارے نانا محبوبِ خدا صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی دولت لیے آرام فرما ہیں۔ ہمارا بھی کچھ حصّہ ہو تو عنایت فرمائیں۔" بالآخر ایک دن مایوس ہو کر وہاں سے ارادۂ سفر کیا اور چل دیے۔ ابھی تھوڑا ہی فاصلہ طے کیا تھا کہ دل نے از حد مجبور کیا اور واپس آ گئے۔ معلوم ہوتا ہے کہ دل کا فیصلہ بھی صحیح ہوا کرتا ہے اور منجانب اللہ تعالیٰ ہونے والے کام کے آثار بھی ظہور پذیر ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ آپ حضرت سیّدنا خواجہ بزرگ کے آستانۂ رحمت پر اس طور حاضر ہوئے کہ جو دروازۂ مبارک کھلا ہوا نہیں تھا اُسی طرف سے سلامِ نیاز پیش کیا۔ حضرت سیّدنا خواجہ بزرگ غریب نواز کا دستِ مبارک مزار شریف سے باہر نکلا اور آپ نے سیّدنا امیر ابو العلاء کو بیعت فرمایا اور باطنی نعمتِ خاص تفویض فرمائی اور ذکر کلمہ شریف بھی بطریقِ خاص تعلیم فرمایا جو کہ سلسلۂ عالیہ میں مروّج ہے۔ عینی توجّہ عنایت فرمائی اور نعمتِ چشتیہ بشکلِ بُغبوی آپ کے دہن مبارک میں ڈالی گئی کہ جس سے آپ کا قلبِ مبارک آفتاب کی طرح منوّر ہو گیا جس کی کیفیت حدِ بیان سے باہر ہے۔

جناب سیّدنا امیر ابو العلاء نے بلا واسطہ دستِ بیعت ہونے کی آرزو پیش کی اور اجازتِ سماع کی تمنا بھی ظاہر کی۔ حضرت خواجہ بزرگ غریب نواز اجمیریؒ کی طرف سے حکم ہوا کہ آپ کے حقیقی چچا قطبِ وقت ہیں۔ اُن کے مرید ہو جائیں۔ بیعتِ ظاہری ضروری ہے۔ ہماری جانب سے آپ کو اجازت ہے کہ آپ ذکر اور سماع اختیار فرمائیں چنانچہ آپ اپنے چچا بزرگوار کے سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ میں مرید ہوئے اور صاحبِ خلافت و اجازت ہوئے۔

آپ کی نسبت حضرت سیّدنا خواجہ بزرگ اجمیری نوّر اللہ مرقدہٗ سے خاص ہے۔ آپ کی عینی توجّہ آپ کے خدّام میں ہمیشہ جلوہ افروز رہے گی۔ جس قدر ذوق و شوق آپ کے خدّام میں پایا جاتا ہے۔ اس کی مثال کہیں موجود نہیں ہے۔ ہر دور میں حضرات ابو العلائی

رضوان اللہ علیہم اجمعین کی بزرگی اور تصرّف و توجّہ آفتاب کی طرح فیض رسانِ عالم رہا۔ چنانکہ ہرگز محتاجِ تعارف و بیان نہیں ہے اور یہ جوش وخروش اور وجد و کیفیت جو کہ نایابِ عالم ہے۔ آپ کے ہی فیضانِ تصرف اور توجّہ کا نتیجہ ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ ہمارے حضراتِ کرام مُردہ کو زندہ فرماتے ہیں اور حقیقی زندگی بخشتے ہیں۔

ایک واقعہ

آگرہ شریف میں ایک مرتبہ جے پور سے ایک نامی گرامی پہلوان آیا۔ جسے آگرہ شریف کا کوئی پہلوان نہ پچھاڑ سکا۔ اور ان کا بڑا شہرہ ہُوا۔ اتفاق سے حضرت سیّدنا امیر ابُو العلاء بعد نمازِ جمعہ جس راستہ سے واپس تشریف لا رہے تھے۔ ایک اجتماعِ کثیر کو دیکھ کر ٹھہر گئے۔ آپ قریب پہنچے تو وہ پہلوان پکار رہا تھا کہ کوئی ہے جو میرا مقابلہ کرے۔ حضرت سیّدنا نے ارشاد فرمایا۔ "جسمانی کشتی کیا لڑنی ہے۔ اگر آنکھ لڑانا چاہو تو لڑا لو۔" پہلوان صاحب فوراً حواس باختہ اور بے خُود ہو کر پیٹھ کے بل گر گئے اور آپ تشریف لے گئے۔ بالآخر اُسے خدمتِ اقدس میں لایا گیا اور بیعت سے مشرف ہُوا۔ صاحبِ اجازت و صاحبِ کمال ہُوا۔ (راہِ خُدا میں ہوشیاری ضروری ہے)۔

مورخہ ۲۵ جنوری ۱۹۴۹ء بمقام گارڈن ٹاؤن لاہور مجلسِ عام میں فرمایا۔ ایک مرتبہ نصیر آباد چھاؤنی (اجمیر شریف) کے قیام کے دوران میں ہمیں تاج الدین خان مرحوم و مغفور سب انسپکٹر پولیس نے کہا حضرت! جو کچھ آپ ارشاد فرماتے ہیں وہ کلام اللہ شریف اور احادیثِ صحیحہ کی کامل تفسیر و تشریح ہے۔ آپ کا ہر فرمان ایک انمول خزانہ ہے۔ ہم نے دورِ حاضر میں ایسا کلام کسی بزرگ یا عالم سے نہیں سُنا۔ ہمارے سامنے حضراتِ سلف صالحین کے مقدّس اقوال و افعال گرامی کی زندہ و تابندہ شمعِ فیض موجود ہے۔ عاشقانِ خُدا و رسُول پروانہ وار کیوں نہ نثار و تصدق ہوں کہ اکتسابِ انوارِ حق حاصل ہو رہا ہے۔ میری اک آرزو ہے کہ ارشاد فرمایا جائے کہ کوئی صاحب ارشاداتِ عالیہ کو قلم بند کرتے رہیں ورنہ یہ گرانمایہ جواہر ایک وقت نایاب ہو جائیں گے۔ میں نے کہا کہ آپ کے احساسات کو دُوسرے

پیر بھائی بھی محسوس کرتے ہیں۔ میرے خیال میں کوئی ایسی ضرورت نہیں ہے۔ ضرورت یہ ہے کہ میری باتوں کو لکھا جائے یا نہ لکھا جائے مگر غور و فکر سے سُن لیا جائے۔ تو انشاء اللہ تعالیٰ دِل نشیں ثابت ہوں گی۔ اور بوقتِ ضرورت تُم لوگوں کے دِل و دماغ میں اُتر کر کام دیں گی اور اللہ تعالیٰ کو منظور ہُوا تو یہ عشق و محبت کے چرچے سدا ایسے ہی رہیں گے۔

یاد رکھیے۔ اللہ تعالیٰ نے ہر شخص کا دِل و دماغ قابل بنایا ہے۔ دماغ قابلیت اور تجسس کی جگہ ہے اور دِل اللہ کی یاد کا مقام ہے۔ راہِ خُدا میں حاضر دماغی اور ہوشیاری بہت کام دیتی ہے۔ درحقیقت اِس راہ میں ہوشیار اور بے باک ہونا چاہیے۔ میں بھی بذاتِ خُود ہوشیار اور بے باک آدمی کو پسند کرتا ہوں۔ پنجابی کا یہ مقولہ بھی خُوب ہے۔

ہتھ کار وَل دِل یار وَل

اگر دِل کو مضبوط و قوی اور تجلیاتِ حق کا حامل بنانا مقصُود ہو تو یاد میں ہمہ دم (دِل کو) مشغُول رکھنا چاہیے۔ جب ہر ایک انسان نفع و نقصان سمجھ سکتا ہے۔ اور ہر فانی و غیر فانی دولت دِل سے معلوم کر لیتا ہے۔ چہ جائیکہ کسی انسان کے دِل کو ناقص تصوّر کر لیا جائے البتہ آدمی کو جو کچھ حاصل ہوتا رہتا ہے۔ وُہ اس کے اعمال کا پھل ہے ؎

از مکافاتِ عمل غافل مشو
گندم از گندم بروید جو از جو

حضرات اولیائے کرام آرزوئیں تو بے شک مٹا دیتے ہیں۔ مگر احساسات مٹانے اور مٹنے کی چیز نہیں ہیں، آرزوئیں یعنی خواہشات مٹا دینے سے رضا حاصل ہوتی ہے اور احساس ہی مِٹ گیا تو باقی کیا رہ گیا۔

حدیث شریف: مَنْ عَرَفَ نَفْسَهٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهٗ۔ کہ جس نے اپنے آپ کو پہچان لیا۔ اُس نے رَب کو پہچان لیا۔ وحدت الوجُود کیا ہے؟ انسان جس کے وجُود میں سب مقامات موجود ہیں۔ اگر خُود کو پہچان لے تو سب کچھ سمجھ سکتا ہے۔ اِس پہچاننے اور مخفی طاقت کو پانے کے لیے ذکر نفی اثبات اور مراقبہ یعنی تصوّرِ شیخ موجود ہیں۔ ہمت اور کوشش سے کام لینا چاہیے۔ ع

محنت کبھی جاتی نہیں، برباد کسی کی

مَیں تو اب بُوڑھا ہو چکا ہوں۔ تُم لوگ کوشش اور ہمت سے کام لو تو کیا نہیں ہو سکتا۔

یادِ اُو گر مُونسِ جانت بُود
ہر دو عالم زیرِ فرمانت بُود

دِل کی بات مت نکالو، شریعت اور طریقت واضح ہیں۔ حضرات سَلف صالحین کے مقدس راستہ پر چلے چلو۔ فلاح یہی ہے۔

انسان جب تک معصوم رہا تو متوکل رہا۔ ذاتِ کاملہ نے ہر قسم کے اسباب روزی پیدا کر دیئے۔ یہ تو تھی کم عقلی اور معصومیت کہ بے طلب اور بغیر کوشش کے روزی ملتی رہی اور جب عاقل و بالغ ہوا تو روزی کو اپنی عَقل و تدبیر پر محمول کر لیا۔ یہ کم عقلی نہیں تو کیا ہے۔ ہر حال میں روزی رساں قادرِ مطلق ہے۔ کسبِ معاش بھی مناسب ہے۔ مگر توکل میں فرق نہ آنا چاہیے۔

نصیر آباد چھاؤنی (اجمیر شریف) میں تقریباً میرے دس سال ایسے گزرے کہ کبھی ایک وقت کا کھانا ملتا، کبھی تین تین فاقے۔ مہمانوں کی کثرت، طالبانِ حق کا ہمہ وقتی ہجوم مگر بجناب اللہ تعالیٰ خوب وقت گزرا۔ ورنہ میرا ظاہری معاش کا ذریعہ بھی خدمتِ خلق کی نذر ہو گیا تھا۔ وہ نہایت ہی ہوش رُبا اور کڑی آزمائش کا دَور تھا۔ اِس دَور میں اور ویسی کڑی حالت میں کوئی دُوسرا فقیر نہیں ٹھہر سکتا۔ یہ حوصلہ حضراتِ کرام نے اپنے فقیر کو بخشش فرمایا۔ اپنی اُس حالت کو اِس شعر میں ظاہر کر کے ہی سمجھا سکتا ہوں اور غور و فکر کر لیا جائے۔

درمیانِ قعرِ دریا تختہ بندم کردہٖ
باز میگوئی کہ دامن تر مکن ہوشیار باش

دِل کو دِل سے راہ ہوتی ہے

مورخہ ۵ رفروری ۱۹۴۹ء کو بمقام گارڈن ٹاؤن لاہور فرمایا:۔

چودھری برکت علی صاحب (مرید و خلیفہ جناب پیر غلام محمد صاحب راولپنڈی) محکمہ

سی۔ آئی۔ ڈی کے سیکشن سی میں ملازم ہیں۔ ان کا معمول ہے کہ روزانہ سائیکل پر صبح سویرے گرمی ہو یا سردی یہاں پہنچتے ہیں اور پھر دفتر چلے جاتے ہیں۔ وُہ ایک ذمہ دار افسر ہیں۔ پابندی سے اپنے دفتر کا کام بھی کرتے ہیں۔ اگر کسی دن نہ آئیں تو ہمیں انتظار رہتا ہے کہ کیوں نہیں آتے۔ اُن کی صحت کمزور ہے خُدا خیر کرے۔

آج معلوم ہُوا کہ اُن کے والد کا اِنتقال ہو گیا ہے' اللہ تعالیٰ مغفرت فرمائے۔ وُہ ہم سے محبّت کرتے ہیں۔ ہم بھی دعا کرتے ہیں۔ پچھلے دِنوں وہ کئی روز نہ آتے تو تشویش لاحق ہوئی۔ رمضان میاں (کوٹ سلطان مظفر گڑھ) کو خبر گیری کے لِیے بھیجا تو معلوم ہُوا کہ وہ بیمار تھے۔ اگر بیمار نہ ہوتے تو یہاں سے کیسے رُک سکتے تھے۔ حضرت سیّدنا سُلطان العارفین (خواجہ حافظ شیرازیؒ) نے خُوب ارشاد فرمایا ہے۔

مرا عہدیست با جاناں کہ تا جان در بدن دارم
ہوا دارانِ کویش را بجان و دِل خریدارم

ذِکرِ کلمۂ طیّبہ

مورخہ ۱۲ر فروری ۱۹۴۹ء کو فرمایا:۔

ذکر (کلمہ طیبہ) کیا ہے؟ یہی ابتدا ہے' یہی اِنتہا ہے اور یہی توحیدِ خاص ہے۔ جمیع حضرات انبیاء علیہم السلام کے مُبارک وقتوں میں بھی یہی مروج و مستعمل رہا ہے۔ ہمارے حضرات کرام اور سلف صالحین کا بھی اِسی پر عمل رہا ہے اور ہماری تعلیم کا بھی تمام تر دارومدار اِسی پر ہے اور سب اِسی (کلمہ طیبہ) میں ہے۔ تمہیں جس طریقہ سے تعلیم کیا گیا ہے پابندی کے ساتھ کیا کرو۔ بعد نماز مغرب اور بعد نماز فجر تھوڑی دیر ضرور کر لیا جائے۔ اس کا اثر یعنی کیف و سرور بارہ گھنٹے تک قائم رہتا ہے۔ صُبح سے شام اور شام سے صبح تک دونوں وقتوں میں تھوڑی سی دیر کرنے سے تاثر قائم رہ جاتا ہے۔

لا اِلٰہ کلمۂ نفی ہے۔ نفی میں خُود کو بھی شامل کرنا چاہیے۔ نفی کو کوئی کیا سمجھ سکتا ہے۔ آدمی کچھ کرتا ہے تو سمجھ لیتا ہے۔ میں کہتا ہوں دُنیا میں کوئی ایسی پُر لطف و لذیذ چیز نہیں

جیسی کہ فنائیت۔

ذکر کے ساتھ فکر بھی ضروری ہے۔ معنی و مفہوم کے ساتھ مقامات کا خاص خیال رکھتے ہُوئے لَا اِلٰہ کے ساتھ سانس پوری قوت سے کھینچنا اور پھر اِلَّا اللّٰہ کی ضربِ اثبات کے ساتھ قلب پر چھوڑنا چاہیے۔ اس میں زبان کا کوئی کام نہیں۔

ذکر کے اثرات ظہور پذیر ہوا کرتے ہیں۔ گھبرانا نہیں چاہیے۔ اور عالمِ ذکر میں جو بے خُودی اور کیف پیدا ہو اُس کو مضبوط کرنا چاہیے۔ فکرِ خویش کے سوا جو بات ہوگی وہ نفی و اثبات کے تاثرات ہوں گے۔ یاد رکھیے اگر پہلوان روزانہ ورزش نہ کرے تو میدان میں کامیاب نہیں ہوسکتا۔ اگر ذکر پابندی اور محنت سے نہ کیا گیا تو میدانِ عشق و محبت میں کامیابی کا کیا امکان ہوسکتا ہے۔ تھوڑی دیر بھی طبیعت گوارا نہ کرے تو غفلت ہوگی اور غفلت اہلِ شرافت کا کام نہیں۔

حکماء کا طبقہ ہمارے حضراتِ کرام کے مروّج طریقۂ ذکر کو صحت کے لیے نہایت اکسیر و مفید خیال کرتے ہیں، بالخصوص ناک کے ذریعہ سانس کھینچنا اور چھوڑنا پھیپھڑوں کے لیے از حد مفید ہے۔ ذکر شریف کی اصل تعلیم جس انداز سے کی جاتی ہے۔ یہ حضرت سیدنا خواجہ بزرگ امیر ابو العلاؒ کو خواجہ غریب نواز اجمیریؒ کی زبانِ وحی ترجمان سے تعلیم و تلقین ہُوئی تھی۔ سلسلۂ عالیہ میں یہ عنایتِ خاص ہے اور کہیں اس طور سے مروّج نہیں۔ علاوہ ازیں اِسی ذکر (کلمۂ شریف) کو ہمارے پیر و مرشد آقا و مولا حضرت سیدنا شاہ محمد نبی رضا خاں نے اپنے پیر و مُرشد حضرت سُلطانِ زماں فخر العارفین شاہ محمد عبد الحئیؒ (بنگال) کی اجازت و عنایت سے مزید مؤثر و مفید بنانے کی غرض کے تحت جس طریقہ سے عمل اور اَمر فرمایا آج ہم اُسی پر کاربند ہیں۔

راہِ معرفت و قُربِ حق

مورخہ ۱۸ر فروری ۱۹۴۹ء، بمقام لاہور فرمایا:۔

راہ خُدا میں کامیابی کا آسان ترین راہِ معرفت و قُربِ حق کیا ہے؟ میرے نزدیک

پیر کامل کی اتباع آسان ترین راہِ معرفت و قربِ حق ہے۔ اسی (اتباع) راہ سے معرفت حاصل ہو سکتی ہے۔ جو اِس راہ کے سوا کوئی اور ذریعہ تلاش کرے گا۔ بھٹک جائے گا۔ اس لیے پیرِ کامل کی تابع داری میں چُستی و ہوشیاری اور ضروری ہے۔ پیر کامل کی ظاہر و باطن میں ہر لحاظ سے کامل اتباع کرنی چاہیے۔ جو اپنے پیر کامل کا مکمل طور پر پیرو کار ہے۔ جو اپنا سب کچھ اپنے پیر ہی کا سمجھتا ہے۔ ہر لحاظ سے فائدہ ہی فائدہ میں ہے۔ پیر کی ذاتِ محبوب ہوتی ہے۔ پھر محبوب سے کیا چیز پیاری ہوتی ہے۔ پیرِ کامل نائب رسولِ مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہوتا ہے اور نائب کی تابعداری درحقیقت مُنیب ھی کی تابعداری ہے۔

پیر کے حقوق کیا ہیں؟ یہ تم غور و فکر کر کے خوب سمجھ لو کہ یہ ذاتِ مبارک بالواسطہ خُدا ہے تو حقوق کیا ہوں گے؟ یہ شرک نہیں ہے۔ عین وحدت پرستی ہے۔ تصورِ شیخ کی بدولت طالبِ حق اپنے شیخ کی ذات میں فنا ہو جاتا ہے۔ چونکہ شیخ کامل مجسمۂ عشق و محبت ہوتا ہے لہٰذا طالب اپنے شیخ کے عشق و محبت کے طفیل ہمہ وقت جس تصوّر میں محو و مشغول رہتا ہے اس سے طالب کا دِل ماسوا اللہ سے پاک و صاف ہو جاتا ہے۔ حتیٰ کہ ماسوٰی اللہ کا خیال و فکر تک اُس کے قلب و نظر میں قرار تک نہیں پکڑ سکتا۔ تو یہ ماسوٰی اللہ کا تصوّر تک نہ آنا اور ماسوٰی اللہ کو فراموش کر دینا شرک کیونکر ہو سکتا ہے۔ سیّدنا غوث الاعظم محبوبِ سبحانی جناب پیرانِ پیر سیّد عبدالقادر جیلانیؒ فرماتے ہیں۔ "المرید کالمیت فی ید الغسال"۔ جس طرح میت غسل دینے والے کے ہاتھ ہوتی ہے۔ اسی طرح مُرید کو پیر کے ہاتھ میں ہونا چاہیے۔ جو مبارک نسبت (واسطہ) ماسوٰی اللہ کے طوفانِ بے پناہ سے بچالے اور یکسوئی کا کامل ذریعہ ہو اِس مقدس واسطہ کو مضبوط و قوی کرنے کی کوشش کرنی چاہیے ایک گھڑی جو کہ مصنوع ہے عمدہ ہونے کے لحاظ سے اگر اس کی تعریف کی جائے تو فی الحقیقت صانع ہی کی تعریف ہوگی۔

ہم اگر حضراتِ اولیاء اللہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی تعریف و توصیف بیان کرتے ہیں یا محبت و تابع داری کرتے ہیں تو یہ محض للّٰہیت ہے۔ جو کہ "مقصود" ہے۔ کعبہ کی جانب

رُخ کر کے نماز پڑھنا اِس لیے ضروری ہے کہ سمت اللہ ہے۔ ورنہ نماز تو ربّ العزت کے لیے ہے نہ کہ کعبہ کے لیے اور یہ ظاہر بات ہے۔

اسی طرح پیرِ کامل بھی معرفت و قربِ حق کا ذریعہ ہے۔ اور سمت اللہ ہے کہ جس سے طالبانِ حق کسبِ فیض کرتے ہیں۔ کوئی شخص اگر کعبہ کی نماز پڑھتا ہے تو یہ شرک ہوگا اور کعبہ کا تصوّر رکھتے ہوئے اِس سمت کو نیت باندھ کر حق تعالیٰ کی جانب جُھکتا ہے تو خالص توحید پرست ہے۔ ایسے ہی کوئی شخص اگر پیر کی نماز پڑھتا ہے تو شرک ہوگا۔ لیکن پیر کے تصوّر کو مدِنظر رکھتے ہوئے حق تعالیٰ کی طرف جُھکتا ہے۔ تو توحید پرست ہے۔ "الاعمال بالنّیات" دارومدارِ عمل نیت پر ہے۔ ؎

ذات را لازم بود قیدِ صفات
ھم صفاتش را بود ملزوم ذات

غرض کہ پیرِ کامل کی محبت اور نسبت کے بغیر کوئی شخص راہِ حق میں کامیاب نہیں ہو سکتا۔ راہِ قُرب و معرفت کارِ مرداں ہے۔ بازیچۂ اطفال نہیں ہے۔

اَفشائے راز

بتاریخ ۱۸ ر فروری ۱۹۴۹ء، دُوسری نشست میں فرمایا:-

حضرت شاہ منصُور حلاّج نے انا الحق کا نعرہ لگایا اور کلمۂ شرک کی پاداش میں سُولی پر لٹکا دیئے گئے۔ حقیقت یہ ہے کہ راہِ حق میں ایک ایسی منزل سے بھی طالبِ مولیٰ کو گزرنا پڑتا ہے، کہ ماسوائے حق کے کوئی غیر نظر ہی نہیں آتا اور طالبِ حق کا دیکھنا، سُننا، بولنا وغیرہ سب اُسی حالت کے تحت ہو جاتا ہے اور اُسے اپنی خبر بھی نہیں رہتی۔ الاّ ماشاءاللہ حضرت شاہ منصُور نے اسی منزل کو مقام تصوّر کر لیا اور آگے ترقی بھی نہ کر سکے بلکہ اسی کیفیت میں قرار پکڑ گئے۔ یہ وہ منزل ہے جہاں کوئی قرار نہیں پکڑ سکتا۔ پیچھے ہٹ جاتے یا آگے نکل جائے۔ ورنہ کل شیئ ھالک اِلّا ھو۔ بنا بریں آپ کا "انا الحق" فرمانا آپ کے نزدیک صحیح مگر شرعاً غلط کہا جا سکتا ہے۔ صاف ظاہر ہے کہ شریعت کی تعزیر عاید ہوئی اور دار پر لٹکا دیے گئے۔

بعض اہلِ طریقت نے بھی رازِ حق فاش کر دینے کی پاداش میں بہت کچھ ارشاد فرمایا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ بہت دشوار گزار منزل ہے۔ خُدا جانے یہاں کتنے "منصور" تصدق ہو گئے۔ مَیں تو اس منزل سے دوڑ کر گزر گیا تھا اور یہ میرے حضراتِ بزرگان کا فیض تصرّف تھا۔

پیرِ کامل کی محبت اور نسبت ہر مقام و منزل تو کیا ابتدا سے انتہا تک ہر جگہ کام دیتی ہے ہمیں جو کچھ حاصل ہُوا۔ اسی محبت و نسبت کے طفیل اور اسی کا ثمر ہے۔ اِنسان کے جسم سے رُوح پرواز کر جائے تو مُردہ ہی کہلائے گا۔ دِل کی بات نکالنا بھی ایسا ہی ہے۔ دُنیا میں ہر چیز ترقی پذیر ہُوا کرتی ہے۔ عقیدہ بھی ترقی کرتا رہتا ہے۔ عقیدہ ترقی کر کے جب ایمان ہو جاتا ہے تو انسان کامل انسان بن جاتا ہے۔ اِس لیے عقیدہ اپنا اپنا ہے۔ اسے دِل ہی میں رہنا چاہیے۔ مَیں کہتا ہوں کوئی شخص آسمان پر اُڑتا پھرے اور خلافِ شریعت ہو تو میرے نزدیک مردُود ہے۔ شریعت کا احترام نہایت ضرُوری اور حقیقی فریضہ ہے۔ اس دورِ مادیت پرست و پُر فتن میں میرا یہی فیصلہ ہے کہ دورِ حاضرہ میں سب سے بڑی بزرگی اور فقیری اتباعِ شریعت ہے۔ اتباع میں نہایت ہوشیاری اور چستی کی ضرورت ہے۔

دو معزّز خلفاء کا ذِکر

مورخہ ۲۳ فروری ۱۹۴۹ء کو ارشاد فرمایا:۔

ایک مرتبہ چک ۱۴/۸-R ہمیں اُس وقت جانا پڑا جبکہ گرمی کے ایام تھے۔ ایک بڑے ٹب میں میرے لیے پانی لاتے ہُوئے ایک دُوسرے کو آوازیں دی جا رہی تھیں۔ مَیں نے دیکھا تو مستان شاہ اُسے تنہا اُٹھائے لا رہے ہیں اور سب حیرت سے اُنھیں دیکھتے ہیں۔ درحقیقت ان میں طاقت بھی ہے اور عزم بھی۔ سلسلۂ عالیہ کے معاملہ میں بھی وہ ایسے ہی ہیں۔ بس جو کوئی سامنے آیا مُرید ہو کر ہی گیا۔

تبسّم کُناں فرمایا۔ مضبُوط آدمی ہیں اور غلام محمّد کا معاملہ تو بس میری طرح ہے۔ اپنے آپ سے ہی فرصت نہیں۔ ایک تکلیف آتی ہے اور ایک جاتی ہے۔ علاج مُعالجہ ہی ختم ہونے کو نہیں آتا۔ سلسلۂ عالیہ کے معاملہ میں بھی وہ (غلام محمد صاحب) میرا ہی

رویّہ رکھتے ہیں۔ کوئی شخص آتا ہے تو آتا رہے اور جاتا ہے تو جاتا رہے۔ ایک ہی رائے کا اظہار کر دیتا ہے۔ آنے والے کی جب طلب صحیح ہو جاتی ہے تو مرید کر لیا جاتا ہے۔ ایک دفعہ تمہارے پیر بھائیوں نے مل کر غلام محمدؐ کے متعلق بہت کچھ کہا کہ ان کے اخراجات بہت زیادہ ہیں۔ شاندار طور و طریقہ سے بود و باش رکھتے ہیں۔ انھیں تنبیہ کر دینی چاہیے۔ جب اُن سے پُوچھا گیا کہ شان دار طور و طریقہ سے رہتے ہو۔ اتنے اخراجات کیوں برداشت کیے جاتے ہیں۔ کہنے لگے۔ حضرت نے جیسا مجھے بنایا ہے۔ میں تو ویسا رہا کرتا ہوں۔ نہایت ہی متبسّم انداز میں فرمایا۔ کیسے میں کیا کہتا کہ تمھیں کیسا بنایا گیا ہے۔

نسبت نامہ مُفید چیز ہے

مورخہ ۲۴ رفروری ۱۹۴۹ء کو بمقام لاہور ارشاد فرمایا:۔

خاصانِ خدا بمصلحتِ حق ظاہر ہوتے رہتے ہیں۔ پیر کامل کی پہچان یہی ہے کہ شریعت کی اتباع میں پختہ کار و ہوشیار ہو اور عشق و محبت جناب رسُولِ مقبول صلّی اللہ علیہ وسلّم کا سرمایہ رکھتا ہو۔ میرے نزدیک ہر کرامت سے افضل اِستقامت ہے۔ پیر کامل کے ساتھ رابطہ (نسبت) قائم و قوی ہو جائے تو مرید کے لیے اس سے بڑھ کر کیا خوش قسمتی ہو سکتی ہے۔ اگر مرید کو پیر میں عیب نظر آتے ہوں تو اس سے بڑھ کر مُرید کے لیے اور کیا کم بختی ہو سکتی ہے جبکہ پیر کے لیے اور مُرید بہت۔ لیکن وُہ مرید کبھی فیضیاب نہ ہو سکے گا۔

میں کہتا ہُوں کہ شخص نسبت یافتہ کو جہاں بھی ہو اپنے پیر و مُرشد سے فیض ملتا رہے گا اور وصالِ مُرشد تو بدرجہ کمال فیض حاصل ہوتا ہے اور اِس انعامِ خداوندی کا حاصل دیگر بزرگانِ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے بھی اِسی رابطہ متقدس (نسبت نامہ) کے طفیل ہی فیض یاب ہو گا۔ نسبت نامہ حاصل کرنے کی کوشش رکھنی چاہیے۔ اللہ تعالیٰ سرفراز فرما دیتا ہے اور میں تم سب کے لیے دعا کرتا ہوں۔ طالبِ حق کے لیے تصوّرِ شیخ حاصل منزل ہے۔ اس مبارک خیال کو مضبوط پکڑنا چاہیے۔ حتّٰی کہ اُٹھنا بیٹھنا۔ کھانا۔ پینا وغیرہ سب

کچھ اسی کے تحت ہونا چاہیے۔ تصورِ شیخ کو اوڑھنے کی طرح اوڑھ لینا چاہیے۔ برزخ کا مطلب ایسا ہی ہے۔

تصویر شریعت میں منع ہے اور طریقت میں قطعاً منع ہے۔ دراصل تصوّر سے جو تعلق پیدا ہوتا ہے۔ وہ مرکزِ فیض سے جا ملتا ہے اور اسے مضبوط رکھنے کے لیے ہر قسم کے فکر و جہد کیے جاتے ہیں۔ اس کے برعکس تصویر روحانی تعلق کو کمزور کرنے والی چیز ہے اور کام وہی کرنا چاہیے جو نیک انجام ہو۔

مورخہ ۲ مارچ ۱۹۴۹ء کو گارڈن ٹاؤن لاہور ارشاد فرمایا :

ہندوستان میں مسلمانوں پر عرصۂ حیات تنگ کر دیا گیا ہے۔ مسلمانوں کی کوئی جائز بات بھی تسلیم نہ ہوئی۔ تو یہ سرد جنگ کا پیش خیمہ ثابت ہوگی۔ مسلمانوں پر اس ظلم و ستم کا اللہ تعالیٰ اہلِ بھارت سے ضرور بدلہ لے گا۔ ہندوستان میں مسلمانوں کی بڑی جائداد موجود ہے۔ حضرات بزرگانِ کرام کے مزارات تو بڑی گرانمایہ دولت ہیں۔ انھیں کیونکر فراموش کیا جاسکتا ہے۔ آج کل مسلمانوں میں بڑا جوش و خروش پایا جاتا ہے۔ جوش بڑی چیز ہے ۔ یہی راہِ فلاح ہے۔

اگر پاکستان کو جنگ میں دھکیلا گیا تو معلوم ہو جائے گا کہ نصرتِ حق کسے کہتے ہیں ۔ پاکستان نے پانچ سمتوں سے حملہ کر دیا تو تین گھنٹوں میں حال معلوم ہو جائے گا اور مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ کی ہی امداد کافی ہے۔ کچھ بھی سہی اس کے محبوب کی اُمت ضرور ہیں ۔

ہم ایک مرتبہ ہندوستان سے پنجاب آئے تو لاہور میں حضرت داتا گنج بخش رح کے عرس شریف میں بھی شریک ہوئے۔ اُن دنوں مسلم لیگ کو کامیاب بنانے اور اس تحریک سے آزادی حاصل کرنے کی ابتدا ہو رہی تھی۔ لاہور شہر کے مسلم لیگی کارکن ہمیں اُس وقت ملے اور کامیابی کی دُعا کے خواستگار ہوئے۔ جبکہ ہم حضرت داتا صاحب کے آستانۂ عالیہ پہ حاضر ہونے والے تھے ۔ میں نے کہا اس وقت ہم داتا صاحب کی درگاہِ عالیہ میں حاضر ہونے والے

ہیں۔ مابعد آپ سے کچھ باتیں کر سکیں گے۔ واپسی پر ہم نے اعلانیہ کہہ دیا تھا۔ مُبارک ہو مُسلم لیگ کو فتح اور کامیابی نصیب ہو گی۔ پھر ہم نماز کے لیے مسجد میں چلے گئے۔ ہزار ہا افراد کا اِجتماع تھا۔ اجتماع میں مشائخ حضرات اور علمائے کرام بھی کافی تعداد میں تشریف فرما تھے اور میرے جاننے والے بھی کوئی خاص نہ تھے۔ تاہم نماز کے لیے بصد اصرار مجھے امام بنا دیا گیا۔ آستانۂ عالیہ صاحب سجادہ صاحب نے تو یہ بھی کہہ دیا کہ حضرت! تشریف لائیے! داتا صاحبؒ کا منشا مبارک بھی یہی معلوم ہوتا ہے اور حاضرین کی بھی یہی آرزو ہے۔ بالآخر نماز پڑھائی اور عمر بھر یہ نماز یاد رہے گی۔ میں نے کبھی ایسی نماز نہیں پڑھی۔ اور یاد کیوں نہ رہے کہ صرف "اللہ اکبر" کہنا یاد ہے اور کچھ یاد نہیں۔ مُقتدی گریہ و رقت کے عالم میں نماز پڑھتے رہے۔ سلام پھیرنے کے بعد مجھے تردد ہُوا کہ کہیں غلطی نہ ہو گئی ہو۔ بالآخر پُوچھنا پڑا کہ کیا نماز صحیح ادا ہو گئی ہے۔ مُقتدی صاحبان نے جواب دیا: حضرت صحیح ادا ہوئی ہے۔ سُبحان اللہ سیدنا حضرت داتا صاحب بہت بڑے بزرگ اور صاحبِ فیض و "جُود" و کرم ہیں۔ نہایت ادب اور محبت کے ساتھ یہی کہا جا سکتا ہے۔ ؎

گنج بخشِ فیضِ عالم مظہرِ نورِ خدا
ناقصاں را پیرِ کامل، کاملاں را رہنما

خلفاء کے لیے نصیحت

مورخہ ۱۳ جون ۱۹۴۹ء بمقام گارڈن ٹاؤن لاہور ارشاد فرمایا:۔

تعلیم و تلقین کا معاملہ بہت اہم ہے۔ صاحبِ اجازت حضرات کو دِلجمعی، خودداری اور بے باکی و ہوشیاری سے سلسلۂ عالیہ کا کام کرنا چاہیے۔ کام کرنے سے ہی کچھ ہوتا ہے۔ جب خلقِ خدا سے تعلق اور واسطہ پیدا ہو جاتا ہے۔ تو خالق توفیق بھی عنایت فرما دیتا ہے۔ اگر کوئی شخص کمی محسوس کرتا ہے تو یہ اُس کا اپنا ذاتی فعل ہے۔ ورنہ کس چیز کی کمی ہے۔ تسلیم نے خُوب ہی کہا ہے ؎

اَب بھی رہے جو پیاسا یہ اُس کا مقدّر ہے
تُو نے تو بہادی ہیں نہریں تِرے عرفاں کی

میں سوچتا ہُوں کہ کسی دن تمام خلفاء کو بُلا کر یہ بات واضح کر دوں کہ تمھیں کیا مِلا ہے۔ اور مَیں نے تم لوگوں کے ساتھ کیا کیا ہے۔

بصحبتِ ثانی ارشاد فرمایا:۔

اللہ تعالیٰ نے جب ملائکہ کو طلب فرما کر "فسجدوا" کا اَمر فرمایا تو تمام ملائکہ نے حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کیا۔ یہ سجدہ عبادت نہیں تھا۔ لہٰذا شرک نہیں کہا جا سکتا۔ یہ سجدہ تعظیم تھا۔ بامرِ حق تعالیٰ ملائکہ نے نُورِ نسبت (نُورِ نبوّت) کے سامنے تعظیمی سجدہ کیا۔ جب اللہ تعالیٰ نے "فنفخت فیہ من روحی" فرمادیا تو سجدۂ تعظیم لازم ہُوا اور جمیع ملائکہ نے تعظیم کی۔ اِس حکمِ صریح پر معلم الملکوت نے دلیل پیش کی اور ذلیل ہُوا۔

مَیں کہتا ہُوں کہ اہلِ ایمان پر لازم ہے کہ خدا تعالیٰ اور رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کو اور ان کے تمام احکام کو بے دلیل مانیں اور چونکہ پیرِ کامل بھی نائب رسول ہوتا ہے۔ لہٰذا اس ذاتِ پاک کو بھی بے دلیل ماننا برحق ہے اور ظاہری و باطنی اتباع اختیار کرنی بہت ضروری ہے۔ جو شخص پیرِ کامل کے قدموں سے لگ گیا، درحقیقت وہ جنابِ سالتمآبؐ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مُبارک قدموں سے لگ گیا۔

ایک مرتبہ جناب "تاج الاولیاء" کی مجلس شریف میں انبیائے کرام بنی اسرائیل علیہم السلام کا ذکرِ خیر ہُوا۔ تو ارشاد فرمایا:۔

"العلماء امتی کالانبیاء بنی اسرائیل"۔ یعنی میری اُمّت کے علمائے ربانی کی مثال انبیائے کرام بنی اسرائیل کی سی ہے۔ اب تو میرے حضرات بزرگانِ کرام کا دورِ کرم ہے۔ قبولیتِ شیخ پر تمام دارومدار ہے۔ ؎

چوں تو ذاتِ پیر را کردی قبول
ہم خدا در ذاتش آمد وہم رسول

اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور سرکارِ دوعالم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رسالت کو

بے دلیل ماننا ہی "ایمان" ہے۔ افسوس ہے ایسے موحد اور اُمتی پر جو جناب رسالتمآب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذاتِ اقدس پر کوئی دلیل (شبہ) رکھتا ہو اور پھر مسلمان کہلاتا ہو۔ حالانکہ وحدت اور رسالت کا ماننا برحق ہے اور اس کے بغیر تکمیلِ ایمان ہر لحاظ سے ناممکن ہے۔ اِس واضح اور بنیادی امر سے کون انحراف کر سکتا ہے اور حق یہ ہے کہ انھیں بے دلیل مانا جائے۔

حضرت فخر الدین رازیؒ فلسفہ اور علمِ کلام کے اِمام مانے جاتے ہیں۔ عالمِ اجل اور فاضل بے بدل تھے۔ توحید و رسالت کے ثبوت میں ایک ہزار اور ایک دلیل مکمل کر لی مگر وقتِ آخر ابلیسِ لعین کو دربارۂ گفتگوئے وحدت دلائل سے قائل کرنے لگے لیکن معلم الملکوت کے سامنے دلائل ختم ہو گئے اور خطرۂ ایمان لاحق ہوا۔ انتہائی عالمِ حیرت و تشویش میں تھے۔ کوئی صورت ایمان کے تحفظ کی نظر نہ آئی تو اُس وقت اپنا پیر یاد آیا۔ اِمام صاحب کے پیر و مُرشد (جناب نجم الدین کبریٰؒ) دریں اثنا کہیں دُور دراز مقام پر وضو فرما رہے تھے۔ ناگہاں اُن کے چہرۂ اقدس پر آثارِ جلالیت نمودار ہوئے اور وضو کے پانی سے ایک چلّو پانی اِمام صاحب کی جانب پھینکتے ہُوئے فرمایا "بے وقوف کہتے کیوں نہیں کہ حق کو بے دلیل مانا" اور پانی کے چھینٹے امام صاحب کے مُنہ پر جا لگے۔ اور ساتھ ہی اپنے پیر و مُرشد (جناب خواجہ نجم الدین کبریٰؒ) کے الفاظ سماعت فرمائے اور امام صاحب اپنے پیر و مُرشد کا جملہ ادا کرتے ہُوئے واصل بحق ہُوئے ؎

گر بہ استدلال کارِ دیں بُدے
فخرِ رازی رازدارِ دیں بُدے

اگر کوئی شخص پیر کو فقط پیر ہی سمجھتا رہے اور اسی اعتقاد پر رہ گیا۔ اس سے آگے وہ کچھ نہ سمجھ سکا اور نہ ہی اس کے عقیدہ نے ترقی کی تو آئندہ کوئی ترقی نہ کر سکے گا۔ معلوم ہُوا کہ کامیابی و فیضیابی اِسی میں ہے کہ پیرِ کامل اور جناب رسُولِ مقبولؐ اور حق تعالیٰ پر کوئی دلیل رکھے بغیر ایمان لایا جائے۔ ؎

چوں تو ذاتِ پیر را کردی قبول
ہم خدا در ذاتش آمد ہم رسول

بعدہٗ فرمایا:۔

دو پاٹن کے بیچ میں ثابت رہے نہ کو
جو کِلّی سے لاگے اُس کو خوف نہ ہو

زمین اور آسمان کے درمیان کِلّی (پناہ گاہ) جناب رسُول مقبول علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں، جو بھی آپ کے مُبارک قدموں سے لگ گیا محفوظ ہوگیا۔ چونکہ پیر کامل بھی نائب رسولِ مقبول علیہ الصلوٰۃ والسلام ہوتا ہے لہٰذا اُن کے قدموں سے لگ جانا بھی فی الحقیقت، جناب رُوحِ دوعالم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قدموں سے لگ جانا ہے۔ جو ان کے قدموں سے لگ گیا وہ بھی بچ گیا۔

رضائے الٰہی

۲۲ جون ۱۹۴۹ء کو گارڈن ٹاؤن لاہور میں ارشاد فرمایا:۔

آدمی کو ہر حال میں شُکر گزار ہونا چاہیے۔ اگر حسبِ منشا آرزو پوری ہوگئی تو بہتر ورنہ یہ بات کیا کم ہے کہ اس کی رضا حاصل ہو جائے۔ بلکہ کامیاب وُہی ہے جو راضی بہ رضا ہُوا۔ کشتگانِ خنجرِ تسلیم و رضا کا حاصل کیا ہے ؟ خُود ہی فرمایا۔ لقائے الٰہی! انسان لقائے الٰہی کی آرزو بھی رکھے اور بچتا بھی پھرے۔

تُو بچا بچا کے نہ رکھ اسے تیرا آئینہ ہے وُہ آئینہ
کہ شکستہ ہو تو عزیز تر ہے نگاہِ آئینہ ساز میں

مُرید کی تسکین کرانا پیر کا فرض ہے

سُنو! جس شخص کی مجھ سے تسکین نہ ہو سکی ہو۔ آج میرا دامنگیر ہو سکتا ہے۔ حشر میں کیا دامنگیر ہونا ہے۔ غیر مطمئن مُرید کی تسکین کرا دینا مجھ پہ فرض ہو گا۔ دُوسری صُورت

میں مجھ سے کسی اور جگہ زیادہ فیض ہو سکتا ہو تو بھی اجازت ہے اور حقیقت یہ ہے کہ میرے بچوں (صاحبزادگان) کو تو میرے بعد میرا نورِ نظر اور لختِ جگر کہا جائے گا۔ مگر تمھیں کیا کہا جائے گا۔ دِل میں تمھارے لیے کچھ عجیب۔ درد ہے۔ میں سوچتا ہوں کہ میرے بعد کیا کہا جائے گا۔ حالانکہ وہ میرے لختِ جگر ہی سہی مگر میں نے تمھیں بھی اپنا خونِ جگر پلا پلا کر پالا ہے۔

میں نے آج تک کسی کو مرید نہیں کیا۔ جب تک اُس کا ھاتھ جناب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلّم کے دستِ رحمت میں نہ دے دیا ہو۔ ؎

میں تو مالک ھی کہوں گا کہ ہو مالکِ حبیب اور
محبوب و محبّ میں نہیں کچھ تیرا میرا

ہر شخص کی حقیقت سے آگاہی

کم از کم تمھاری سمجھ میں اِتنا تو آ گیا ہو گا کہ ایک نیا دل مِلا ہے اور کچھ نہیں تو قبر میں ایک نیا دل تو لے کر جاؤ گے اور قدرت کاملہ دلوں کو دیکھتی ہے اور دِل کے معاملہ پر ہی فیصلہ ہوتا ہے۔

میرے سامنے جب کوئی شخص مرید ہونے کے لیے آتا ہے تو میں اس کے دِل و دماغ سے آگاہ ہو جاتا ہوں۔ اگر وُہ ناقص ہو تو سوچتا ہوں کہ حضرات نے تیرے ذمّہ کیا خدمت سپرد کی ہے۔ اگر اُس کی طلب صحیح ہو تو مرید کر لیتا ہوں اور کوشش کرتا ہوں کہ اس کی حالت اسی وقت صحیح ہو جائے۔ اوّل تو اُسی وقت ورنہ تین روز تک وہ اپنی منزل کی جانب صحیح طور پر گامزن ہو جاتا ہے۔ حتیٰ کہ اُس کی حالت صحیح نہ ہونے تک بے قرار رہتا ہوں۔ میری کوشش ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ صحیح کر دیتا ہے۔

محبّتِ بزرگاں ذریعۂ نجات

مورخہ ۲۳ جون ۱۹۴۹ء کو گارڈن ٹاؤن لاہور میں ارشاد فرمایا:

حضرات بزرگانِ دین رضوان اللہ علیہم اجمعین مستجاب الدعوات اور مقبولِ بارگاہِ ربّ العزّت جل شانہٗ و جناب رسولِ مقبول علیہ الصلوٰۃ والسلام ہوتے ہیں۔ کسی بھی شخص کے حق میں دعا اور شفاعت فرما سکتے ہیں۔ پیرانِ عظام کو غلامانِ سلسلۂ عالیہ، مجملہ خدام اور اہلِ محبت کی لاج ہوتی ہے۔

چنانچہ سیدنا حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ اولیائے متقدمین میں سے ہوتے ہیں۔ آپ ایک بچے پر نظرِ شفقت رکھتے تھے۔ اُس کے والد فوت ہو گئے جو کہ بہر پہلو پیوستۂ گناہ تھے۔ وہ بچہ آپ سے دعا کا ملتجی ہوا۔ آپ نے بچے سے استفسار فرمایا "تمہارے والد نے کوئی نیک کام بھی کیا تھا؟" "نہیں جناب" بچے نے جواب دیا۔ فرمایا "کسی بزرگ سے مرید تھا؟" بچے نے عرض کیا "نہیں جناب" فرمایا "کسی بزرگ کا محب و معتقد تھا؟" بچے نے جواباً عرض کیا "نہیں جناب۔" فرمایا "کبھی ہماری گلی سے بھی گزرا تھا؟" "جی ہاں جناب۔ ایسا تو ہوا ہے۔" فرمایا "بہشتی ہے کیونکہ حقدارِ شفاعت تو ہے۔" آپ نے دعائے مغفرت فرمائی اور مزید بخشش کا اظہار بھی فرما دیا۔ واللہ ذوالفضل العظیم۔

حقّہ نوشی کا حکم

بصحبتِ ثانی فرمایا:

تمباکو نوشی (حقہ نوشی) ایک دنیوی شغل ہے اور شرعاً مباح ہے۔ اگر پانی کا رنگ "پیلا" ہو جائے تو مکروہ ہے۔ مولانا محمد احمد صاحب قادری (مولانا ابوالحسنات) نے بتایا کہ عرب شریف میں عام رائج ہے کہ علمائے مساجد کے حجروں میں ربڑ کی نالیوں سے شغلِ حقّہ نوشی کرتے ہیں اور مساجد میں پانی کی جگہ پر (ٹھنڈے مقام پر) حقّہ رکھا جاتا ہے۔ البتہ پنجاب میں بکثرتِ استعمال کے باوجود معیوب سمجھا جاتا ہے۔

اگر کوئی صاحب لہسن اور پیاز کی حدیث شریف سے مفہوم اخذ کرے تو وہ جلنے اور اس کا کام ورنہ شرعاً حقہ مباح ہے۔ ہمارے حضرت شاہ محمد عبدالحئی نے نہایت ہی

بزرگانِ شان سے اِس بارہ میں ارشادات فرمائے ہیں۔ "سیرت فخر العارفین" حصّہ اوّل میں ملاحظہ کیے جا سکتے ہیں۔ ہمیں تو قیل وقال کی گنجائش ہی نہیں کیونکہ ہمارے حضرات شغلِ حقّہ نوشی فرماتے تھے، چار پشتوں تک تو ہمیں علم ہے۔ یہ ایک دُنیوی شغل ہے اور ہم بھی دُنیا داری میں دینداری کو پسند کرتے ہیں نہ کہ دینداری کے پردے میں دُنیا داری کو۔

تشنہ طلبی

مؤرخہ ۲۷ رجون ۱۹۴۹ء کو گارڈن ٹاؤن لاہور میں فرمایا:

بنجر اور غیر آباد زمین جب تک تشنہ نہ ہو۔ بارش نہیں ہوتی۔ سائنس دانوں نے یہ معاملہ بھی تحقیق کیا ہے۔ اِسی طرح پر ہم نے تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ جب تک طالبِ حق کی زمینِ دِل گرم نہ ہو اور تشنہ ہو کر بے قرار نہ ہو۔ نظرِ رحمت سے سیراب نہیں ہوتی۔ طالبِ حق کا دِل جب بے قراری سے تڑپتا ہے اور صاحبِ لُطف و کرم کی نظرِ عنایت کا مستحق ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی اپنی عنایات کا نزول فرما دیتا ہے۔ لہٰذا طالب کو اپنی طلب میں صادق اور بے قرار ہونا چاہیے تاکہ اس کی زمینِ دل بھی صاحبِ جُود و کرم کی نگاہِ عنایت سے سیراب ہو۔

تصوّرِ شیخ نعمتِ حق ہے

۲۸ رجون ۱۹۴۹ء کو گارڈن ٹاؤن لاہور میں ارشاد فرمایا:

اگر کوئی شخص کسی دینی یا دُنیوی امر امداد کا خواست گار ہو تو تصوّرِ شیخ کی بدولت اس کی امداد کر دینا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ بڑا غفور الرّحیم ہے۔ میرے حضرت پیر و مُرشد نے ایسا ہی فرمایا ہے۔

تصوّرِ شیخ نعمتِ حق ہے۔ مرید کو چاہیے کہ اِسی کو اپنی زندگی بنا لے۔ خُود کو مُردہ خیال کرے اور پیر و مُرشد کو جان (رُوح) تصوّر کرے۔ اپنی میت میں رُوح (تصوّرِ شیخ) داخل کر کے زندگی حاصل کر لے۔ ماسوئی تصوّرِ شیخ کوئی آسان ذریعہ قُربِ حق نہیں ہے۔ اِس سے

کسی بھی لمحہ غافل نہ ہونا چاہیے۔

اگر تلاشِ علم و فضل ہے تو پیر کی ذات سے محبت رکھو۔ یہی ذات سرچشمۂ علم و فضل ہے۔ اسی سے سب کچھ حاصل ہو گا۔ اِسی سے تسلیم و رضا کا مقام حاصل ہو گا۔ اِسی ذات کے قدموں میں رہ کر زندگی تسلیم و رضا کے سانچے میں ڈھلے گی۔ اسی کی نگاہِ عنایت سے غفلت کے پردے چاک ہوں گے اور یادِ خدا میں دُنیاداری کو ہرگز مانع و حائل نہ ہونے دینا چاہیے۔ پیر و مُرشد کامل کی وِلا (دوستی) سے اِنسان ولی اللہ ہے۔

اثر یہ ہے کہ قطب الدین، فرید الدین نظام الدین
ہر اِک ان میں کا ہو گیا خواجہ پرستی میں

پیرِ کامل کی پیروی سے اِنسان مرتبۂ ولایت کو پہنچ جاتا ہے۔ کوئی اِنسان صاحبِ حال ہوئے بغیر "وَلی" نہیں ہو سکتا اور بغیر پیرِ کامل کے "حال" حاصل نہیں ہو سکتا۔ کما قال عارف رومیؒ ؎

قال را بگذار و مردِ حال شو   پیش مَردِ کاملے پامال شو

ایک حدیث شریف میں آتا ہے کہ صاحبِ حال وہ صاحبِ ولائت بھی نہیں۔ مولوی صاحبان اِس حدیث شریف قُدسی کے قائل ہیں کہ اِنسان نوافل سے اس قدر قُربِ حق پا لیتا ہے کہ بمصداق حدیث شریف اللہ تعالیٰ اس کے ہاتھ پاؤں اور کان بن جاتا ہے اور وہ جو کچھ کرتا ہے اللہ ہی کرتا ہے۔ تو پھر بامر مجبوری یُوں کہ دیتے ہیں کہ اللہ ایسے بھی ہوں گے۔ جب کوئی عِلم و کَسب بغیر اُستاد کے حاصل نہیں ہو سکتا تو اللہ کی معرفت کے حصُول کے لیے اُستاد یعنی پیرِ کامل کی ضرورت اور شفقت و عنایت بدرجہ اولیٰ مطلوب متصور ہو گی۔ کما قال عارف رومیؒ ؎

پیر را بگزیں کہ بے پیر ایں سَفر   ہست بس پُر آفت و خوف و خطر

ایک حکایت

۲ راگست ۱۹۴۹ء کو بمقام گارڈن ٹاؤن لاہور فرمایا:

میری تنگدستی کے زمانہ میں دو بھائی (خادمان سلسلۂ عالیہ) رقم کی ایک تھیلی میرے پاس لائے۔ اس رقم کے حصول کے لیے انھوں نے اپنا کچھ مال و متاع فروخت کر دیا تھا۔ وہ کوئی زیادہ مالدار بھی نہ تھے۔ میری نظر ان کے خلوص اور حالات سے بخوبی روشن تھی۔ میں نے ان کے خلوص کو مدِ نظر رکھتے ہوئے وہ نذرانہ قبول کر لیا۔ کچھ دیر بعد ان سے کہا۔ کیا تم میری بات پر عمل کر سکتے ہو۔ کہنے لگے بسر و چشم۔ اس تھیلی میں جو رقم ہے یہ میں تمھیں اس شرط پہ دیتا ہوں کہ اسے میری امانت سمجھو اور اس میں تمھیں تصرف کرنے کی بھی اجازت ہے۔ اس رقم سے خوب کاروبار کرو اور اپنے بچوں کو کھلاؤ پلاؤ۔ یہ امانت تمھیں مستقل طور پر تفویض کرتا ہوں۔ واپس نہیں لوں گا۔ جیسا کہ باپ اپنے لڑکوں کو کچھ زر نقد کاروبار کے لیے دے دیتا ہے۔ مگر اصل مالک اس کا باپ ہی ہوتا ہے۔ ان تمام باتوں کے علاوہ خاص بات یہ ہے کہ اسے میری امانت تصور کرتے ہوئے اس میں حرام نہ ملانا۔ آخر کار وہ رقم لے گئے کاروبار کیا اور کامیاب ہو گئے۔ مرید کو چاہیے اپنا سب کچھ پیر ہی کا سمجھے اور خود کو ایک خادم اور امین سمجھے۔

کچھ شعر و شاعری کے بارے میں

۳ اگست ۱۹۴۹ء کو بمقام گارڈن ٹاؤن لاہور ارشاد فرمایا:

شعر و شاعری ایک اچھا ذوق ہے۔ اس سے ذوقِ سلیم پیدا ہوتا ہے اور جس شاعری کو ممنوع قرار دیا گیا ہے۔ وہ فحش کلام ہے۔ مجھے اس سے بڑا اُنس رہا ہے۔ یہ ایک خوشنما ذریعۂ تبلیغ بھی ہے۔ شاعری میں اُلجھن نہ ہو اور حدِ شریعت سے بھی نہ گزرے تو کوئی حرج نہیں ہے۔ اشعار تو حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور دیگر صلحائے اُمت نے بھی بکثرت ارشاد فرمائے ہیں۔ اشعار خوش الحانی میں پڑھے جائیں تو نہایت ہی مؤثر اور دلپذیر ہوتے ہیں۔

خوش الحانی بھی بڑی نعمتِ خداداد ہے۔ کلام مجید کو خوش آواز سے پڑھنے میں بڑا ثواب ہے۔ قرآن شریف میں صوتِ انبیاء علیہ السلام کی بڑی تعریف کی گئی ہے۔

اور لحن داؤدی تو خصوصیت سے مشہور ہے۔ میں پوچھتا ہوں کہ سماع اور کیا ہے جس پر کوئی معترض ہو سکتا ہے۔ البتہ فرق صرف مزامیر کا ہے۔ جو کہ معاونِ سماع ہے۔

اگر ہم با طریقہ و با ادب اور اہتمامِ سماع سنیں تو بدرجہا مفید و مؤثر ثابت ہوگا اور عشق و محبت خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں زیادتی کا باعث ہو سکتا ہے۔ اجمیر شریف میں حضرت سیدنا خواجہ بزرگ غریب نوازؒ کے آستانہ رحمت پر ایک صاحب یہ شعر ہمہ وقت پڑھتے اور طواف میں رہا کرتے ؎

دوزخ میں ڈال مجھے یا جنت میں ڈال دے
جلوہ دکھا کے خواجہ میری حسرت نکال دے

بالآخر وہ صاحب اپنی محبوب مراد کو پہنچے اور آستانہ عالیہ پر اسی حال میں داصل بحق ہوئے۔ اللہ جسے نصیب فرمائے۔ ذوق و شوق اور عشق و محبت کی موت کو کیا کہا جائے ؎

گر دمم صد بار قربانت شوم اے نازنین
آرزو دارم کہ قربانت شوم بارِ دگر

حضرت مولانا سید سکندر شاہ صاحب قبلہ اور مولانا عبدالقدیر شاہ صاحب، قبلہ میرے چچا پیر اور بڑے بزرگ تھے۔ دونوں حضرات اب وصال فرما چکے ہیں۔ یہ حضرات بڑے صاحب علم و فہم تھے۔ "سیرت فخر العارفین" کے تینوں حصے آپ حضرات کی سعیٔ جمیلہ سے پایۂ تکمیل کو پہنچے تھے۔ ہر دو حضرات نے سیرت شریف کی تکمیل کے وقت از راہِ بزرگانہ شفقت میری جانب بھی رجوع فرما کر سرفراز فرمایا کرتے تھے بعض معاملات میں رائے بھی طلب کی گئی۔ میری استدعا پر سلسلۂ عالیہ وارثیہ کے ایک بیان کو تحریر میں نہیں لایا گیا۔

ایک مرتبہ بموقع عرس شریف (شاہ محمد نبی رضا خاں) بمقام لکھنؤ تشریف لے گئے۔ حضرت مولانا سید سکندر شاہ صاحب قبلہ آستانہ عالیہ کی حاضری سے فراغت کے بعد باہر تشریف لائے اور اپنے خلفاء اور معزز خلفاء اور پیر بھائیوں سے میرے متعلق واضح الفاظ میں خطاب فرمایا کہ" ان کو صرف بھتیجا ہی نہ سمجھنا میں ان کو کچھ اور ہی دیکھ رہا ہوں۔

کہیں اس خیال میں پڑ کر کوئی نقصان کا سودا نہ کر بیٹھنا۔" حضرت مولانا صاحب موصوف (سید سکندر شاہ صاحب) مجھ سے فرمایا کرتے تھے کہ "ہر شخص کی حالت مجھ پر آئینہ کی طرح روشن ہو جایا کرتی ہے مگر بیان نہیں کر سکتا۔ مسئلہ وحدت الوجود بھی خوب سمجھا ہے مگر سمجھا نہیں سکتا۔ نصیر آباد میں آپ کی تعلیم و تلقین اور معاملات کو دیکھ کر محو رہتا ہوں۔ جس بے باکی اور خود داری سے آپ سلسلۂ عالیہ کی خدمات سر انجام دے رہے ہیں وہ آپ ہی کا مخصوص حصّہ ہے۔"

حلم و فہم اور بزرگی کے علاوہ بڑے احتیاط پسند بھی تھے۔ ایک مرتبہ غلام محمّد (راولپنڈی) نے مسئلہ وحدت الوجود کے متعلق استفسار کیا تو آنجناب (سید سکندر شاہ صاحب) نہایت بزرگانہ انداز میں احتیاط سے کام لیتے ہوئے احتراز فرمایا۔ حالانکہ موصوف بخوبی جانتے تھے کہ غلام محمد ہمارے خواص میں سے ہے۔

کفایت شعاری

پاکپتن شریف سے ایک صاحب حاضرِ خدمت مبارک ہوئے۔ "تنگدستی اور قرضداری سے نجات حاصل کرنے کے لیے ملتجی ہوئے۔ فرمایا محنت زیادہ کرو اور خرچ کم کرو اور ہر نماز کے بعد "رب أنی مغلوب فانتصر" پڑھتے رہنا۔ بعدہٗ فرمایا کہ:

مرید کو چاہیے کہ پیر کی محبت میں محو رہے اور ہر وہ چیز جو کہ پیر کی محبت میں حائل اور مانع ہو اسے دُور کر دینا چاہیے۔ ہمیں جو کچھ بھی حاصل ہوا۔ اسی عشق و محبّت کا طفیل و ثمرہ ہے۔

کچھ اپنی (تاج الاولیاءؒ) کی صحّت کے بارے میں

۱۶ ر اکتوبر ۱۹۴۹ء کو بمقام گارڈن ٹاؤن لاہور فرمایا:

لوگ مجھ سے میری صحت کے بارے میں کیا پوچھتے ہیں حالانکہ میری [illegible]ت ظاہر ہے مُردہ بدست زندہ۔ اور میں کبھی یہی کہہ دیا کرتا ہوں کہ ابھی تو زندہ ہوں۔ میری حالت کیا ہے؟

خدا ہی بہتر جانتا ہے اور میں تو یہی کچھ جانتا ہوں کہ میرے حضراتِ کرام کا فیض اور تصرف ہے بعدہٗ فرمایا۔ یاد رکھو تم لوگ مجھے بہت عزیز ہو۔ میری وجہ سے تمھیں ہمیشہ فائدہ ہی فائدہ پہنچتا رہے گا اور مجھ سے ہرگز کسی قسم کے نقصان کا امکان نہیں ہو سکتا۔ ہاں تمھارے فائدہ کے لیے ایک بات کہوں گا کہ مجھے دیکھو اور میرا عمل اختیار کرو۔ تمھارے لیے یہی کافی ہے ہمارے حضرات کے سلسلہ میں یہ بات بھی کیا خوب ہے کہ آدمی کامل کارِ دنیا اور کارِ دین میں ہوتا ہے۔

درحقیقت یہ تصرفات و احسانات حضرت بڑے صاحبؒ (سیدنا حضرت غوث اعظم) ہی کے ہیں۔ میں تو حضرتؒ کے نام کا ایک بندہ ہوں۔ تم سب کو انھی کا مرید سمجھتا ہوں۔ مرید کو چاہیے کہ طلبِ حق میں صادق رہے۔ دل کی اس طرح دربانی کرے کہ ماسویٰ اللہ کا خیال تک گزر نہ سکے۔ یاد رکھیے مرید کی حالت پیر کے ہاتھ میں ہوتی ہے اور پیر کا ہاتھ ہر جگہ پہنچ سکتا ہے۔

تمھاری والدہ (محترمہ مخدومہ عالمہ زوجہ محترمہ تاج الاولیاءؒ) نے میری بہت خدمت کی ہے اور تمھاری نگہداشت و پرورش میں بھی کوئی کسر باقی نہ اٹھا رکھی۔ ابتدا ہی سے ساری ساری رات مجالس لگی رہتی تھیں اور وقت بے وقت آنے والوں کا کھانا اور چائے وغیرہ ہمہ وقتی کام تھا۔ انھوں نے ہمیشہ فراخدلی، حوصلہ مندی اور سلیقہ شعاری سے مہمانوں اور عزیزوں کی دیکھ بھال جاری رکھی ہے۔ مجھے اُن کا ہر مشورہ مفید رہا ہے۔ اور ہر قدم پر میرا ساتھ دیا ہے۔ تکالیف کے ایسے دَور بھی آتے کہ مرد بھی ہار جاتے۔ مگر انھوں نے میرے ساتھ دامنِ استقامت مضبوط رکھا۔ میں نے بھی ان کی بہترین خدمت کا صلہ دے دیا ہے۔ یہ کوئی ان کے دل سے پوچھے۔ میں اتنا کہہ سکوں گا کہ میں ان کی خدمت سے راضی ہوں۔ اور دعا کرتا ہوں۔ میں اکثر بیمار رہا کرتا ہوں۔ ایسے عالم میں ایک ہی کیفیت اندازہ کے لیے کافی ہے کہ جب مجھے رات کے کسی حصہ میں ذرا سی بھی کھانسی ہو تو دیکھتا ہوں کہ وہ سرہانے کھڑی پوچھ رہی ہوتی ہیں۔ "کیا ہوا خیریت تو ہے۔" اب تو ان کی نگرانی مہمانوں کی دیکھ بھال اور میری خدمت اس

ضعیفی کے عالم میں اُن کی ہمت و خلوص کا خاص مظہر ہے۔

حقیقت شناسی

فرمایا: ایک مرتبہ مجھے اجمیر شریف کے ایک بزرگ ایک دُوسرے بزرگ کی مجلس میں لے گئے۔ موصوف کی بزم میں حاضرین نہایت مئودب بیٹھے تھے۔ شاید میرے ساتھی بزرگ سے ان کی پہلے سے کچھ بے تکلفی ہوگی۔ انھوں نے موصوف سے دریافت کیا۔ "حضرت، سر برہنہ رہنے کی کیا وجہ ہوسکتی ہے؟" بزرگ موصوف نے جواب دیا: ؎

سر برہنہ نیستم دارم کلاہِ چہار ترک
ترکِ دُنیا ترکِ عقبیٰ ترکِ مولا ترک ترک

ہر دو بزرگ محظوظ ہوتے رہے۔ میں نے ایک ہی نظر سے اندازہ کرلیا تھا کہ محظوظ ہو رہے ہیں۔ مگر اس کی حقیقت سے ناآشنا ہیں۔ اگرچہ میرا ابھی ابتدائی زمانہ تھا۔ مگر حضرت (پیر و مُرشد) کے کرم سے اُسی وقت کماحقہٗ واقف ہوگیا۔ اور حاضرین کی کیفیت بھی مخفی نہ رہ سکی۔ تم لوگ ابھی نہ سمجھوگے۔ مگر اللہ تعالیٰ جسے فہم عطا کردے یہ اُس کی عنایت ہے۔

اللہ تعالیٰ حضورِ سرورِ کائنات کا مُبتلا ہے

بمقام لاہور مؤرخہ ۴؍نومبر ۱۹۴۹ء کو ارشاد فرمایا:

ہر عاشقِ صادق کا یہ خاصہ ہوتا ہے کہ اپنے محبوب کی یاد اور محبت میں مُبتلا رہے۔ اور اُس کی رضاجوئی کا خواہاں ہو۔ تمام خلقِ خُدا اپنے خالق و مالک کی عاشق و شیدا اور اس کی رضاجوئی کا خواہاں ہے۔ اور خُود خالق و مالک اپنے محبوب جناب رسالتمآب علیہ الصلوٰۃ والسلام کا شیدا ہے اور رضاجوئی کا خواہاں ہے۔ بلکہ شیدا ہی نہیں "مُبتلا" ہے۔ قرآنِ کریم میں ارشادِ حق سبحانہٗ وعزّ برہانہٗ ملاحظہ کیجیے۔ ان اللہ وملائکتہ یصلون علی النبی یا ایھا الذین اٰمنوا صلوا علیہ وسلموا تسلیما۔ یہ اَمر کا صیغہ ہے۔ قیل و قال کا مقام نہیں۔ بے دلیل ماننا ہوگا اور یہ خطاب اہلِ ایمان ہی کو ہے۔ میں کہتا ہوں کہ

اللہ تعالیٰ اپنے فرشتوں کے ہمراہ نبی کریم کی ذات پر صلوٰۃ بھیجتا ہے اور تعیّن حد و اوقات بھی نہیں ہے اور جمیع اہلِ ایمان کو بھی یہی اَمر فرمایا جاتا ہے۔ تو اب مُبتلا ہونا اور کیا ہوتا ہے۔

افسوس ہے ایسے شخص پر کہ باوجود اُمتی ہونے کے آپ کی ذات محبوبِ کبریائی پر بھی کوئی دلیل و شبہ رکھتا ہو۔ حق تو یہ ہے کہ بے دلیل مانا جائے۔ حق سُبحانہٗ و تعالیٰ نے روزِ اوّل ہی سے اَرواحِ مقدسہ انبیاء علیہم السلام سے عہد لیا تھا کہ ان کے دورِ رسالت میں اگر حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم جلوہ گر ہوں تو تسلیم کرنا ہوگا۔ اب معلوم ہوا کہ جمیع انبیاء علیہم السلام کو بھی آپ کی ذات سے بدرجۂ اتم محبت تھی۔

ہستئ موہومہ کو مٹانے سے ہی گوہرِ مقصود حاصل ہوتا ہے

مورخہ ۱۶ر نومبر ۱۹۴۹ء کو گارڈن ٹاؤن لاہور میں فرمایا:

حضرت سیّدنا رئیس الطائفہ خواجہ جنید بغدادیؒ اولیائے متقدمین و کاملین میں سے ہوئے ہیں۔ آپ کے ایک خادم نے جو کہ عرصہ دراز تک حاضرِ خدمت رہا۔ جملہ فرائضِ خدمت بھی انجام دیتا رہا۔ ایک روز عرض کیا۔ حضرت! میرے سامنے لاتعداد افراد آتے اور گوہرِ مقصود پاتے رہے۔ مجھ سے کیا خطا ہوئی کہ ہنوز روزِ اوّل است۔ اس پر خواجہ صاحبؒ نے فرمایا۔ ایک پودا گلاب کا مع جڑ و تنے اور پتے میرے پاس لاؤ۔ چنانچہ پودا لایا گیا۔ آپ نے سب پھول پتے اور جڑوں وغیرہ کو توڑ کر یک جان کر کے ایک ڈبیہ میں بند کر کے رکھ دو۔ دُوسرے روز خادم کو حکم ہوا کہ پھولوں والی ڈبیہ لائی جائے۔ چنانچہ لائی گئی۔ فرمان ہوا کہ ہر جُزو کی الگ الگ خوشبو سونگھیے۔ اس پر عرض کیا گیا کہ سب میں ایک ہی خوشبو ہے۔ فرمایا کہ سب جُزو ٹوٹ ملے تو یک جان ہوئے اور یک جان ہونے سے ہر جُزوِ گلاب میں گُل گلاب کی خوشبو پائی گئی اور ٹوٹ کر نہ ملتے تو ہر جُزوِ گلاب میں گُل گلاب کی خوشبو نہ پائی جاتی۔

اب معلوم ہوا کہ جب تک پھول کی ذات میں اس کی صفات فنا نہ ہوئی۔ فیضِ ذات

سے محرومی کا سامنا رہا۔ جب تک تم بھی پیر سے ٹوٹ کر نہ ملو گے اور یک جان نہیں ہو گے مطلوبہ خوشبو کہاں سے پیدا ہو گی۔ اپنی ہستی موہومہ کو پیر کی ذات میں فنا کر کے تم بھی گوہرِ مقصود حاصل کر لو۔

طلب صادق کے بغیر پیری مریدی بے لطف و بے کیف ہے

طلبِ حق کے بغیر مرید ہونے اور مرید رہنے کا کوئی فائدہ نہیں۔ ہم نے عمر بھر اسی نظریہ پر سختی سے عمل کیا ہے اور مرید بن کر ماسوئ اللہ کوئی غرض و واسطہ نہیں رکھا۔ آج جو کچھ تم دیکھ رہے ہو۔ یہ تمام میرے حضرات کی توجہ اور تصرفات و احسانات کے طفیل ہے اور میرے معاملہ صفائی اور سچائی کا ثمر ہے۔

اجمیر شریف کے سجادہ نشین جناب سید آلِ رسول صاحب مرید ہونے کی کوشش کرتے رہے اور مجھے معلوم ہو گیا تھا کہ وہ اس طور سے عزت و اثر حاصل کرنا چاہتے ہیں اور طلبِ حق موجود نہیں اور منجانب حضرت خواجہ غریب نوازؒ سجادہ نشین بھی نہیں تھے۔ انھیں انگریزوں نے سجادگی پر مقرر کیا تھا۔ اِس لیے ہم نے مرید نہیں کیا۔ البتہ اُن کے بھائی آلِ نبی صاحب ہیں کچھ طلب ضرور موجود تھی۔ انھیں مرید کر لیا گیا۔

پیر اور مرید کے درمیان رابطہ اور مقصدِ ترکِ دنیا

۳۰ مارچ ۱۹۵۰ء کو بمقام گارڈن ٹاؤن لاہور فرمایا:

آج ہمارے پیر و مرشد فخر السالکین سلطان العارفین اسدِ جہانگیری حضرت شاہ محمد نبی رضا خاں کا عرسِ مبارک ہے۔ کہاں کہاں سے دنیا کھنچی چلی آ رہی ہے۔ ذوق و شوق میں ہر شخص دیوانہ معلوم ہو رہا ہے۔ ہر آنکھ اشکبار اور ہر دل تڑپتا ہوا پایا جاتا ہے۔ یہ سب میرے حضرات پیرانِ عظام کے ہی کرم ہیں۔ کس قدر ذوق و شوق کا غلبہ ہے مگر اللہ تعالیٰ نے سنبھال بھی رکھا ہے۔ اپنا کوئی دیوانہ صحرا نہ ملے گا۔

یاد رکھیے۔ دلوں کی ڈور پیرِ کامل کے ہاتھ میں ہوتی ہے۔ مرید کو جہاں اور جس حالت

میں چاہے رکھے مگر اس کے لیے "نسبت" تامہ (کامل قلبی تعلق) کا حصول ضروری ہے۔
"نسبت" کے بغیر پیر اور مرید کے مابین رابطہ قائم نہیں ہو سکتا۔ خواہ مرید حاضرِ خدمت ہی کیوں نہ ہو۔ اور "نسبت" قائم ہو جانے پر ہزاروں میل کے فاصلہ پر بھی مرید اپنے پیر کے نزدیک ہوتا ہے۔ اسی نسبت ہی کے طفیل بعد وصال بھی فیض حاصل ہوتا رہتا ہے۔
بس یوں سمجھو کہ مرید پتنگ اور پیر پتنگ باز، اگر پتنگ باز کے ہاتھ میں پتنگ کی ڈور ہو گی تو ہی پتنگ اُڑائی جا سکے گی۔ ڈور کے بغیر بھلا پتنگ باز، پتنگ کیسے اڑائے گا۔ اور وہ ڈور "نسبت" ہے۔ اور اپنے پیر کے ساتھ محبت رکھنے اور مکمل طور پر اتباع اختیار کرنے سے قائم ہوتی ہے۔ راہِ خدا میں کامیابی حاصل کرنے کے لیے نسبت کا قیام انتہائی ضروری ہے۔ ہاں اللہ تعالیٰ اپنے لطف و احسان سے جسے یہ سعادت عطا کرے یہ اُس کا فضل ہے۔

ہمارے حضرات کے سلسلۂ عالیہ میں یہ بات بھی کیا خوب ہے کہ آدمی کارِ دُنیا میں کامل ہونے سے ہی راہِ خدا میں کامل ہوتا ہے۔ اللہ اللہ کرنے والوں کی دُنیا بھی سُدھر جاتی ہے اور دین بھی سنور جاتا ہے۔ زندگی ایسی ہی ہونی چاہیے کہ "ہتھ کار وَل، دِل یار وَل"۔

اہل و عیال سے دس گنا محبت و شفقت رکھو، لُطفِ خاص نصیب ہو گا۔ ترکِ دُنیا یہ نہیں کہ ہر چیز سے الگ ہو جاؤ اور دِل دُنیاؤں آرزوؤں میں اُلجھا رہے۔ جسم کو دُنیا سے الگ کر لینے سے کیا حاصل۔ لُطف اِس میں ہے کہ بظاہر دُنیا داری سے متعلق رہو، مگر دِل میں ماسوئی اللہ کسی چیز کی آرزو اور حسرت نہ ہو۔ ہر نفع و نقصان سے بے نیازی اور تسلیم و رضا کی خُو پیدا ہو جائے۔ یہی ترکِ دنیا ہے۔ حضرات سلفِ صالحین ہی یہی راستہ ہے۔ کما قال عارف رومیؒ ؎

چیست دُنیا از خُدا غافل بدن
نے قماش و نقرہ و فرزند و زن

"وماخلقت الجن والانس الالیعبدون" کا مطلب یہ ہے کہ ماسوئی عبادتِ حق

تعالیٰ زندگی کا کوئی مقصد نہیں اور "لیعبدون" کی تفسیر میں علمائے مفسرین نے عبادت سے مراد معرفت مقصود فرمائی ہے۔ بغیر معرفت عبادت کما حقہٗ نہیں کی جا سکتی۔ زبانی عبادت کے ساتھ قلبی عبادت بھی ہو تو اُس وقت تکمیلِ عبادت ہو سکے گی۔ تو آیۂ کریمہ کا مطلب یہ ہوا کہ جنوں اور انسانوں کا مقصدِ تخلیق معرفت کا حصُول ہے۔

نوافِل کے زُمرہ میں کیا کیا آتا ہے

ذریعۂ قُربِ حق کیا ہے؟ سُنیئے حدیث شریف میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ "جو شخص نوافل سے میرا قُرب حاصل کر لیتا ہے۔ تو میں اُس کے کان ہو جاتا ہوں۔ جن سے سُنتا ہے۔ میں اُس کی زبان ہو جاتا ہوں جس سے کلام کرتا ہے۔ میں اُس کے ھاتھ ہو جاتا ہوں وغیرہ وغیرہ۔

معلوم ہوا کہ نوافل باعثِ قُربِ حق ہیں۔ مَیں کہتا ہُوں یہی نہیں کہ نوافل پڑھ لیے جائیں تو وہ نفلی عبادت ہے بلکہ طریقت میں جو بھی افعال عشق و محبت میں سر انجام دیے جاتے ہیں، تمام نفلی عبادت ہیں۔ اور انسان کو کامل بنا دیتے ہیں اور اُن فرائض سے بہتر ہیں جو انسان کو متکبّر و مغرُور بنا دیں۔ خُدا اور رسُول کے احکام کے تحت جو بھی دُنیوی امُور سر انجام پاتے ہیں، سب نفلی عبادت ہیں۔ نماز، روزہ اور حج و زکوٰۃ وغیرہ کی ادائیگی تکمیلِ فرائض ھی کہلائے گی۔ مگر باعثِ قُربِ حق تو نوافل ھی ہیں جو کہ مظاہرِ عشق و محبت ہیں۔ چہ جائیکہ عشق و محبت کے معاملات اور حقُوق العباد کی نگہداشت سے غفلت برتی جاتے۔ حالانکہ شریعت میں از حد تاکید ہے کیونکہ باعثِ قُربِ حق ہیں۔ ؎

زُھد و تقویٰ و ریاضت سے خُدا مِلتا نہیں
جس سے پاتے ہیں خُدا وُہ تو مُنتر اور ہے

بابِ معرفت اور قُربِ حق کی کُنجی تو حضرات اولیاء اللہ کے ھاتھ میں ہے۔ اِسی لیے کہا گیا ہے ؎

یک زمانہ صحبتے با اولیاء
بہتر از صد سالہ طاعتِ بے ریا (رومیؒ)

مصائب پر صبر باعثِ تکمیلِ منازل

۲۸ر مارچ ۱۹۵۰ء کو بمقام گارڈن ٹاؤن کوٹھی نمبر ۶، لاہور ارشادِ عالیہ ہُوا:
مصیبت میں گھبرانا نہیں چاہیئے۔ انسان دُکھ اور سُکھ کا ایک پُتلا ہے اور وقت سائے کی طرح بدلتا رہتا ہے۔ مصائب میں عزم راسخ اور ارادہ قوی ہونا چاہیئے۔ اللہ تعالیٰ ایسے عالم میں استقامت بخش دے تو بڑی سعادت ہے۔

یاد رکھیے طالبانِ مولیٰ پر منجانب اللہ تعالیٰ اِس قسم کے اثرات ظہور پذیر ہُوا کرتے ہیں۔ گھبرانا نہ چاہیئے۔ ایسے اثرات صفائی قلب اور تزکیۂ نفس کے علاوہ تکمیلِ منازل کا باعث ہوتے ہیں۔ "لا یکلف اللہ نفساً الا وسعہا" نہیں تکلیف دی جاتی کسی جی کو مگر اس کی قوتِ برداشت تک مصیبت میں آدمی اپنے پیر و مُرشد کو یاد کرتا ہے۔ حضرت رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے رحم و کرم اور شفاعت کی التجا کی غرض سے رجوع کرتا ہے۔ خُدا تعالیٰ سے توبہ و استغفار کرتا ہے۔ یہ سب صفائی قلب اور تزکیۂ نفس کے اسباب ہیں۔ اور مصائب کے پردہ میں رحمتِ کاملہ کے احسانات و اِنعامات کا ظہور کار فرما ہے۔ جیسا کہ صبر کرنے والوں کے لیے اللہ تعالیٰ کے اِنعام "معیت" کی خوشخبری دی گئی ہے۔ "اِنَّ اللہ مع الصابرین۔"

حکیمِ کامل ہمیشہ علاج سے قبل مریض کا تزکیہ اور وجود کی صفائی کرتا ہے اور صحت بخش ادویات اور شربت ہائے روح افزا وغیرہ ما بعد دیتا ہے۔ والدین بچوں کو کڑوی دوائیں اُن کی صحت کے لیے دیتے ہیں۔ بچوں کے چیخنے چلانے سے یہ اندازہ نہیں کیا جا سکتا کہ اُن کے لیے والدین کے دِل میں رحم و شفقت نہیں ہوتی ہے بلکہ حقیقی شفقت یہی ہوتی ہے کہ جس میں دائمی عافیت نظر آتی ہے۔

چار آنے کی ہانڈی کو ٹھوک بجا کر اُس کا سودا کیا جاتا ہے۔ طالبانِ مولیٰ کی بھی آزمائش

ہوتی ہے اور بازارِ عشق و محبت کی بیع میں خسارہ ہو ہی نہیں سکتا۔ جس (سودے) کا نعم البدل رضا ولقا ہو اس کے سامنے ہر متاع دمایہ محض ھدیہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اس فرمانِ مقدس پر غور کیجیے۔ "ولا تقولوا لمن یقتل فی سبیل اللہ اموات۔ بل احیاء عند ربھم لا تشعرون ولنبلونکم بشیءٍ من الخوف والجوع ونقصٍ من الاموال والانفس والثمرات وبشر الصابرین الذین اذا اصابتھم مصیبۃ قالوا انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اولئک علیھم صلوات من ربھم ورحمۃ"۔

ترجمہ: اور مت کہو واسطے اُن لوگوں کے جو مارے جاتے ہیں بیچ راہ خدا کے "مُردہ" بلکہ وُہ زندہ ہیں مگر تم نہیں سمجھ سکتے اور البتہ ہم تم کو آزمائیں گے ساتھ کسی چیز کے ڈر سے۔ اور بھوک سے اور اموال کی کمی سے اور جانوں کی سے اور پھلوں کی سے، اور خوشخبری دے صبر کرنے والوں کو۔ جب اُن کو مصیبت پہنچتی ہے تو وُہ کہتے بے شک ہم اللہ کے واسطے ہیں اور بے شک ہم اُسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔ یہ لوگ ہیں کہ اُن پر "درُود" ہے۔ اُن کے رب کا اور رحمت اور یہی وہ لوگ ہیں ہدایت پانے والے۔

مختصر مفہوم یہ ہے کہ اللہ کے راستے میں قتل (شہید) ہونے والوں کو مُردہ مت کہو وہ کس طرح سے زندہ ہیں۔ یہ تم نہیں سمجھ سکتے اور "ولنبلونکم بشیءٍ" یعنی میں تمھیں آزماؤں گا کسی چیز سے اور وہ تشریح بھی موجود ہے۔ یہ سب بڑی کڑی آزمائشیں ہیں۔ جو اِن آزمائشوں میں ثابت قدم رہتا ہے۔ وہ اپنے رب کی رضا اور خوشنودی حاصل کر کے مالکِ حقیقی کی رحمت، مہربانیوں اور ھدایت کا مستحق ہو جاتا ہے۔ یہ سب انعامات کڑی آزمائشوں کی راہ سے گزرنے کے بعد ہی حاصل ہو سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اِستقامت نصیب فرمائے۔ (آمین)

حجابات کا ذکر

فرمایا۔ عشقِ رسُولِ مقبول صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم بہت بڑی نعمتِ خداداد ہے۔ اسے حاصلِ دو عالم سمجھنا چاہیے۔ سُنو! تم میں بعض لوگ ایسے ہیں جو قلب کے ذاکر ہو جانے کو کمالِ

فقیری سمجھتے ہیں۔" قلب کا ذاکر ہونا بہت اچھی بات ہے۔ مگر راہ کمال مراقبہ کے حاصل ہونے میں ہے۔ دراصل دل جو کہ جسم انسانی کا بادشاہ ہے اور تمام اعضاء پر حکومت کرتا ہے۔ وہ اگر صحیح ہو جائے تو نیت ونگاہ وغیر تابعین خود بخود اسی سانچے میں ڈھل جائیں گے بعض لوگ اس راہ میں چلتے ہوئے معمولی اور غیر مفید خیالات میں پھنس کر رہ جاتے ہیں اور حجابات کے باعث حیران ہو جاتے ہیں معلوم نہیں کہ کشف وکرامات اور خلافت کو کیا کریں گے۔ حالانکہ طالب حق کا مقصود ماسوا رضائے حق کچھ بھی نہیں کہ جس کے حصول کے لیے استقامت ہی درکار ہے۔ اور" نسبت تامہ" کے حصول کی کوشش کرنی چاہیے اس کے حصول سے ہر چیز بے طلب ملے گی۔ راہ خدا میں ماسوئی اللہ کوئی آرزو نہ رکھنا چاہیے۔ ورنہ آرزوئے غیر حجابات کے سوا کوئی فائدہ نہ دے گی اور کامیابی محدود ہو کر رہ جائے گی۔ مجھے دیکھو اور میری پیروی اختیار کرو۔ اس دور میں اور اس عمر میں کس طرح فقیری کی ہے۔ ابتداء میں میں کسی سے بات بھی نہ کرتا تھا۔ اپنی لگن میں مگن رہا کرتا تھا۔ کوئی آرزو بھی نہ تھی۔ کوئی دعا بھی نہ مانگتا تھا۔ بس حضرت (پیرو مرشد) کی محبت میں غنی ہو گیا تھا اور اب تم لوگ دیکھ رہے ہو اور عمر بھر دیکھتے رہو گے۔ میری تمام دولت حضرات کی یاد اور محبت ہی ہے اور یہ سب اسی محبت کے کرشمے ہیں۔

اور سنو! دو فقیروں کی صحبت سے پرہیز ضروری ہے۔ ایک جاہل اور دوسرے مجذوب فقیر کی صحبت سے پرہیز جاہل کو معرفت حق نصیب نہیں ہو سکتی اور وہ متوکل بھی نہیں رہ سکتا۔ اور ہمارا مسلک اتباع شریعت اور محبت کاملہ پر منتج ومبنی ہے۔ ہمارے مسلک میں سالک کو توکل شعار اور معرفت جو ہونا ضروری ہے۔ ورنہ سالک کامیاب نہ ہو سکے گا۔

اور مجذوب پر احکام الٰہی اور ارکان اسلام کی کوئی قید وپابندی نہیں ہوتی۔ معلوم ہوا کہ حد شریعت سے باہر ہے۔ اور شریعت سے باہر کوئی ذریعہ باعث حصول معرفت و قرب حق نہیں ہو سکتا۔ اکثر لوگ مجذوب فقراء کے پیچھے بہت پھرتے ہیں۔ حالانکہ وہ خود پریشان حال ہوتے ہیں اور اپنے آپ کو بھی نہیں سنبھال سکتے۔ دوسرے کو کیا فیض

کر سکتے ہیں۔ بجائے نفع کے نقصان ہی دے سکتے ہیں۔

رسمی پیری مریدی کا بیان

۲۹ر مارچ ۱۹۵۰ء کو بمقام گارڈن ٹاؤن کوٹھی نمبر ۶ لاہور، ارشادِ عالی ہوا:

بعض پیروں نے مریدوں کی زندگی تباہ کر رکھی ہے۔ باعث حصولِ معرفت و قربِ الٰہی نہیں بلکہ باعثِ حجاب بنے ہوتے ہیں۔ ایسے پیر نفس پرستی اور جاہ طلبی کے جوابدہ ہوں گے۔ اس لیے کہ خدمتِ اسلام میں کوتاہی کے مرتکب ہیں۔ میرے پیر و مرشد نے وصال سے بیس روز قبل مجھے خلوت میں ہدایت فرمائی تھی کہ:

(۱) خالق سے سچائی برتنا اور "رضا جوئی" کی کوشش کرنا۔ خالق سے سچائی یہ ہے کہ اس کی مخلوق کو راضی رکھا جائے۔ بس سچائی اور رضا جوئی خالق یہی ہے۔

(۲) مریدین سے نذر و نیاز کی آرزو نہ رکھنا۔ اگر "خود" میں آرزو نہ ہو تو اُن (مریدین) کی آرزو کو رد نہ کرنا۔

(۳) کچھ عرصہ بعد مسئلہ بُعد حل ہو جائے گا۔ کسی فکر کی ضرورت نہیں۔ میرے انتظار میں رہنا ؎

سرِ سلطاں را مگوئی پیشِ کس
تا نریزی قند را پیشِ مگس

اللہ تعالیٰ روزِ محشر ایسے پیروں سے دریافت فرمائے گا جو کہ اِس منصب کے اہل نہیں ہیں کہ طالبانِ حق کو نعمتِ معرفت سے کیوں محروم اور انھیں یہ نعمت کیوں نہ پہنچائی گئی اور اگر خود بے بہرہ تھے تو حاصل کرنے کی کیوں نہ سعی کی گئی۔ اُس وقت رسم و رواج اور خواہشاتِ نفسانی کے تحت پیری مریدی کرنے والے کیا جواب دیں گے۔ طالبِ حق کو تعویذ اور گنڈے سے کیا واسطہ۔ افسوس ہے کہ جب طالبانِ حق کو تعلیمِ معرفت و قربِ الٰہی نہیں دی جاتی تو مریدھی کیوں کیا جاتا ہے۔ بلکہ خود تشنہ دُوسرے کو دعوت سیرابی کیا دے سکتا ہے بجائے ثوابِ مُفت کا عذاب کیوں حاصل کیا جاتا ہے۔

میں کہتا ہوں کہ ایک شخص راہِ خدا میں بیع (مرید) ہوتا ہے اور اِسی لیے اپنی تمام عزیز صرف کر دیتا ہے۔ اور پیر نے وہ تعلیم ہی نہ دی جو باعثِ قربِ الٰہی اور معرفت ہو۔ بلکہ خود بے علم و بے بہرہ ہوتے اور مخلوقِ خدا کے لیے سدِ راہ اور حجاب بن بیٹھے۔ لہٰذا جو پیر صاحبان صحیح تعلیم و تلقین نہیں دے سکتے اور وہ مرید بھی کرتے ہیں۔ خاص طور پر مجرم حق ہیں۔ قدرتِ کاملہ خود ان سے انتقام لے گی۔ اور مدعی "قادر و قیوم" ہو گا۔ غور و فکر کر لیا جائے۔ کوئی شخص کتنا ھی علم حاصل کرلے۔ مگر معرفتِ الٰہی تو کسی عارفِ کامل اور صاحبِ معرفت ہی سے نصیب ہو گی!

یاد رکھیے۔ کسی صاحب نسبت بزرگ کے بغیر کسی مرید کو راہِ معرفت و قرب حاصل نہیں ہو سکتا۔ کلید کامیابی تو حضرات اولیاء اللہ کے مبارک ہاتھوں میں ہے۔ غیر نسبتی پیر کے مرید کو مراقبہ بھی کوئی فائدہ نہیں دیتا۔ پیر ہمیشہ صاحب نسبت بزرگ ہونا چاہیے۔ میں اعلان کرتا ہوں اور قبل ازیں بھی یہی اعلان کر چکا ہوں۔ پھر بھی غور و فکر سے سن لو۔

میرا اور تمھارا (مریدوں) کا تعلق محض اللہ واسطے کا ہے۔ اگر اس واسطۂ مقدس کے درمیان میرا اور تمھارا تعلق کسی دیگر منشاء کے تحت ہو تو اللہ واسطے کا معاملہ نہیں رہے گا۔ میں تمھاری اعلانیہ تسکین کرنے کو تیار ہوں۔ حشر میں دامنگیر ہونا تو اور بات ہے۔ راہِ حق میں جس شخص کی تسکین نہ ہوئی ہو وہ مجھے آج ھی کہہ سکتا ہے۔ اس کی تسکین کرانا مجھ پر فرض ہو گا اور اگر کسی کی تسکین کا سامان ہم سے فراہم نہ ہوا تو اُسے اجازت ہے کہ جہاں سے اُسے فائدہ حاصل ہو سکتا ہو۔ حاصل کرلے اور جہاں چاہے مرید ہو سکتا ہے۔ آج وقت ہے۔ تم لوگ جوان ہو، ہمت سے کام لو۔ سب کچھ ہو سکتا ہے۔ میں تم سب کے لیے کہتا ہوں تمھیں بھی اپنے فرائض سے غفلت نہ کرنی چاہیے تاکہ جلد گوہرِ مقصود سے جھولیاں بھری جائیں۔ میرے دل میں تمھارے (مریدین کے) لیے کچھ عجیب درد ہے۔ تمھاری حالت سے باخبر رہتا ہوں۔ تم لوگ مجھے بہت عزیز ہو اس لیے تنبیہ کر دیتا ہوں کہ میرے درگزر اور تنبیہ کر دینے سے تمھارا ہوشیار ہو جانا ہی تمھارے لیے مفید ہو گا۔ یاد رکھیے۔ فقیر جب تک قبر سے باہر

ہے۔ ہرگز خطرہ سے باہر نہیں۔ ہوشیار رہنا چاہیے۔

تُم لوگ اکثر پنجاب کی پیری مُریدی دیکھتے ہو گے۔ ہمیں اپنے مقصود پر نظر رکھنا چاہیے۔ رسم و رواج سے طالبِ حق کو کیا سروکار۔ پنجاب کے پیر صاحبان کی اکثریت "نسبتی" تعلیم سے خُود تو بے خبر ہو رہی ہے۔ مگر مُریدا اپنے صدق پر قائم ہیں۔ پیر صاحبان کو غلبۂ نفس یا نقصِ تربیت کا احساس ہی نہیں ہے۔ بعض ایسے پیر صاحبان اپنے بزرگوں کے مزاراتِ متقدسہ کے طفیل عیش و عشرت میں کھوئے ہُوئے ہیں اور اپنے فرائض کا احساس ہی نہیں۔ جب وُہ خُود "نسبتی" تعلیم سے بے بہرہ ہیں تو اپنے مریدین کو لاعلم اور بے طلب زندگی سے کیا فائدہ پہنچا سکتے ہیں۔

ہمارے سامنے جب کوئی آتا ہے تو اس کی حالت سے کماحقہٗ آئینہ کی طرح آگاہ ہو جاتے ہیں۔ جسم تو ہیں مگر جان نہیں، اس کے سوا اور کیا کہیں۔ ہمیں بزرگان کی ایسی اولاد کو دیکھ کر بڑا دکھ ہوتا ہے۔ اس لیے اس بارے میں درد محسوس ہوتا ہے۔ یہ کوئی ذاتیات کی بات نہیں۔ ہم تو ان کے حق میں دُعا کرتے ہیں۔ پیر کا حق ہے کہ کم از کم مُرید کو اطمینانِ قلب تو ضرور کرا دے۔ اگر اطمینانِ قلب میسر آجائے تو یہ بھی غنیمت ہے۔ ورنہ پیر کے فرائض و حقوق اور اختیارات تو فہم سے بالاتر ہیں۔ اکثر لوگوں سے جو غیر شرعِ افعال سرزد ہوتے ہیں۔ وہ اسی نسبتی کمزوری کا باعث ہوتا ہے۔ جو کہ اس متقدس طائفہ کو بھی بدنام کرتے رہتے ہیں۔

٢ر اپریل ١٩٥٠ء کو بمقام گارڈن ٹاؤن لاہور ارشاد ہُوا۔

ہر پیر کامل پیر نہیں ہُوا کرتا۔ یہ تو اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم پر منحصر ہے۔ جسے چاہے صاحبِ حال اور صاحبِ تصرف فرما دے۔ پیرِ کامل کی زندگی کا سرمایہ اتباعِ شریعت اور محبتِ رسُولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلّم ہے۔

میرے حضرت سیدنا شاہ محمد نبی رضا خاں قُدس سرّہٗ العزیز کا سلسلۂ فیض قائم و

دائم ہے۔ حضرات بزرگان میں سے جو حضرات حینِ حیات ہیں۔ خلقِ خدا کو فیض یاب فرماتے ہیں۔ اور تعلق و رابطۂ روحانی رکھتے ہیں۔ بعد وصال بھی برابر سلسلۂ فیض جاری رہتا ہے تھوڑی سی خدمتِ خلق ہم نے بھی کی ہے۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائے ؎

زمانے میں زمانہ آپکے گن گاتے گا
حشر تک بجتی رہے گی نوبتِ شاہِ رضا

میں اگر چاہوں تو ایک عالم کو مجذوب بنا سکتا ہوں۔ مگر یہ کوئی فیض و فائدہ یا فلاح کی راہ نہیں ہے۔ طلبِ حق صدقِ دل سے ہو تو قدرت خود رہبری و راہنمائی کرنے کے لیے اسباب پیدا کر دیتی ہے۔ میرے سامنے ایک ایسا نزاز و موجود ہے۔ جسے چاہتا ہوں وزن کر لیتا ہوں اور اُسے کھینچ لیا کرتا ہوں۔ سلسلۂ عالیہ میں آج جس قدر ذوق و شوق موجود ہے۔ اس کی فی زمانہ نظیر نہیں ملے گی۔ شہسوار لگام کو مضبوط رکھتے ہوئے گھوڑے کو حسبِ منشا رفتار پر چلاتا ہے۔ ہمارے حضرات کے خدام کہیں بھی ہوں بفضلِ خدا کنٹرول میں ہوتے ہیں۔

سماع میں ادب ضروری ہے

الٰہ آباد میں عبدالعزیز (خلیفہ مجاز) کی دعوت پر اُن کے ایک ملنے والے صاحب کی محفلِ عرس کی مجلسِ سماع میں شریک ہوئے۔ لیکن مجلس میں بے قاعدگی اور غیر نسبتی کلام سے بڑی کوفت ہوئی۔ اس پر ہم نے سب کو ڈانٹا اور ایسی محفل میں شریک ہونے کی ممانعت کی۔ انہیں سمجھایا کہ اہلِ محبت کو ہوش سے کام لینا چاہیے۔ رضائے محبوب کے سوا انہیں کوئی غرض زیب نہیں دیتی۔ محفل (سماع) میں اگر ادب اور محبت کو ملحوظ نہ رکھا گیا تو سب سماع لہو و لعب ہی متصور ہوگا۔ سلسلۂ عالیہ کی تعلیمات کی پابندی کی جائے ورنہ کیا اُمید کی جاسکتی ہے کہ دیگر احکام و فرائضِ اسلام بجا لائے گے۔ اور خواہش و مرضی کا انسان خود ذمہ دار ہے۔

مجذوب سے رہائی

مورخہ ۴ ر اپریل ۱۹۵۰ء کو گارڈن ٹاؤن لاہور میں فرمایا۔

الٰہ آباد میں عبدالعزیز (خلیفہ جناب تاج الاولیاء) کے جوان سال لڑکے کو ایک مجذوب فقیر سے اُنسیت پیدا ہو گئی۔ بالآخر خویش و اقارب سے کنارہ کشی کر کے وہ بھی دھنی حال اختیار کر گیا اور اُس کے ہمراہ رہ کر اُس کا ہم صحبت و ہم حال ہو گیا۔ عبدالعزیز مجھ سے رجوع ہوا کہ حضرت اس وقت وُہ ریلوے اسٹیشن (الٰہ آباد) پر گھوم پھر رہے ہیں۔ دُعا فرمائی جائے۔ مَیں نے کہا کہ جا کر لڑکے کو میرا نام بتا دو اور کہہ دو کہ وہ بلاتے ہیں۔ چنانچہ جب ایسا کیا گیا تو وُہ فوراً آ گیا اور مجذوب فقیر آہ و فریاد کرتے رہے مگر میرے سامنے آنے کی جُراَت نہ ہُوئی بلکہ الٰہ آباد کو بھی چھوڑ گئے۔ لڑکا میری صحبت میں رہنے لگا اور ایک اچھا انسان بن گیا۔ مَیں جسے چاہتا ہُوں اس کا دِل قابُو میں کر لیتا ہُوں۔ دراصل اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ مَیں تو اس کا ہتھیار ہُوں اور ہتھیار بذاتِ خُود کسی کو کیا نفع و نقصان دے سکتا ہے۔

واقفیت علمِ دین

محمد خاں جہلمی (مُرید جناب قبلہ پیر مستان شاہ) کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

تمھارا یہ کیسا رویّہ ہے کہ کبھی انگریزی پڑھ رہے ہوتے ہو تو کبھی اُردو۔ علم اِس لیے حاصل کیا جاتا ہے کہ آدمی با عمل بن سکے۔ دینِ اسلام کے ضرُوری علم سے واقف ہونا اور اس پر عمل کرنا تمھارے لیے کافی ہے۔ کسبِ حلال کی فکر کرو اور اپنی حالت صحیح رکھو۔ یہی مقصدِ زندگی ہے۔ اپنے پیر کی ذات سے عشق رکھو۔ پیر کی محبت اور اتباع ہی علم کا کامل ذریعہ ہے۔ اِنسان کو صاحبِ حال ہونا چاہیے کہ اس کے بغیر مرتبۂ ولایت حاصل نہیں ہو سکتا جس شخص کو وجد و کیفیت نہ ہو اس راہ میں ترقی نہیں کر سکتا اور اپنے شیخ کی خدمت سے جی چرانا بھی تنزل کا باعث ہے۔ مَیں نے تمھیں یہ نہایت فائدہ بخش علم بتایا ہے۔ اس پر

عمل کرو۔

اگر کوئی شخص کہیں مرید نہ ہو اور محفلِ سماع میں اُسے وجد و کیفیت ہو جائے تو یہ اس کی رُوحانی ترقّی کے اسباب کا ظہور ہے۔ اُسے جس قدر جلد ممکن ہو سکے کسی صاحبِ نسبت بزرگ کا مرید ہو جانا چاہیے۔ یاد رکھیے کہ عقیدہ، مراقبہ، تصوّر، وجد اور ذِکر و فِکر وغیرہ سب ترقی کرتے رہتے ہیں۔ اور یہ سب چیزیں صاحبِ نسبت بزرگ کے مرید کو ہی فائدہ دے سکتی ہیں۔

"نسبت" کے بغیر ترقّی تو کجا اِس راہ میں چلنا بھی ناممکن ہے کیونکہ کوئی تشنہ کسی دُوسرے پیاسے کو "سیراب" نہیں کر سکتا۔ اور ہر بزرگ صاحبِ اجازت و خلافت مُرید کر سکتا ہے اور صاحبِ توجہ و صاحبِ تصرّف ہونا تو منحصر بفضلِ خدا تعالیٰ ہے یاد رکھیے کہ عقیدہ بڑھ کر ایمان ہو جاتا ہے اور مراقبہ ترقّی کر کے مِلک اور جانِ زندگی ہو جاتا ہے وجد حاصل اور ذاکر مذکور ہو جاتا ہے۔ رُوحانی ترقی کے لیے ہمیشہ کوشاں رہنا چاہیے۔ جس نے پیر کی محبّت میں پختگی حاصل کی اور اُس کی اتباع کو اپنا لیا وُہ "وُہی" (پیر) ہو گیا۔

دَوراب جی پارسی کا ذِکر

دَوراب جی پارسی (آتش پرست) تھے۔ مَیں نے انھیں دیکھ کر دُعا کی تھی اور صُورت دینے والے نے انھیں سیرت بھی بخش دی۔ وُہ ایک عرصہ تک حاضر ہوتے رہے اور آرزُومند بھی تھے کہ انھیں خلوت میں مرید کر لیا جائے۔ بالآخر جلوت تک نوبت آ پہنچی مگر مُصلحتاً مَیں نے انھیں مرید نہ کیا۔ وُہ جا بھی کہاں جا سکتے تھے دِل تو لُٹا چکے تھے۔ بس مُرید ہونے کی دیر تھی۔ نہایت ہی مصائب اور تکالیف میں مُبتلا ہو گئے۔ سُسرال والوں سے دُشمنی، جائداد اور کاروبار سے محرومی۔ عیال و اطفال سے بے رغبتی۔ الغرض فاقوں تک نوبت آ پہنچی اور مرنے آنے لگے۔ مَیں نے ان کی حالت کا بخوبی اندازہ کیا تو صادق ہی ثابت ہُوئے۔ میرے حضرات کو اپنے نیازمندوں کی بڑی لاج ہے۔ بالآخر ان کی اہلیہ بھی حلقہ بگوشِ اسلام ہو گئی۔ ان کے بچے اور وہ میاں بیوی مل کر تکالیف برداشت کرنے لگے

میرے اندازہ کے مطابق وہ تکالیف کو کوئی اہمیت نہ دیتے تھے بلکہ اسی حالت پر قناعت کر چکے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے جب نعمتِ ایمان اور صبر و شکر سے سرفراز کر دیا تھا تو پھر پریشانی ہی کیا رہنی تھی۔

بعض مولوی صاحبان بھی عجیب الخلقت ہوتے ہیں۔ حضرات بزرگان دین سے ازلی شقاوت رکھنے والے طبقہ سے چند خِرمنِ زہرِ عشق و ایمان انھیں بھی جا ملے اور علم و فلسفہ سے دینِ اسلام اِس انداز سے سمجھانے کی کوشش کرنے لگے کہ حضرات بزرگان کی محبت اور عزت و حرمت اُن کے دِل سے نکل جائے اور کسی درسِ غیر عقائد میں تدریس حاصل کرے۔ جب کوئی کامیابی حاصل نہ ہوئی تو پوچھنے لگے۔

میاں آخر حضرت (تاج الاولیاء) کا کرشمہ کیا دیکھا ہے کہ اسلام قبول کر لیا۔ انھوں نے جواب دیا "مجھے کرشمہ و کرامت سے کوئی واسطہ نہیں میں تو حضرت کی صورت دیکھ کر ایمان لایا ہوں۔" حضرت کی حاضری میں رہے اور اِس قدر فیض حاصل کیا کہ حضرت نے جب نصیر آباد چھاؤنی (اجمیر شریف) سے ترکِ سکونت کا ارادہ فرمایا تو اُن (وڈراب جی محمد سلیمان صادق) کو اپنا جانشین مقرر کیا حالانکہ اُس وقت حضرت کے وہاں کئی اور خلفا بھی موجود تھے۔

روانگی کے وقت حضرت نے ان کے متعلق فرمایا۔ ان کے ہر ایک فیصلہ کا احترام کرنا اور میری جگہ تصوّر کرنا، ان کی تابعداری میری تابعداری ہوگی۔ چنانچہ اھلِ نصیر آباد ہمیں اس انداز سے یاد کرتے ہیں۔ ؎

وہ نعمتِ عظیم تھی تیرے نصیب میں نہیں
تیرے نصیب کی قسم نصیر آباد کی زمیں

مصلحت بعثتِ انبیاءؑ

۸ ر اپریل ۱۹۵۰ء کو گارڈن ٹاؤن لاہور میں ارشاد فرمایا:

ایک مرتبہ ہم نے مجلسِ عام میں دریافت کیا کہ اللہ تعالیٰ کو اس قدر انبیاء کرام

علیہم السلام کے مبعوث فرمانے کی کیا ضرورت تھی۔ حالانکہ تبلیغ وحدت واحکامِ الٰہیہ کی ترسیل کے لیے ایک ہی نبی کافی ہو سکتے تھے۔ پھر جمیع انبیاء علیہم السلام اور مقدس صحائف کے مبعوث و نزول میں کیا مصلحت تھی۔ تو سنو!

ازل ہی سے جو نسبتِ حق حضرات انبیاء علیہم السلام کے ساتھ مخصوص فرمائی گئی ہے۔ اُسی سے توحیدِ حق کی نشوونما ہوتی رہی۔ توحیدِ حق کے لیے قائم رہنا بھی اُسی نسبت کے ساتھ ہے جو کہ ان حضرات انبیاء علیہم السلام کے ساتھ مخصوص ہے اور بدرجۂ اتم موجود ہے۔ اسی نسبت مقدس کی بابت کہا جا سکتا ہے کہ توحیدِ حق "نسبت" سے نشوونما پائی ہے۔

معلوم ہوا کہ توحیدِ حق کا قیام حضرات انبیاء علیہم السلام کی "نسبت" سے ہے۔ اور حضرات انبیاء علیہم السلام کی "نسبت" کے فیض سے مخلوق توحید پرستی اور حق آگہی سے مشرف ہوتی رہی ہے۔ یہی مقدس "نسبت" مخلوق میں باعثِ قیامِ توحید ہے اور اسی مقصد کے حصول کے لیے وحدانیت کے ساتھ ساتھ رسالت پر بھی ایمان لایا جاتا ہے اور جمیع حضرات انبیاء علیہم السلام کی جملہ مساعیٔ جمیلہ کا خلاصہ بھی یہی ہے کہ نسبتِ حق کو قائم رکھنے کے لیے سعی کی جاتی رہی ہے۔ معلوم ہوا کہ جس وقت بھی یہی "نسبت" اپنے نبی کی ذات کے ساتھ جس اُمت کی بھی کمزور ہوئی، اللہ تعالیٰ نے دوسرے نبی اور صحیفے کا مبعوث و نزول فرمایا۔

ہمارے محبوب و مولیٰ سیدنا حضرت محمد مصطفٰے علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مقدس "نسبت" اس قدر قوی ترین ہے کہ آپ کی جلوہ نمائی کے بعد بالیقین منشائے ایزدی کی تکمیل ہو گئی۔ اور فرما دیا گیا، آج آپ کا دین مکمل ہو چکا اور یہ نعمت آپ پر تمام کر دی گئی۔ الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا۔ آنحضور، رحمتہ للعالمین خاتم النبیین ہوئے اور آپ کے ارشادِ گرامی "علماء اُمتی کانبیاء بنی اسرائیل" کے تحت آپ کی اُمت کے اولیاء آپ کی مقدس نسبت کے طفیل پیغمبرانہ خدمات سرانجام دیتے رہتے ہیں۔

چنانچہ میدانِ حشر میں جب جمیع حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اپنی اپنی اُمتوں کے ساتھ تشریف لائیں گے اور ہر گروہ کے بانی اپنی اپنی جماعتوں کے ساتھ حاضر ہوں گے تو ایک انبوہ کثیر بے حد و شمار ظاہر ہو گا اُسے دیکھ کر اہلِ محشر کو حیرت ہوگی کہ کون سے نبی ہیں اور یہ حضرت سیدنا غوث الاعظم کے خُدام اپنے مخدوم (غوث الاعظم) کے زیرِ سایہ عاطفت آتے ہوں گے ۔ اسی طرح دُوسرے اولیائے کرام بھی بڑی بڑی جماعتیں لیے تشریف لائیں گے ۔ اب تو انھیں حضرات کا دورِ کرم ہے اور بس ۔

لوگ کہتے ہیں کیسے فقیری کیا ہے ؟ میں کہتا ہوں ۔ فقیری یہی ہے کہ پیرِ کامل کی ظاہر و باطن میں تابعداری اور اتباع میں ہوشیاری کی جائے ۔ طالبِ حق پیرِ کامل کی اتباع میں چُست و ہوشیار ہے تو بہتر ورنہ کہیں کا نہیں ۔ منزلِ اولیٰ فنافی الشیخ ہے ۔ مابعد فنافی الرسول اور فنافی اللہ ، مگر میں کہتا ہوں کہ سب کچھ فنافی الشیخ ہے ۔ اللہ جسے نصیب فرمائے ۔ ہم نے جو کچھ حاصل کیا ہے اپنے پیر و مرشد کی محبت سے حاصل کیا ہے ۔ لوگ کچھ بننا چاہتے ہیں مگر معاملہ برعکس ہے ۔ ؎

تو در و گم شو وصال ایں است و بس
تو مباش اصلا کمال ایں است و بس

سلسلۂ عالیہ میں جوش و خروش

مجددِ نسبت

نسبت مفقود ہو چلی تھی ہمارے دادا پیر (حضرت فخر العارفین محمد عبد الحئی) نے احیاء فرمایا ۔ آپ کو مجددِ نسبت کہنا بے جا نہ ہوگا ۔ آپ نے ولادتِ معنوی اور خاص اسلامی فقیری و غیر اسلامی فقیری کے بیانات میں جو کچھ ارشادات فرمائے ہیں ۔ وہ عام طور پر عوام الناس اور اہلِ اسلام پر خصوصیت سے احسان فرمایا ہے ۔ ہمارے حضرات پیرانِ عظام کا سلسلۂ عالیہ جس میں قادری ، نقشبندی ، ابوالعلائی ، چشتی ، منعمی ، جہانگیری فیوضات مجتمع ہیں ۔ مجمع البحرین ہے اور جس جگہ پر کئی دریاؤں کا اتصال ہوتا ہو وہاں

کس قدر جوش ہوتا ہے۔ اسی سلسلۂ عالیہ میں بڑا جوش و خروش پایا جاتا ہے۔ یہاں کے لوگوں کے ذوق و شوق کا عالم ہی نرالا ہے اور دیگر بزرگانِ سلاسل بھی محوِ حیرت رہتے ہیں کہ اِس سلسلۂ عالیہ میں کیا بٹ رہا ہے اور چند سالوں میں دیکھیے کیا انقلاب بپا ہوتا ہے۔ سب اچھی طرح ذہن نشین کر لو۔ میں اب بوڑھا ہو چکا ہوں۔ بیمار بھی رہتا ہوں۔ تم لوگ جوان ہو کوشش کرو تو آج سب کچھ ہو سکتا ہے۔ ریش مقدس پر ہاتھ پھیرتے ہوئے فرمایا۔ بوڑھے کو یاد رکھنا۔ کام آئے گا۔ بعدہٗ فرمایا:

طالبانِ حق بمثالِ مسافرانِ کشتی

مقامِ خضر علیہ السلام کیا ہے۔ سفر بھی ہو رہا ہو اور علم سفر بھی نہ ہو۔ ہمارے ہاں طالبانِ حق بمثالِ مسافرانِ کشتی ہیں۔ سفر کرنے والے کو علم بھی نہیں ہوتا کہ کشتی چل رہی ہے اور سفر بھی ہو رہا ہے یا نہیں۔ مگر جب کنارے پر پہنچے تو معلوم ہوا کہ سفر معلوم ہوئے بغیر ساحلِ مقصود پر پہنچ گئے۔

بزرگانِ دین سے طلب حاجات

۱۲ اپریل ۱۹۵۰ء بمقام گارڈن ٹاؤن لاہور ارشادِ عالی ہوا:

شرک کیا ہے۔ خود ہی فرمایا۔ اللہ تعالیٰ جو کہ واحد معبود خلائق ہے۔ اُس کی صفات و معبودیت میں کسی کو شریک کرنا یا سمجھنا شرک کہلائے گا اور حدود اللہ سے تجاوز کرتے ہوئے کوئی شخص الزام و اتہام لگائے تو وہ خود ذمہ دار ہے۔ حضرات بزرگانِ کرام جو کہ ماسویٰ اللہ کی نفی کرتے ہیں اور ان کی نگاہِ مبارک میں ماسویٰ اللہ کچھ نہیں ہوتا۔ موحد خالص ہیں اور اولیاء اللہ کہلاتے ہیں اور جو لوگ اِن حضرات والاصفات کے مناقب تعظیم و تکریم اور عزت و حرمت بیان کرتے ہیں۔ یا ان کی بارگاہ سے دعا و شفا یا عنایت و عطا کے سائل ہیں انہیں کیونکر مشرک کہا جائے گا۔ حالانکہ شانِ عبودیت تو نہیں دے رہے۔ اور شریک عبادت و لائق پرستش تو نہیں سمجھ رہے ہیں۔

اولیاء اللہ حاجت روائی و معرفتِ الٰہی کے لیے مامور و ممتاز من اللہ ہیں۔

حضرات انبیاء علیہم السلام کے معجزات اور اولیائے کرام رضوان اللہ علیہم کی کرامات شریعتِ مطہرہ سے ثابت ہیں اور خلق کی حاجت روائی، مشکل کشائی اور تعلیماتِ حق و معرفتِ الٰہی کے لیے مامور و ممتاز منجانب اللہ ہیں۔ پھر اہلِ حاجت نے کیا جرم کیا ہے کہ جس کی تعزیر بھی کوئی تجویز نہ کرسکتا ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ میرے نزدیک مصنوعہ کی تعریف بھی صانع ہی کی تعریف ہے۔ حضرات اولیاء اللہ جو کہ اللہ تعالیٰ کا منعم علیہ طائفہ ہے۔ ان کی تعریف و توصیف اور ان کی اتباع اور محبت بھی اللہ ہی کے لیے ہے اور لاریب فیہ کہ یہ مقدس طائفہ صادق و برحق ہے۔

سیدنا حضرت خواجہ نصیر الدین چراغ دھلوی نے اپنے پیر و مرشد حضرت خواجہ نظام الدین محبوب الٰہی دھلوی کا پیراہن مبارک موچی کو دیتے ہوئے فرمایا "خدا کا جوتا بنا دو۔" جب علماء نے شور مچایا تو فرمایا۔ "جب خدا ہر چیز میں موجود ہے اور ہر چیز اُسی کی ملکیت ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ مالک غیر کو ٹھہرایا جائے۔

حضرت سرمد کا واقعہ

نیز حضرت سیدنا سرمد شہید دھلوی کو جب علماء اور بادشاہِ وقت (اورنگ زیب) نے کلمہ شریف سنانے کو کہا تو آپ اس سے آگے قطعاً بیان نہ کرسکے "لَا اِلٰہَ" اور ظاہر ہے کہ یہ کلمہ نفی ہے۔ فتویٰ عائد کرتے ہوئے اور شرعی سزا ملتے وقت بھی "لا اِلٰہ" سے آگے نہ بڑھے۔ حالانکہ علماء و فضلا نے کافی توجہ بھی دلائی۔ ہمارے حضرات بزرگانِ کرام میں سے ایک صاحبِ حال و ذی عزت و حرمت بزرگ "ابوالعلائی" خاندان کے چشم و چراغ سیدنا حضرت اسد اللہ رحمۃ اللہ علیہ دھلوی نے آپ کو مکمل کلمہ شریف پڑھنے کی جانب متوجہ فرمایا تو ارشاد ہوا۔ ے

عمریست کہ آوازۂ منصور کہن شد
من از سر نو جلوہ دہم دار و رسن را

معلوم ہوتا ہے کہ آپ "لا اِلٰہ" تک محدود رہنا اور کلمۂ نفی سے آگے کچھ نہ کہنا

آپ کی باطنی کیفیت کا مظہر ہوگا اور اس سے آگے اپنے حال کے علاوہ کچھ کہنا غلط بیانی، متصوّر فرمائی ہوگی۔ واللہ اعلم بالصواب۔

ایک فہمائش

۲۵ اپریل ۱۹۵۰ء کو بمقام گارڈن ٹاؤن لاہور فرمایا۔ آج میں ایک فہمائش کروں گا غور سے سُن لو:

ہمارے اور علمائے کرام کے درمیان خاص طور پر تین مسائل میں اختلاف ہے اور عام اور کوئی ایسا معاملہ نہیں۔ (۱) وحدت الوجود (۲) سماع (۳) سجدۂ تعظیم۔ اوّل الذکر (وحدت الوجود) عام فہم نہیں ہے اور قیل و قال سے بالاتر ہے۔ شرعاً ایسے اہم دقیق اور باریک مسائل میں اُلجھنے سے منع فرمایا گیا ہے۔ جیسا کہ مسئلہ رُوح ہے۔ ان کے زیر بحث لانے کی ضرورت نہیں ہے اور عام طور پر ایسے مسائل زیرِ بحث لائے بھی نہیں جاتے ہیں بھی یہی کہوں گا کہ راز کھلے بغیر بیان نہیں کرنا چاہیے۔

دُوسرا مسئلہ سماع ہے۔ اس پر کوئی خاص اعتراض نہیں کیا جاتا۔ ہر جگہ رائج ہے اور حضرات بزرگانِ کرام رضوان اللہ علیہم کا مبارک فعل ہے۔ اِس معاملہ میں بے شمار بزرگانِ کرام اور علمائے اِسلام کے ارشادات و فتاویٰ اور کُتب موجود ہیں اور اسے مباح قرار دیا گیا ہے۔ تیسرا مسئلہ سجدۂ تعظیم ہے۔ والدین، پیر و مُرشد اور حضرت رسُولِ کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے لیے ایسا کرنا جائز ہے۔ جُملہ حضرات انبیائے سابقین و مُرسلین کے وقتوں میں جائز و مروّج تھا۔ سُورۂ یوسف میں حضرت یوسف علیہ السّلام کو خواب مبارک میں ایک چاند اور گیارہ ستاروں نے آپ کو سجدہ کیا۔ یہ سجدۂ تعظیم ہی تھا اور حضرات انبیاء علیہم السّلام کے خواب رحمانی ہُوا کرتے ہیں اور جناب حضرت یعقوب علیہ السّلام کی تعبیرِ مبارک بھی مژدۂ نبوّت ہی تھی۔ شرعاً والدِ جسمانی اور اس کی قبر پر سجدۂ تعظیم جائز ہے تو والدِ رُوحانی (پیر و مُرشد) کو انسان کے مزار پر پسرِ رُوحانی (مُرید) کو قطعاً جائز ہوگا اور جناب رسالتمآب صلّی اللہ علیہ وسلّم کو قطعاً ہی نہیں بلکہ بدرجہ اتم

جائز ہے۔

اور ہر سجدہ، سجدۂ عبادت نہیں ہوتا۔ سجدۂ تلاوت۔ سجدۂ تعظیم۔ سجدۂ عبادت وغیرہ اپنے اپنے مفہوم کے خود مظہر ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ "کعبہ" کی جانب کیوں سر جھکایا جاتا ہے۔ حالانکہ فثم وجہ اللہ کے تحت ہر جانب اللہ موجود ہے اور مقصود بھی اللہ ہی ہے۔ مگر ایسا نہیں کیا جاتا۔ معلوم ہوا کہ "کعبہ" شریف سمت اللہ ہے ایک وسیلہ اور مقرر شدہ سمت ہے کہ جس سے انحراف کر کے وحدت پرستی و تکمیل فرائض اور صلوٰۃ ادا نہیں کی جاسکتی۔

اسی طرح پیر کامل بھی سمت اللہ ہے اور وسیلۂ قرب و معرفتِ حق ہے لہٰذا تعظیم کی جاسکتی ہے مگر میں آج فہمائش کرتا ہوں کہ سجدۂ تعظیم سے احتیاط کی جائے تاکہ دینداروں میں باعثِ نزاع کوئی بات کیوں رہے۔ آئندہ صاحبِ کیفیت افراد کو میرے پاس لانے کے بجائے وہیں بٹھا دیا جائے۔ بعدہٗ فرمایا۔ ہر انسان کی روح اُس کو وقتاً فوقتاً خوف اور امید کی صورت میں حق کی جانب رجوع کراتی رہتی ہے۔ آدمی نہ سمجھے تو اس کی مرضی کا کام ہے اور لطف ہے کہ پیر کامل ہو اور مرید عامل ہو۔ پیر کامل کے کامل رابطہ (روحانی تعلق) سے جلد تکمیلِ ایمانی ہو جاتی ہے۔

ذکر ذریعۂ محویت ہے

یکم مئی ۱۹۵۰ء کو بمقام بستی جیون ھانہ کوٹھی نمبر ۶ گارڈن ٹاؤن لاہور فرمایا:

ذکر اچھی طرح کرنے سے قلب بیدار ہو جاتا ہے بلکہ بیدار ہی نہیں ایک وقت آکر سراپا محویت اختیار کر لیتا ہے اور حقیقی مقصد سے مشرف ہو جاتا ہے۔ ذکر و فکر اپنی حقیقت ظاہر کرتے رہتے ہیں۔ صبر و شکر سے رہنا چاہیے۔ ہمہ وقت تصورِ شیخ میں رہنا چاہیے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس خیال مبارک میں کھو جانے کا نام تصور ہے۔ جس قدر محویت ہوتی چلی جائے گی۔ قربِ حق نصیب ہوتا جائے گا۔ ؎

تو مباش اصلاً کمال این ست و بس　　　　تو درو گم شو وصال این ست و بس

یا ؎

قربِ حق بالا نہ پستی رفتن است
قربِ حق از قیدِ ہستی رستن است

پیر اور مرید

پیرِ کامل کو متشرع اور خدا و رسُول کی محبت کا سرمایہ دار ہونا چاہیے۔ کامل ہے تو کم از کم مرید کا دِل و دماغ بدل دے۔ اور اس کے باطن میں ایک انقلاب پیدا کر دے تاکہ مرید منزلِ مقصُود کی جانب سفر پیرا ہو سکے۔ پیر اگر مرید کا دِل و دماغ مبتلائے رسُول نہیں کر سکتا تو وُہ پیر ہی نہیں۔ کم از کم یہ بات پیدا ہو جانی چاہیے۔ ورنہ پیری مریدی بے سُود ہے۔ پیر کا کام صرف وِرد و وظائف بتا دینا ہی نہیں بلکہ ایسی تعلیم و تلقین اور توجہ و نگہبانی کرے کہ مُرید خُدا بیدہ ہو جائے۔ پیر کے سپرد پیغمبرانہ خدمات ہیں اور پیر نائب رسُولِ مقبول ہے۔ اپنی ذمہ داری کا شدید احساس کرے ورنہ جوابدہ ہوگا۔

اور مرید عامل کو پیر کے ظاہر و باطن کا تابع ہونا چاہیے۔ جس مرید نے پیر کو پیر ہی سمجھا اور آگے کچھ نہ سمجھا یعنی محدُود نظریہ کا حامل رہا تو اس کی کامیابی بھی محدود رہے۔ مرید کو چاہیے کہ ہمہ وقت روز و شب اسی مرکزِ فیض پر دِل و نگاہ کو مُبتلا رکھے تاکہ یکسوئی حاصل ہو اور کامیاب بھی ہو سکے۔ ؎

گر نبودے ذاتِ حق اندر وجُود
آب و گِل را کئے مَلک کردے سجُود

مَیں کہتا ہوں کہ اگر ایک قطرۂ آب کو دریا میں ڈال دیا جائے تو پھر اُسے کیا کہا جائے گا۔ کسی وقت اُسے قطرہ دیکھا ضرُور تھا مگر دریا میں ملنے سے "دریا" ہو گیا۔

کامِل اتباع کیا ہے؟

مسئلۂ اتباعِ رسُولِ مقبول صلّی اللہ علیہ وسلّم کتابوں میں دیکھنے والے صرف حدیث و فقہ میں پڑھنے والے بھی غور و فکر سے سُن لیں۔ حق بات کہنا فرضِ عین ہے۔ یہ

کوئی ذاتیات نہیں۔ غور سے سُنیئے۔

اتباعِ رسُولِ مقبُول کتاب و سُنّت کے مطابق بظاہر اختیار کرنے والے لاتعداد لوگ موجود ہیں اور یہ بہُت اچھّی بات ہے مگر میرے نزدیک باطنی اتباع بھی ضروری ہے۔ وَرنہ تکمیل نہ ہو سکے گی۔ اگر شکل و صُورت اور گُفت و شنید سے بظاہر اتباع صحیح معلوم ہو رہی ہو اور باطن میں وَساوس، توہمات، ولائل اور شکوک موجود ہیں تو باطناً اتباع کیوں کر صحیح ہو گی۔

حقیقتاً صحیح اتباع یہ ہے کہ باطن ذِکر و فکر میں بِلا دلیل مُبتلا ہو جائے اور ظاہر لبادۂ شریعت میں ملبوس ہو جائے۔ مگر جسے اللہ نصیب فرمائے۔

تکمیلِ نسبت

جس شخص کے دِل میں "نسبت" قرار پکڑ لے اور قیام فرمائے۔ تو وُہ چیزے دیگر ہو گیا۔ عالمِ رنگ و بُو سے متاعِ زیست لُوٹ کر غیروں کی نگاہوں سے صاف بچ نکلا۔ اور ایسا چُور ہو گیا کہ کسی کی گرفت میں بھی نہ آ سکے ؎

میں کس زباں سے کروں "تنگ دِلی" شکر تیرا
عُبید کو جا نہ ملی یار سمایا تنہا

بارانِ رحمت

۵ رمئی ۱۹۵۰ء کو بمقام گارڈن ٹاؤن کوٹھی نمبر ۶، لاہور ارشاد فرمایا۔ بارانِ رحمت کسے کہتے ہیں: خود ہی فرمایا۔ بارانِ رحمت یہ ہے کہ اُونچ و نیچ اور آباد و غیر آباد ہر جگہ برابر فیض کرے اور حضرات بزرگانِ دین رضوان اللہ علیہم اجمعین کا فیضِ رحمت بھی اَیسا ہی ہے۔ کسی ذات پات اُور علم و فضل کا اختصاص نہیں۔ ہر شخص پر برابر نظرِ رحمت ہے اور پھر ہر شخص کی ہمت و استعداد اور عمل پر منحصر ہے کہ اتباع اور محبت میں چُستی اور ہوشیاری اختیار کر کے کامیاب ہو جائے۔ غور سے سُنیئے:

بیرِ کامل کا عظیم نفع

ہر وہ شخص جو کسی صاحبِ نسبت بزرگ کا مرید ہے۔ زمرۂ اولیاء اللہ میں شمار کیا جائے گا اور بروزِ محشر حضرات اولیاء اللہ کی صف میں کھڑا کیا جائے گا۔ البتہ فرقِ مراتب ضرور ہوگا۔ میں کہتا ہوں کہ ھائی سکول میں دسویں جماعت تک مدارج ہوتے ہیں اور کوئی صاحبِ حیثیت سکول کے تمام طلبا کی دعوت کرے تو دسویں جماعت کے طلباء کے ہمراہ پہلی جماعت کے بچے بھی سکول کے طلباء ھی میں محسوب و شمار ہوں گے بلکہ روزِ اوّل کا داخل شدہ بچہ بھی اسی سکول کا طالب علم اور دیگر بڑی جماعتوں والے طلبا کا ہمراہی شمار ہوگا۔ اور جو نعمتیں اور کھانے پینے کی اشیاء بڑی جماعتوں والے طلباء کو مہیا کی جائیں گی وُہی کھانے اور نعمتیں جماعتِ اوّل کا معصوم و نابالغ اور روزِ اوّل کا داخل شدہ بچہ بھی کھائے گا ۔ البتہ فرقِ مراتب ضرور ہوگا۔ جو کہ ظاہر ہے۔ یہی کیفیت ہر اُس شخص کی ہے جو ابھی ابتدا میں ہے یا پہلے ھی روز کسی صاحبِ نسبت بزرگ کے حلقۂ عشق و محبت میں داخل ہُوا ہے۔

درس و تدریس عُلماء اور عُرفاء

یہاں درس و تدریس کا ذکر آ گیا ہے۔ درسِ علماء اور عرفاء میں فرق ہے۔ میرے تجربہ اور نظریہ کا فیصلہ یہ ہے کہ کسی کامل صاحبِ نسبت بزرگ کا مرید جو کہ پہلے ھی روز تائب ہُوا ہو۔ دُنیا بھر کے (گستاخ اور بدعقیدہ) علماء سے ہزار درجہ بہتر ہے۔ خود فیصلہ کیجیے کہ جس شخص کو علوم پر عبُور حاصل ہو اور اُس کے دِل میں وَساوس رہتے ہوں اور دُوسرا شخص کہ جس کے دِل سے کسی کامل کی نظر اور توجہ سے وَساوس رفع ہو گئے ہوں تو ان میں سے کون بہتر ہوگا۔

میرا مقصد علم سے انکار کرنا نہیں ہے۔ مقصد یہ ہے کہ علم کے ساتھ عمل بھی درکار ہے۔ ہمیں باطنی طور پر ایک عالم و فاضل کی اِصلاح میں اکثر بہت عرصہ لگ جاتا ہے اور اُسے سنبھالنا بھی پڑتا ہے۔ لیکن ایک اُمّی یا کم تعلیم یافتہ صادق الاعتقاد شخص کو

ہمہ وقت مائل بہ اصلاح پایا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ علم دے تو توفیقِ عمل بھی بخشے۔

عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی
یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری ہے (اقبالؒ)

علم کا دریا

ایک مرتبہ مجھے ایسا معلوم ہوا کہ مزید علم حاصل کرنے کا اشارۂ غیبی ہوا ہے۔ تو میں نے دل سے فیصلہ لیا اور اکثر دل کا فیصلہ بھی صحیح ہوا کرتا ہے۔ دل نے فیصلہ کیا کہ جیسا ہوں۔ حضرت (پیر و مرشد) ہی کا ہوں اور کسی سے کیا استفادۂ علم کیا جائے چنانچہ دوسری مرتبہ بھی ایسا ہی ہوا۔ مگر میں دل کے فیصلہ سے مطمئن تھا کہ جسے میں حضرت کی محبت میں غنی ہی دیکھتا تھا اور کوئی کمی محسوس نہیں ہوتی تھی اور یہ فعل بر بنائے خلوص و محبت ہی تھا۔ ورنہ امر سے کون روگردانی کر سکتا ہے۔" بالآخر میرے سامنے علم کے دریا بہا دیے گئے۔"

فرمایا۔" باریک اور دقیق مسائل میں نہ جانا چاہیے۔ ہر کام کے انجام پر نظر رکھنی چاہیے۔ اختلاف کا نتیجہ ماسوائے اہلِ اسلام میں افتراق و نفاق اور اپنے ایمان کو خطرہ میں ڈالنے کے اور کیا ہے۔ اسلام اخلاق سے پھیلا ہے اور اہلِ خلوص و صدق نے پھیلایا ہے اگر حضرات سلف صالحین کے ایمان متذبذب ہوتے تو اوروں کو کس طرح آمادۂ اسلام کر سکتے تھے۔ دنیا ان کے قول و فعل سے حق معلوم کرتی رہی ہے۔ قول و فعل کا تضاد کبھی کامیاب مقصد نہیں کر سکتا۔

فوائدِ ذکر و مراقبہ

ذکر کلمہ شریف چند منٹ صبح اور چند منٹ شام توجہ سے کریں تو صبح و شام تاثر قائم رہے گا اور ترقی ہوتی رہے گی۔ کلمہ شریف ازل سے ہے اور ابد تک رہے گا۔ یہی توحید خاص ہے اور ابتدا و انتہا بھی یہی ہے۔ جمیع حضرات انبیاء عظام اور حضرات سلف صالحین کی یہی تعلیم رہی ہے اور ہماری بھی یہی تعلیم ہے۔

مراقبہ میں زیادہ دیر بیٹھنا چاہیے تاکہ محویت پیدا ہو۔ پیر کی نسبت (رابطہ رُوحانی) دِل میں قائم کرنی چاہیے۔ منزلِ مقصود قریب ہوتی چلی جاتے گی۔ ہمیشہ پیر و مُرشد کے قُرب کی سعی میں رہنا چاہیے۔ جو لوگ پیر کامل کی ظاہر و باطن اتباع میں کامل ہو جاتے ہیں۔ تو وُہ ویسے ہی ہو جاتے ہیں کہ جس کے ہونے کو زندگی کہا جاتا ہے۔ "ہر کہ در کان نمک رفت نمک شد۔"

اصُول کی پابندی

۱۵ مئی ۱۹۷۵ء بمقام گارڈن ٹاؤن لاہور ارشاد ہُوا:

ایک مرتبہ بموقع عُرس شریف سیدنا حضرت شاہ محمد نبی رضا قدس سرہ العزیز سکندر آباد (یُوپی) میں ہر قسم کا اہتمام کیا جا چکا تھا۔ حکومت کی طرف سے کرفیو اور دفعہ ۱۴۴ کے نفاذ کی وجہ سے پابندیاں عائد کر دی گئیں۔ پانچ سے زائد افراد مِل کر چل سکتے تھے اور نہ کوئی اجتماع ہو سکتا تھا مگر ہم نے اپنا پروگرام بلا خوف و خطر جاری رکھا۔ وقتِ معینہ پر ہزاروں افراد کا اجتماع ہو گیا۔ حسبِ معمُول ہر کام بخیر و خوبی سر انجام ہوتا رہا اور لُطف یہ تھا کہ کسی کو جراُتِ ممانعت و مداخلت کا ہونا تو اور بات ہے۔ خُود علاقہ کے ذمہ دار افسران انتظام اور خدمت میں مصروف رہے اور ان میں اکثر غیر مُسلم تھے۔ یہ سب میرے حضرات کے تصرفات اور احسانات ہیں۔ اسی طرح نصیر آباد (اجمیر شریف) میں جبکہ اکثر راتیں ذکرِ خیر میں بسر ہوتی تھیں اور اہلِ محبت کی ہمہ وقتی محفلیں گرم رہا کرتی تھیں۔ وہاں (نصیر آباد) چھاؤنی بھی ہے۔ فوج کے اکثر جوان رات بھر اکثر میرے ہاں رہا کرتے تھے۔ اسی دوران میں افسرانِ متعلقہ نے فوجی نوجوانوں کو رات کی غیر حاضری سے سخت ممانعت کر دی۔ ہر قسم کی پابندیوں کے احکام صادر کر دیے اور وُہ انگریزوں کا دورِ حکومت تھا اور فوجی ڈسپلن بھی بہت اہم اور سخت ہوتا ہے۔ کسے خلاف ورزی کی جراُت ہو سکتی تھی۔ غلام محمد اور رمضان شاہ اُس وقت وہاں فوجی سردار تھے اور انھیں پر زیادہ پابندیوں کا اطلاق ہُوا اور ان کی جواب طلبی بھی کر لی گئی۔ افسرانِ متعلقہ بھی حقیقتِ حال سے باخبر ہو گئے اور معلوم کیا جائے

لگا کہ پیر صاحب کے ھاں کیا ہوتا ہے۔

غلام محمد سے کہا گیا کہ پیر صاحب کو یہاں لے آئیں مگر انھوں نے صاف اور واضح الفاظ میں انکار کر دیا کہ اُن کو تکلیف نہیں دی جا سکتی۔ ساتھ ھی دونوں صاحبان اِس قسم کی پابندی بھی ہرگز برداشت نہ کر سکتے تھے۔ کہ جس سے میرے ھاں کی آمد و رفت بند ہو جاتی۔ بالآخر مجھے بلوانا چاہا اور انکار کی صورت میں ایک ذمہ دار فوجی افسر خود حاضر ہوا۔ اور پوچھنے لگا۔ حضرت یہاں کیا ہوتا ہے اور فوجی جوان رات کے وقت یہاں کیا کرتے ہیں میں نے کہا خود مشاہدہ کر سکتے ہو۔ اور مختصر سی بات چیت ہوئی۔ بالآخر حکم جاری کر دیا گیا کہ جس کے تحت فوجی جوان میری صحبت میں رات کے وقت بھی رہ سکتے تھے اور پھر اجازت عام ہو گئی اور میرے معمول میں کبھی فرق نہ آیا۔

ہم جہاں رہے اپنے اصول اور معمول پر سختی سے کاربند رہے اور قوانینِ وقت بھی اِسی کے تحت خود بخود بدلتا رہا اور یہ میرے پیر و مرشد کی شفقت و رحمت ہے اور کیا کہا جا سکتا ہے۔ جب میں نے ہندوستان سے پاکستان کی جانب ہجرت کی تو جہاں سے بھی گزرا وھاں کے ہندو بھی فرماں بردار نظر آتے تھے۔ حالانکہ بااثر طبقہ کو ہجرت کے بجائے حکومت کی پالیسی اور سازش کے تحت شہید کر دیا جاتا تھا۔

سکندر آباد (یو۔پی) سے روانگی کے وقت ایک ہندو سب انسپکٹر پولیس نے آبدیدہ ہو کر کہا۔" حضرت ہم لوگ بدنصیب ہیں کہ آپ جیسی دولت سے محروم ہو رہے ہیں اور بھی غیر مسلم حسرت بھری نظروں سے دیکھتے رہے۔ ہمیں پاکستان میں بھارت کی ملٹری کے افسروں نے ذاتی دلچسپی اور عقیدت کے ساتھ پہنچایا۔ اللہ تعالیٰ کو یہی منظور تھا کہ پاکستان ہی میں ہمارا قیام ہو۔

سستی کمزوری باعثِ ابتلا ہے

۱۷ مئی ۱۹۵۰ء کو بمقام بستی جیون ھانہ گارڈن ٹاؤن لاہور ارشاد ہوا:

دورِ حاضر کا مسلمان ہر قسم کے ابتلا میں کیوں مبتلا ہے؟ ہمارا رات دن کا تجربہ اور

مشاہدہ ہے اور ہم دیکھ رہے ہیں کہ دورِ حاضر کا مسلمان جس کمزوری کے باعث ہر قسم کے مصائب اور آلام کا شکار ہو رہا ہے۔ وُہ "نسبتی" کمزوری ہے۔ جس مکان کی بنیاد ہی کمزور ہو۔ کیا وہ پائیدار اور دیرپا ثابت ہو سکتا ہے۔ ہر وقت خطرہ میں گھرا ہو گا۔ نسبت وُہ رابطۂ رُوحانی ہے جس سے اِنسان کے عقیدہ اور ایمان کے گُل کھلا کرتے ہیں۔ یہ خشک ہو، بے فیض ہو تو خاروں کے سوا کیا ظاہر ہو گا؟

حقیقت یہ ہے کہ مولوی بے چارے بھی اس حقیقت کی تہ کو پانے سے قاصر و معذور ہیں ورنہ شریعت کے جسمِ مبارک کی جان ہی "نسبت" ہے۔ ہمارا تجربہ شاہد ہے اور ہم دیکھتے ہیں کہ مسلمان نسبتی کمزوری ہی کی وجہ سے ہراس و اِبتلاء میں مُبتلا ہو رہے ہیں۔ ایک مرتبہ ایک نوجوان ظفر اللہ خاں نامی ایم اے علیگ جو کہ ہندوستان بھر میں اوّل آیا تھا اور ولایت سے بھی بڑی بڑی ڈگریاں حاصل کر چکا تھا۔ جب ولایت سے واپس آیا تو اپنے چند تیز طرار گریجوایٹ دوستوں کی ہمراہی میں شرارتاً مجھ سے ملنے آیا۔ اور سوال کیا۔ "حضرت اِسلام کا فیصلہ ہے کہ ہر مذہب اسلام ہے کیا یہ صحیح ہے؟" مَیں نے مختصر سے جواب میں اُسے قطعاً خاموش کر دیا۔ اُس نے پھر بے چینی سے سوال کیا۔ "حضرت پیری مُریدی کیا ہے؟" مَیں نے نہایت اطمینان سے مختصر طور پر سمجھانے کی سعی کی۔ کہ جس طرح آپ نے ماسٹر صاحبان اور پروفیسروں کے زیرِ تربیت علُوم ظاہرہ پر عبُور حاصل کیا ہے۔ اسی طرح مریدین بھی پیرِ کامل کے زیرِ تربیت علم دین اور معرفتِ حق حاصل کرتے ہیں اور جس طرح اُستاد کے بغیر یہ دُنیوی اُمور یا اعزاز ناممکن الحصُول ہیں اسی طرح پیرِ کامل کے بغیر معرفت و قُربِ حق ناگزیر ہے۔ غرضیکہ میں نے اُسے فلسفیانہ و عالمانہ انداز سے سائنس و فلسفہ کے علاوہ ضرورتِ دین کی اہمیت پر مختصر مگر جامع اور پُر معنی بات چیت سے سمجھایا۔ اُسی روز ہی اس کی کیفیت میں نمایاں تبدیلی پیدا ہو گئی اور دیگر سوالات جو کچھ بھی سوچ سمجھ کر لایا تھا۔ وہ بھی کسی حد تک از خُود حل ہو گئے۔ بچشمِ گریاں رخصت حاصل کر کے چلا گیا۔

دُوسرے روز وُہ پھر آ گئے اور اعتراف کیا کہ "حضرت! بخدا ہم علُوم ظاہری میں کمال

حاصل کرنے کے باوجود گمراہ ہو چلے تھے مگر آپ نے ہم کو بچا لیا۔" اور نہایت ادب و خلوص بھرے انداز میں دعوت کے لیے اصرار کیا۔ چنانچہ ہم نے دعوت منظور کر لی۔ اور اس کے والدین جو کہ سادہ لوح اور اسلام پسند تھے۔ نہایت شکر گزار ہوئے کہ حضرت ہم بہت پریشان تھے۔ ظفر اللہ خاں کی تعلیم و تربیت پر زرِ کثیر صرف کیا مگر اس کا نظریہ فلسفہ اسلام کے خلاف ہو جانے کے باعث ہم اپنے دلوں میں ماتم کناں رہا کرتے تھے۔ خدا اور رسول آپ سے راضی ہوں کہ آپ نے ایک ڈوبتے خاندان کو بچا لیا۔

ظفر اللہ خاں اور اس کے والدین اور ان کے خویش و اقربا تائب ہوئے اور ظفر اللہ خاں کے توسّل سے اُس کے بہت سے ہم خیال اور نئی روشنی کے دلدادہ بھی سلسلۂ عالیہ میں داخل ہوئے اور وہ بہت اچھا ثابت ہوا۔ یاد رکھیے کہ نسبت تامہ حاصل کرنے کی کوشش میں رہنا چاہیے۔ اس کا حصول دشوار نہیں کوشش و ہمت سے پیرِ کامل کی اتباع کے سانچے میں ڈھل جانا چاہیے۔

آخری زمانہ

۲۷ مئی ۱۹۵۰ء کو بمقام گارڈن ٹاؤن لاہور ارشاد ہوا:

یہ آخری زمانہ ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے۔ "ایک زمانہ وہ بھی آئے گا کہ ایماندار لوگ اپنے ایمان کو بچانے کے لیے جنگلوں اور پہاڑوں کی جانب نکل جائیں گے۔" یہ دور مسلمانوں کے واسطے ابتلا کا دور ہے اور پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے نزول فرمائیں گے اور پھر حضرت امام مہدی علیہ السلام کا ظہور ہو گا۔

کتب صحیحہ سے آثارِ قیامت ملتے جلتے نظر آتے ہیں۔ مسلمانوں کے لیے بڑی تکالیف اور آزمائش کا دور ہے۔ بالآخر فتح مسلمانوں ہی کی ہو گی۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کی امداد فرمائے اور اسلام کا بول بالا رکھے۔ الٰہی بخش گوجر سکنہ جیون ہانہ گارڈن ٹاؤن لاہور نے سوال کیا: "حضرت جی ساڈی وی امام صاحب دیاں جیاراتاں ہون گیاں یا نئیں۔" فرمایا: "اللہ جسے چاہے وہ زمانہ تو آخر زمانہ ہے" بعدہ فرمایا:

نصیر آباد (اجمیر شریف) میں قیام کے دوران ایک مرتبہ سلیم الدین خاں سب انسپکٹر پولیس پنشنر (مقیم حال قصور) چند ساتھیوں کے ہمراہ ملنے آئے اور اس قسم کے سوالات کیے کہ تم لوگ سُن کر بھی حیران ہو گے۔ سوالات اللہ تعالیٰ کی شکل و صورت اور حاضر و ناظر ہونے کے متعلق تھے۔ ہم نے اندازہ لگایا کہ بڑے تیز و طرار آدمی ہیں۔ مگر کوئی کوفت محسوس نہ کی۔ کہ ایسے واقعات ہوتے رہتے ہیں۔ انھیں مختصر بات چیت سے مطمئن کر دیا۔ بالآخر تائب ہوئے۔ صاحب اجازت بھی ہیں۔ بفضل خدا تعالیٰ بڑے ذوق و شوق کے آدمی ہیں۔

مقدّس رُوحانی رِشتہ

فرمایا۔ پیری مریدی ایک مقدّس رُوحانی رِشتہ ہے۔ اس کا قائم رہنا فقط للّٰہیت کے ساتھ ہے۔ مُرید پر حق ہے کہ وہ اپنے پیر کو اپنا مخدوم و محبوب سمجھے۔ خادم کے لیے اپنے مخدوم کے ہر امر و نہی اور قول و فعل پر سختی اور پابندی سے کاربند رہنا ضروری بلکہ فرضِ عین ہے اور محب کے لیے اپنے محبوب کی رضا اور اتباع بھی ایسی ہی ہے۔ ورنہ کامیابی دُشوار ہوگی۔

اور پیر پر فرض ہے کہ مُرید کو ایک خادم نہیں بلکہ ایک امانتِ عزیز تصوّر کرتے ہوئے اس کی نگہبانی، پرورش اور نگہداشت کر کے کماحقہٗ اُسے سرفراز فرماتے۔ خداوند کریم اور رسُولِ اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم اور پیر کامل پر کوئی دلیل نہ رکھنی چاہیے۔ بے دلیل ماننا برحق ہے۔ بدعقیدہ مولوی کیا جانیں یہ تو وہی سمجھ سکتے ہیں جنھیں خدا اور رسُول اور پیر کی ذات سے اَزلی اور والہانہ عشق ہے۔ میں تو ایسے مولویوں کی حقیقت اور اصلیت دیکھتا اور سمجھتا ہوں اور تمھیں بھی خبردار کرتا ہوں کہ کسی شک و شبہ اور دلیل کے بغیر خدا و رسُول اور پیر کی ذات کو ماننا چاہیے۔ ہرگز ہرگز کسی دلیل کی گنجائش نہیں۔ بیشِ حق تعالیٰ معلم الملکوت نے دلیل بازی کی اور ذلیل ہُوا۔

یاد رکھیے کہ آپ لوگوں کا میرے ساتھ خدا واسطے کا تعلق ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے قائم بدائم رہے گا۔ کیونکہ کوئی غیر مقصود نہیں اور حق کبھی مٹتا نہیں۔ آپ لوگ آتے جاتے ہیں، خُدا و رسُولِ خدا کا ذِکرِ خیر ہوتا ہے۔ یہی رِشتۂ محبت ہے اور کیا ہے۔ میں تمھیں

ھدایت کرتا ہوں کہ دُنیا داری بھی خُوب اچھی طرح سے کرو۔ اور حقُوق العباد کی نگہداشت بھی ساتھ ساتھ ضروری ہے۔ ورنہ اپنے حقیقی مقصد سے دُور ہٹا دیے جاؤ گے۔ میں نے جس انداز سے اس دَور میں زندگی بسر کی ہے وُہ تم دیکھ رہے ہو اسے اختیار کرو فلاح پاؤ گے۔ مَیں نے جو کچھ حاصل کیا ہے۔ اپنے حضرت پیر و مُرشد کی اتباع و محبّت کا طفیل و ثمرہ ہے۔ اور دُنیا داری کے لحاظ سے عمر بھر نہایت محتاط رہا۔ کہ میرے ذمّہ کوئی حقُوق واجب الادا نہیں ہے اور دُنیا داری کے معاملات کو تُم سے زیادہ سمجھتا ہوں اس لیئے تنبیہ کر دیتا ہُوں کہ حقُوق العباد سے ہرگز غفلت نہ برتی جائے۔

مَیں کہتا ہُوں جسے تلاشِ حق ہے۔ اور گوہرِ مقصُود دُور و دُشوار نظر آتا ہے۔ وہ احکامِ الٰہیہ کے تحت اپنی دُنیا داری صحیح کر کے میرے پاس آ جائے۔ مجھ پر فرض ہو گا کہ میں اُسے وُہ گوہرِ مقصُود میسّر کر دوں۔ اِنشاء اللہ تعالیٰ۔

دَورِ حاضر اور فقیری

فرمایا۔ بعض لوگ مجھ سے سوال کیا کرتے ہیں۔ تُم بھی غور سے سُن لو۔ حضرت سیّد ناسرورِ کائنات علیہ الصلوٰۃ وَالسلام کے دیدارِ پُر انوار کے شیدائیوں اور متلاشیانِ حق کی فقیری بھی کُچھ تھی کہ خود آنحضور پُر نُور علیہ الصلوٰۃ وَالسّلام کی ذاتِ ستودہ صفات کی محبت اور ہر قول و فعلِ مُبارک کے سانچے میں ڈھل چکے تھے۔ اتباع و محبت کو زندگی بنا لیا تھا اور اس طرح جُملہ مراتبِ عالیہ حاصل کر لیے تھے۔ ان حضرات والاصفات کی تمام ریاضت، زُہد و جہد اسی کے تحت تھا۔ اور دِلوں میں نسبتِ حق قائم ہو گئی تھی۔ اور حضرات تابعین و تبع تابعین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے بھی یہی عمل اور طریقہ اختیار فرمایا۔ حضرات صحابہ کرام کے دیدارِ پُر انوار اور ان کی اتباعِ کامل میں معرفت و قُربِ حق سے مُمتاز و سرفراز ہو گئے اور نسبت قائم ہو گئی۔ مابعد حضرات اولیائے متقدمین نے یہی طریقہ اور عمل اختیار فرمایا۔ اور معرفت و قُربِ حق کے حصول کے لیئے ذکر و مراقبہ جیسے احسن اور مؤثر طریق اختیار و اظہار فرمائے۔ اس طرح سلسلۂ طریقت قائم و ایجاد ہُوا۔

درحقیقت اُسوۂ حسنہ کی ظاہری اور باطنی اتباعِ شریعت کو طریقت کہا جاتا ہے اور حصولِ نسبت کا ذریعہ و باعث ہے۔ حضرات سلف صالحین نے اللہ تعالیٰ کے قُرب و معرفت اور حصولِ رضا و نعمت کے لیے جو کچھ زہد و جہد اور سعی فرمائی اور نفس کے خلاف جہاد کیے۔ وہ ان حضرات والاصفات کی قوتِ ایمانی اور عزم غیر متزلزل کا ہی باعث ہے۔ ورنہ طاقتِ بشری تو ظاہر ہے اور ان حضرات گرامی کی قوتِ ارادی نے جو کچھ کر دکھایا۔ وہ بھی اخبار و آثار سے ظاہر ہے۔ ان حضرات کی عمریں طویل تھیں اور حوصلے نہایت بلند اور قلبِ مبارک قوی تر تھے۔ کہ جن کی ایک ہی نظر متاعِ دین و دُنیا تھی۔ وہ مراتب عالیہ رکھتے تھے اور نسبتِ حق دلوں میں منور پاتے تھے۔

لیکن دورِ حاضرہ کو ترقی یافتہ کہا جاتا ہے۔ حالانکہ متقدمین کی نسبت عمریں کم ہیں حوصلے نہایت پست ہیں اور دل کمزور ہیں مگر پھر بھی فقیری کے مدعی ہر جگہ پائے جاتے ہیں حالانکہ نسبت مفقود نظر آتی ہے۔ اور اپنا فیصلہ تو یہی ہے کہ نفس کے خلاف سب سے بڑا جہاد یہی ہے کہ خلافِ شرع کوئی کام سرزد نہ ہو۔ بس نفس کشی ہوگئی اور اگر رضائے حق کی تمنا ہے۔ تو وہ محبتِ رسُول میں ہے اور بس رضا یہی ہے۔

دل کا مرکز (رابطۂ پیر کامل) صحیح ہو تو آدمی دولتِ حق الیقین سے مالامال ہو جاتا ہے۔ ایک مولوی صاحب جو کہ بڑے علاّمہ تھے ۔کہنے لگے: "حضرت دعا فرمائیں کہ میں رضا پر قائم رہ سکوں۔ اب میری یہ حالت ہے کہ کبھی تین دن تک اور کبھی ایک دن کے لیے قائم بر رضا رہ سکتا۔" میں نے کہا یہ بھی غنیمت ہے مولوی صاحب ورنہ میں تو اِتنا بڑا دعویٰ نہیں کر سکتا۔ رضائے حق پر ایک ساعت کے لیے قائم رہنا بھی بڑی بات ہے اور اپنا حال تو بس یہ ہے کہ مُردہ بدست زندہ۔

سماع ذریعۂ رقتِ قلب ہے

فرمایا مولوی قمر الدین (مولوی وال تحصیل دھاڑی) عالم، حکیم اور شاعر ہیں۔ ان کے اشعار بڑے مرصّع ہوتے ہیں۔ توجّہ کے خواستگار ہوتے تو میں نے کہہ دیا مولوی صاحب

ملتے رہنا۔ اور میں آپ کے حق میں دعا کروں گا۔ پھر بھی اپنے مقصد (توجہ) کی جانب متوجہ کرتے رہے۔ اور مستان شاہ نے بھی پر زور سفارش کی۔ مگر میں نے صاف کہہ دیا۔ مولوی صاحب سے کہہ دیا ہے کہ آتے جاتے اور ملتے رہیں۔ ملنے سے ہی بات بنے گی۔ بوڑھے آدمی ہیں توجہ کیا برداشت کریں گے۔ ایسا ہی ہوا تو کیا فائدہ۔ انھیں ملتے رہنا چاہیے۔

اگر ہو سکے تو سماع زیادہ سنا کریں۔ اس سے قلب زیادہ نرم ہوتا ہے۔ مگر حقیقتاً رجوع وخشوع زیادہ ہوتا ہے اور قوتِ برداشت بیدار اور طلب و اشتیاق پیدا ہوا کرتے ہیں۔ کسی غیر نسبتی آدمی کو اگر وجد و کیفیت ہو جائے تو اُسے جلد ہی کسی صاحبِ نسبت بزرگ سے مرید ہو جانا چاہیے۔ راہِ خدا میں جلد کامیاب ہو جائے گا۔

شاہ محمد نبی رضا خاں کی وفات کا اشارہ

مئی ۱۹۵۰ء کو بمقام کوٹھی نمبر ۶ بستی جیون ھانہ گارڈن ٹاؤن لاہور ارشادِ حالی ہوا:

میرے حضرت سراپا رحمت حینِ حیات تھے۔ وطنِ مالوف (بھینسوڑی شریف) کے بجائے لکھنؤ شریف قیام فرما تھے۔ دریں اثنا حضرت سیدنا دادا پیر و مرشد فخر العارفین شاہ محمد عبد الحیٔ اپنے دولت کدۂ رحمت (چاٹگام) پر رونق افروز تھے اور تین روز تک تقریباً صحنِ حرم شریف (احاطہ دولت کدہ) ہی میں رہے۔ طبع مبارک میں اضطراب و بے قراری بدرجۂ کمال ظہور پذیر رہی۔ اور اس عالم میں آپ (سیدنا حضرت فخر العارفینؒ) اکثر ٹہل قدمی فرمایا کرتے۔ جب باہر تشریف لاتے، تو فرمایا:

"اللہ تعالیٰ اپنے محبوب بندوں کو چن لیتا ہے۔ جن سے یہاں بھی اور وہاں بھی کام لیا جاتا ہے اور جس وقت منشائے ایزدی جلّ شانہٗ چاہے۔ یہاں سے طلب فرمائے" اور اس واقعہ کے تین دن بعد میرے حضرت (شاہ محمد نبی رضا خاں) نے وصال فرمایا۔

گفتگوئے نصیحت

منجانب اللہ تعالیٰ میں تمھاری دنیاداری اور دین کا اس قدر ذمہ دار ہوں کہ ہر وقت

نفع و نقصان سے آگاہ رکھوں اور ہر نیکی کا امر کروں اور ہر بُرے کام سے منع کروں۔ میں تو تمھیں نیک رائے اور ھدایت کی تعلیم دیا کرتا ہوں اور امر (حکم) سے گریز ھی کیا کرتا ہوں تاکہ اگر تم سے تعمیل امر نہ ہو سکے تو گنہگار تو نہ جاؤ۔

میری باتوں کو خاص توجہ اور غور و فکر سے سُنا کرو۔ آج میں چاہوں تو تم سب کو مجذوب بنا سکتا ہوں۔ مگر یہ راہِ فلاح نہیں۔ میں تو تمھارے دینی اور دُنیوی معاملات کو مرضیاتِ الٰہیہ کے تحت دیکھنا اور بہتر بنانا چاہتا ہوں۔ فلاح اِسی میں ہے کہ مُتبلائے خدا و رسُول ہو کر حضراتِ سلفِ صالحین کے اسوۂ حسنہ کے مطابق زندگی بسر ہوتی رہے اور دِل و نیت کو صحیح رکھا جائے۔ اگر دِل صحیح ہے تو ارادہ کبھی غلط نہ ہو گا اور ارادہ صحیح ہے تو نقصان کیا، بلکہ نفع ھی نفع ہے۔ اگر دین و دُنیا کے کام رضائے حق کے تحت سرانجام ہوں۔ تو مقصدِ زیست کی تکمیل ہو گئی۔ یاد رکھیے کہ اتباع میں ہوشیار رہنا چاہیے۔ فلاح یہی ہے۔

نُور محمدؒ اجمیری مرحوم و مغفورؒ کا ذکر

نور محمد (اجمیری مرحوم و مغفور مزار شریف بمبئی) تمھارے پیر بھائیوں میں سے تھے۔ وُہ ایک عرصہ تک میرے پاس آتے جاتے رہے۔ اور آرزو مند بھی رہے کہ وُہ ایک پیر صاحب کے مرید بھی تھے۔ جب ان کی بے چینی بڑھ گئی تو مَیں نے مرید کر لیا۔ اور ساتھ ھی ہدایت بھی کر دی کہ تمھیں فیض یہیں سے حاصل ہو گا۔ مگر اُن پیر صاحب کی دِل شکنی بھی ہماری مطلوب نہیں۔ نذر و نیاز حسبِ دستور انھیں کو دیا کرنا۔ اس کے باوجود بھی پیر صاحب نے اپنا رویہ بہت سخت بنا لیا اور بد دعاؤں سے مرعوب و مغضوب کرنے کی ناکام کوشش کرتے رہے۔

ایک جگہ پر میرا اتفاق سے قیام ہوُا۔ تو پیر صاحب وہاں پہلے ھی سے مقیم تھے۔ میرا نام سُنتے ھی اندر کے ایک کمرہ میں اپنا بستر لگوا لیا۔ اور باہر نہ نکلے۔ کئی روز ہو گئے مگر ملاقات نہ ہوئی۔ ایک روز مَیں خود اندر چلا گیا۔ تو کہنے لگے "معاف فرمایئے میں

حاضر نہ ہو سکا۔ اور باتوں باتوں میں کہا کہ نور محمد (اجمیری مرحوم و مغفور) میرا اَبدی مرید ہے۔ مَیں نے اُنھیں اجازت و خلافت بھی دے رکھی ہے۔ وُہ آپ کے پاس بھی آتا جاتا ہے۔ اِن دِنوں اُس میں بڑا ذوق و شوق ہے۔ وُہ مرید اور خلیفہ مجھ ہی سے ہے۔" چنانچہ میں نے اُسی وقت سے اپنا رجُوع کم کر دیا اور نور محمد کو جو کچھ باطنی سرُور حاصل تھا۔ وُہ میرے ہی تعلّق اور توجہ سے قائم تھا سب ختم ہو گیا اور نو ماہ تک پریشان حال پھرتا رہا۔ دِل سے کھوئی ہُوئی نعمت پھر دستیاب نہ ہو سکی۔

بالآخر واپس آیا تو باریابی مشکل نظر آئی۔ نہایت گریہ و زاری کرتا رہا اور بڑی بڑی سفارشیں بھی لایا۔ میں نے اس کے حال پر پھر سے توجہ کی۔ گویا کھوئی ہُوئی نعمت اُسے پھر سے مِل گئی ہو۔ مَیں نے اُسے اُن پیر صاحب سے ملنے اور نذر نیاز دینے سے منع کر دیا۔ خلافت کے چکّر سے تو نکل چکا تھا۔ کافی رگڑے کھاتے تھے۔ اب غلامی ہی کافی سمجھ رہا تھا۔ اُدھر پیر صاحب کے رنج بھرے خطُوط اور بد دُعا نامے نازل ہوتے رہے۔ مَیں نے اُسے واضح طور پر بتا دیا کہ کوئی جواب نہ دیا جائے اور اپنے مرکزِ فیض پر دِل و نگاہ کو مُبتلا رکھے۔ کسی خوف کی ضرورت نہیں بفضلِ خدا تعالیٰ اپنے مقصدِ حقیقی میں کامیاب ہُوا۔ اور اس کی قبولیت کا اِسی سے اندازہ کیا ہو سکتا ہے کہ اس کی ہر ایک دُعا مستجاب نظر آئی۔

رُوحانی تعلّق

فرمایا۔ دُنیا کی ہر چیز مادی الاثر ہے اِس لیے فانی ہے اور فانی و مادّی اشیاء کی محبت فناپذیر تاثرات ہی میں مدغم کیا کرتی ہے۔ "کل شئی یرجع الیٰ اصلہٖ" کے بمصداق ہر چیز اپنے اصل کی طرف ہی رجُوع کرتی ہے۔ جُملہ بزرگانِ دین کی متفقہ تحقیق ہے کہ پیرِ کامل کی نسبت کے بغیر کوئی راہِ خدا نہیں ہے کہ جس سے انسان کامیاب ہو سکے۔ الّا ما شاء اللہ تعالیٰ۔

فانی الشیخ ہوتے ہی طالب اپنے مطلوبِ حقیقی کو پا لیتا ہے۔ رُوحانی تعلّق ایک راز ہے اور رُوحانی تعلّق اور محبت کی کشش بقا کی جانب کھینچتی ہے اور رُوح کو فنا نہیں اِس کی

کشش بھی غیر فانی ہے۔ البتہ رُوح کا معاملہ فہم و قیاس سے بالاتر ہے۔ اس کا تعلق عالمِ امر سے ہے۔ انسانوں میں بھی اسی طرح فرق ہے جس طرح کہ انگلیوں میں فرق ہے اور فرقِ مراتب بھی ضرور ہوتا ہے جیسا کہ "شکورؔ" اسمِ ذات ہے۔ یاد رکھیے کہ پاک اور ناپاک ارادت برابر نہیں۔ ایسے ہی ذات اور صفات میں فرق ہوتا ہے۔

سجادہ نشینی کا فیصلہ

مئی ۱۹۵۰ء کو بمقام بستی جیون ھانہ گارڈن ٹاؤن لاہور ارشادِ عالی ہوا:

چند روز ہوئے مستان شاہ اور غلام محمد اور تمہارے دیگر پیر بھائی بھی موجود تھے۔ اور سجادگی کے بارے میں فیصلہ کے آرزومند تھے۔ اس سے قبل بھی کہا جا چکا ہے۔ کہ میرا معاملہ سپردِ خدا ہے۔ اللہ تعالیٰ جو چاہے گا وہی ہو گا۔ میں نے تو اپنے لیے بھی کبھی دُعا نہیں مانگی۔ اور اپنے بچوں کے لیے بھی دُعا نہیں مانگا کرتا تھا۔ مگر اب تو دُعا کر دیا کرتا ہوں۔ کیونکہ ان کا بھی مجھ پر حق ہے۔ دونوں صاحبزادے صاحبان؛ صاحبِ اجازت و خلافت ہیں اور تعلیم و تلقین کے اہل ہیں اور سجادگی کا فیصلہ یہی ہے کہ میرے بعد تم لوگوں نے مِل کر جو فیصلہ کر دیا وہی میرا فیصلہ ہو گا۔ اور خدا و رسول کا فیصلہ بھی وہی ہو گا۔

طالبِ حق کا انتظار رہا

مئی ۱۹۵۰ء کو بمقام بستی جیون ھانہ گارڈن ٹاؤن لاہور ارشادِ عالی ہوا:

ایک مرتبہ ہم ہندوستان سے پنجاب آئے تو علاقہ کبیر والہ میں مستان شاہ کے ایک مرید کے ہاں دعوت کا پروگرام تھا۔ بڑا اہتمام کیا گیا تھا اور اجتماعِ کثیر موجود تھا۔ میں اندر کے کمرے میں تھا۔ مجھے بتایا گیا کہ ایک ایک مولوی صاحب تقریر کر رہے ہیں۔ آپ بھی تشریف لے چلیں۔ میں نے کہا۔ یہ تم لوگوں نے کیا کیا۔ مجھے بھی بُلوا لیا اور مولوی (احمد حسن صاحب) صاحب کو بھی بلوا لیا۔ نجانے کس خیال کا آدمی ہے۔ کیا بیان کرے گا اور لوگوں سے میں بات کروں گا یا مولوی صاحب بیان کریں گے۔ مگر اُن لوگوں نے کہا کہ حضرت! مولوی صاحب اچھا وعظ

کرتے ہیں۔ تو میں مجلسِ وعظ میں چلا آیا۔ مولوی صاحب نے بہت عُمدہ تقریر کی خصوصیت کے ساتھ اشعارِ مثنوی شریف نہایت خوش الحانی کے ساتھ پڑھے۔ طبیعت بہت محظوظ ہوئی ۔ میں نے اُن کے حال پر توجّہ کی اور مستانِ شاہ سے سرفراز کرنے کو کہا۔ اور وُہ صاحب اجازت بھی کر دیے گئے ۔ میں نے مولوی صاحب کو ھدایت کی کہ ملتے رہنا کامیابی ہوگی اور تاکید کر دی گئی مگر مولوی صاحب آج تک نہ آئے۔ اور حسبِ وعدہ مجھے انتظار ھی رہا۔ اگر وُہ آجاتے تو خُدا جانے اُن کا معاملہ کیا ہوتا۔ سب بات اللہ کے اختیار میں ہے۔

رمضان میاں نے کہا۔ حضرت! وُہ بہت یاد کرتا ہے اور زار و قطار روتا ہے اور حاضرِ خدمت ہونے کو بھی کہتا رہتا ہے۔ میں نے کہا مجھے اخیر دم تک اس کا انتظار رہے گا۔ آنا چاہے تو آسکتا ہے۔ ورنہ وُہ جانے اور اس کا کام۔

فریدِ العصر و فردِ عالم

فرمایا۔ ایک دن لاہور کے ایک صوفی ملنے آئے۔ اُن کی حالت دیکھ کر دِل بہت خوش ہوا۔ ایسا لگا کہ کسی کامل کی صحبت کے فیض یافتہ ہیں۔ اُنھوں نے کچھ اشعار بھی سنائے۔ ان میں کا ایک مصرعہ ھمارے ھاں کا تھا۔ ؎

ھمیں سجدے روا ہیں خواجہ اجمیر کے در کے

میں نے کہا یہ مصرعہ کس کا ہے ؟ کہنے لگے۔ "حضرت! میرے پیر و مُرشد مولانا یار محمد صاحب بُلبل چشتی فریدی کا ہے۔ اجمیر شریف کے ایک مشاعرہ میں جو کچھ کلام ارشاد فرمایا تھا۔ وُھی بجنس کیا جا رہا ہے۔ میں نے مسرت محسوس کی کہ یہ لوگ اپنے حال میں صحیح ہیں۔ ورنہ بے جان کے جسم تو اکثر نظر آتے ہیں۔ فریدیہ اور چشتیہ سلسلہ کے لوگوں میں جان موجود ہے۔ تعلیم و تلقین سے باخبر اور صاحبِ نسبت ہیں۔

میں نے چائے کی ایک پیالی انھیں دی۔ وہ مؤدبانہ طور پر اُٹھے۔ اور کھڑے ہو کر پی لی۔ مجھے بعد میں معلوم ہوا کہ انھیں نفلی روزہ تھا۔ ساتھیوں کی پرسش پر اُنھوں نے کہا کہ "روزہ نفلی تھا اور جس دستِ مبارک سے نعمت ملی تھی۔ اس کی تعظیم فرض تھی اور ہم لوگ تو فریدی

ہیں اور حضرت (تاج الاولیاء شاہ محمد عبد الشکورؒ) فرید العصر اور فرد عالم۔ پھر کیوں نہ ان کی تعظیم کریں۔ اللہ تعالیٰ اُن سے راضی ہو۔ وُہ ہمیں اپنے ہی معلوم ہوئے۔

علمِ غیب

حدیث شریف میں آتا ہے کہ جناب رسُولِ مقبول صلّی اللہ علیہ وسلّم ایک مرتبہ بروز عید تشریف فرما تھے اور چند لڑکیاں کچھ اشعار بطورِ نعت دَف پر خوش الحانی کے ساتھ گا رہی تھیں۔ اور آپ سماعت فرما رہے تھے۔ پہلے شعر کا مطلب و مفہوم یہ تھا۔ کہ "اللہ تعالیٰ نے ہمیں ایسا رسول مرحمت فرمایا ہے جو اللہ کا محبُوب اور برگزیدہ ہے۔" اور دُوسرے شعر کا مطلب یہ تھا کہ:

"اللہ تعالیٰ نے ایسا برگزیدہ رسُول بھیجا ہے۔ جسے علمِ غیب بھی حاصل ہے۔" اِس پر آنحضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام نے ارشاد فرمایا۔ وُہی پہلا شعر پڑھو۔ ہمیں وُہی پسند ہے۔ لہٰذا آپ نے اپنی ذات اقدس سے علمِ غیب کی نفی نہیں فرمائی۔ بلکہ پہلے شعر کو پسند فرمایا اور نہ گانے سے منع فرمایا۔ ہر دو اشعار اور اشعارِ عالی غور طلب ہیں اور حقیقت واضح ہے۔ اَب کوئی شخص اس کو نفیٔ علم غیب قرار دے تو یہ حد سے گزر جانا ہی ہوگا اور کیا کہا جا سکتا ہے

حضرات بزرگانِ دین کے متفقہ، مستعملہ اور مروجہ افعالِ گرامی کے تحت تصوّرِ شیخ، سجدۂ تعظیم، سماع، ذکر و فکر، اعراس شریف اور نذر نیاز غیر شرعی امور نہیں ہیں، بلکہ جملہ طریقِ قرب و معرفتِ حق کو طریقت کہا جاتا ہے۔ جو کہ عین شریعت ہے۔ خواجۂ خواجگان حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبندؒ جیسے متقی اور متشرع بزرگ نے سماع کے متعلق فرمایا: "نہ اقرار میکنم وانکار میکنم۔" اگر آج کل کوئی بزرگانِ دین کے افعالِ گرامی سے انحراف کرتا ہے۔ یا شرک و کفر کے خیال میں مبتلا نظر آتا ہے۔ تو یہ اُس کا ذاتی فعل ہے اور وُہ خود ذمّہ دار ہوگا۔ ہم کیا کہہ سکتے ہیں۔

ایک واقعہ کا ذکر

فرمایا۔ ایک مرتبہ ہمارا ہندوستان سے چک ۱۴۱ A-R (دولت کدہ حضرت قبلہ پیر شاہ مستان) میں آنا ہُوا۔ تو ایک مولوی صاحب جو کہ وہاں بہت مشہور ہیں اور پیری مُریدی بھی کرتے ہیں۔ لاتعداد دینی مدرسے بھی قائم کیے ہیں۔ ملنے آتے۔ معلوم ہُوا کہ پیر مبارک علی شاہ صاحب سیّد عبدالحکیم" ضلع مُلتان کے رہنے والے ہیں۔

مختصر سی بات چیت کے بعد مُرید ہونے کے لیے رجُوع کیا تو مَیں نے کہا۔ آپ مستان شاہ کے مُرید ہو جائیں۔ مگر وُہ اصرار کرتے رہے کہ آپ خُود مرید فرمائیں۔ مَیں نے کہا۔ آپ اُن (حضرت قبلہ پیر مستان پاک مدظلہٗ العالی) کے مرید ہو جائیں۔ مگر وُہ بدستُور اپنی بات پر قائم رہے۔ حتیٰ کہ اَور لوگوں کے علاوہ خُود مستان شاہ نے بھی بہت سفارش کی۔ مگر میں نے اپنا فیصلہ محفوظ رکھا کہ یہ علاقہ مستان شاہ کو تفویض کر چکا ہوں۔ اب انھیں کی نیابت ہی سے کوئی شخص مجُھ سے فیض یاب ہو سکتا ہے اور مَیں اپنے اصُول کی پابندی کرتا ہوں۔ میرے حضرات (بزرگانِ سلسلۂ عالیہ) کا بھی یہی دستور رہا ہے۔

دراصل میں اُن (پیر مبارک علی شاہ صاحب سکنہ عبدالحکیم) سے سلسلۂ عالیہ میں عروج بھی نہ دیکھتا تھا۔ اگر طلبِ حق صحیح ہوتی تو (حضرت قبلہ پیر مستان پاک کے مُرید ہونے سے) کوئی اَمر مانع بھی نہ تھا۔ اگر وہ تعمیل کرتے تو کامیاب ہو سکتے تھے اور میرے سامنے جب کوئی آتا ہے تو اُس کی حقیقت سے کماحقہٗ واقف ہو جاتا ہوں۔ زبانی کچھ بھی جمع خرچ کرتا رہے۔ مگر میں تو اس کی اصلیت پر نظر رکھتا ہُوں اور پَردہ پوشی اہلِ فقر کا کام ہے۔

جہادِ اکبر

فرمایا: سَب سے بڑا جہاد، جہاد بالنفس ہے۔ اپنی اصلاح سختی سے کرنی چاہیے۔ خواہشات کے گھوڑے پر حرص و ہوا کی لگام کو مضبوطی سے گرفت میں رکھتے ہُوئے منزلِ مقصُود کی جانب سفر کرنا چاہیے اور یہ سَب کچھ اسی وقت ممکن ہوگا کہ جب تُم اپنے پیر و مُرشد کی محبت میں غنی ہو

جاؤ گے۔ ورنہ صحیح منزل کی جانب قدم بھی نہ اُٹھ سکے گا۔ منزلِ مقصود پر پہنچنا تو دُور کی بات ہے
دریں اثنا جناب "قدوس میاں" صاحب طول عمرہ (فرزند دلبند صاحبزادہ جناب حضرت محمد
عبدالرؤف صاحب) نے آنجناب رحمت مآب حضرت قبلۂ عالم "تاج الاولیاء" کے دستِ رحمت
پر چند بار بوسے دیئے۔ اِس پر ارشاد ہُوا۔ دیکھیے یہ کیا کرتا ہے۔ خُدا جانے کیا بنے گا۔ اِس کا
یہی شغل رہتا ہے۔ بعض ہوشیار بچے راہِ خدا میں بہت کار آمد اور مفید ثابت ہُوا کرتے ہیں۔

مکرّر ارشاد ہُوا۔ میرے حضرت کا فیض غیر فانی ہے۔ بفضلِ خدا ہر زمانے میں زمانہ دیکھتا
رہے گا۔ اور نِت نئی شان کا ظہور ہوا کرے گا۔

صاحب زادہ حضرت عبدالستار صاحب کی یاد

فرمایا۔ ہمارے "مُنّا" میاں کو لوگ مولانا صاحب کے خطاب سے یاد کرتے ہیں۔ وُہ
بمبئی علاج کے لیے گئے اور وہیں اللہ کو پیارے ہو گئے۔ مولانا صاحب مُنشی فاضل تھے۔
نیک طبع اور معاملہ فہم آدمی بھی تھے۔ نہایت شُستہ اور مُرصّع اشعار کہتے تھے۔ اُنھوں نے
زندگی بھر میری مرضی کے خلاف کوئی قدم نہ اُٹھایا۔ صاحبِ اجازت اور صاحبِ سجادہ بھی
تھے۔ اُن سے زندگی میں اُن کے سلسلہ کی کوئی اشاعت نہ ہو سکی اور بعض لوگ بعد وصال کمال
کو پہنچتے ہیں۔

دراصل نُورِ نسبت اپنا ظہور کرتا ہے۔ زندگی میں ہو یا بعد وصال۔ بعض سالکانِ
طریقت اگر زندگی میں کمال کو نہ پہنچ سکیں تو منجانب اللہ بعد وصال ان کی ترقی ہوتی رہتی
ہے۔ اب تو بمبئی میں اُن (صاحب زادہ جناب عبدالستار صاحب تیغ مرحوم و مغفور) کا مزار
مرجع خاص و عام ہے۔ وہاں فیضِ دریا اور محفلِ ستاری مشہور ہے۔ ان کا ایک شعر ان کے
مناسبِ حال ہے ؎

میری تنویریں قیامت تک رہیں گی جلوہ گر
آفتابِ حُسن سے ہے جلوہ سامانی میری

فراہمی تسکینِ قلب

مئی ۱۹۵۰ء کو بمقام دربارِ عالیہ جیون خانہ گارڈن ٹاؤن لاہور ارشادِ عالی ہوا :

میں تم لوگوں کے فائدہ کی بات کہا کرتا ہوں اور تمہارے دِلوں کی تسکین کا سامان فراہم کیا کرتا ہوں۔ میری باتیں غور و فکر سے سُن کر تمھیں بھی مائل باصلاح ہونا مناسب ہے۔ بعض لوگ خلافت کے چکر میں سرگرداں ہو جاتے ہیں۔ حالانکہ اُنھیں اپنے مقصود پر نظر رکھنی چاہیے۔ خلافت کا تعلق امرِ حق سے ہے۔ خود بخود آرزو نہ رکھنی چاہیے۔ یہ منصب پیغمبری ہے۔ بازیچۂ اطفال نہیں ہے۔ یہ ایک مقدس امانت ہے جسے اگر پہاڑ بھی اٹھائیں تو ریزہ ریزہ ہو جائیں۔ خود بخود کون متحمل ہو سکتا ہے۔

حضرات جلیل القدر بزرگانِ دین اِس بارِ امانت کو قبول کرنے سے معذرت ہی کرتے رہے مگر مشیّتِ ایزدی کے حضور سرِ تسلیم خم ہی فرماتے رہے۔ مستان شاہ اور غلام محمّد دونوں کی آپس میں بڑی محبت ہے اور بڑا تعلق ہے۔ دوسرے اشخاص بھی ان میں فرق محسوس نہیں کر سکتے۔ اوّلاً مستان شاہ کو اجازت حاصل ہوئی اور میں غلام محمّد کا عرصہ دراز تک اندازہ لگاتا رہا۔ مگر ان کے دِل میں کبھی کوئی آرزو پیدا نہ ہوئی۔ بالآخر خدا تعالیٰ نے انھیں بھی سرفراز فرما دیا۔

یہی مناسب ہے کہ دِل کو ماسویٰ اللہ سے بچا کر رکھا جائے۔ اللہ تعالےٰ جو کچھ چاہتا ہے وہی ہوتا ہے۔ پھر خواہ مخواہ بے سُود آرزوئیں رکھنا تضیعِ اوقات ہے اور وہ نافع بھی نہیں ہوتیں۔ بعض لوگ ایسے بھی ہیں جن کو تنبیہ کرتا ہوں کہ ہوش سے کام لیں اور بیدار ہو جائیں۔ قلب جاری ہو گیا یا مستی حاصل ہو گئی تو کیا ہوا۔ قلب کا جاری ہو جانا دِل کے ذاکر ہو جانے کا نام ہے۔ اس سے تسکینِ قلب اور کیف و سرور حاصل ہوتا ہے۔ مگر اسی پر اکتفا کیا جاتا ہے اور اپنے آپ کو کامل یا فقیر ہو جانا خیال کر لیا جاتا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ کامل یا فقیر ہو جانا تو دُور کی بات ہے۔ یہ تو ابھی راستہ دکھلایا گیا ہے۔ ہمت سے منزل کی جانب سفر پیرا ہونا چاہیے۔ ذکر باعثِ تسکینِ قلب ہے اور پاس انفاس کی مدد کرتا ہے۔

مگر راہِ کمال نسبت میں ہے۔ نسبتِ تامہ حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ قرآنِ کریم میں نسبت کو "حبل اللہ" کے مفہوم میں پایا جائے گا۔ اور اثباتِ حق کے قیام ہی کا نام نسبت ہے جس کے حصول کے لیے تصورِ شیخ اور مراقبہ نہایت ضروری ہیں۔ بلکہ تصورِ شیخ رُوحِ نسبت ہے۔ اور مراقبہ زیادہ کرنا چاہیے تاکہ محویت حاصل ہو جائے۔

بعض لوگ کشف و کرامات کے متمنی ہوتے ہیں۔ بعض پیر بننا چاہتے ہیں۔ یہ سب خیالِ غیر ہیں جو نسبت کو کمزور کرتے ہیں۔ آدمی کو پختہ خیال ہونا چاہیے۔ کشف و کرامات کو کیا کرنا ہے۔ عشق و محبت میں استقامت اعلیٰ نعمت ہے۔ خدا نصیب فرمائے۔ ؎

بندۂ عشق شُدی ترک نسب کن جامی

کہ دریں راہ فلاں ابن فلاں چیزے نیست

یاد رکھیے۔ پیرِ کامل کی "نسبت" حاصلِ کل ہے۔ اس کے بغیر کوئی چارہ نہیں کہ منزلِ مقصود دستیاب ہو سکے۔ اگر پیرِ کامل سے نسبت قائم ہے تو بعد وصال بھی برابر فیض ہوتا رہے گا۔ بلکہ بدرجۂ کمال فیض ہوگا۔

اگر مرید کو پیر کی ذات میں عیب نظر آئیں تو مرید کبھی بھی کامیاب نہ ہو سکے گا۔ یہ تو پہلے دیکھ لینا چاہیے کہ "پیر" بظاہر متشرع ہے اور محبتِ رسولِ مقبول علیہ الصلوٰۃ والسلام کا سرمایہ رکھتا ہے یا نہیں۔ اگر رکھتا ہے تو کامل ہے۔ یہ دونوں نعمتیں موجود ہیں تو اس کی خدمت اور صحبت خدا رسیدہ کر سکے گی۔ ورنہ دیگر خیالات عود کر آئیں گے۔ ؎

گر تو سنگ خارۂ مرمر شوی !

چوں بصاحب دل رسی گوہر شوی

پیر کی ذات پر حُسنِ ظن شرطِ اوّل ہے۔ عیب جُو مرید تو بس گیا اور رہے بھی تو بے فیض ہی رہے گا۔ میں نے آج تک یہ اصول رکھا ہے کہ کسی شخص میں صدق کی کمی دیکھی یا کسی تکلیف میں رجوع پایا تو اس کے لیے دُعا کر دیتا ہوں مگر مرید نہیں کرتا۔

اور جسے مرید کر لیتا ہوں جب تک اس کی حالت ٹھیک نہیں ہو جاتی۔ بے قرار رہتا ہوں۔ آخر کار اللہ تعالیٰ مہربانی فرما ہی دیتا ہے۔

یاد رکھیے۔ کامل فقیری یہی ہے کہ رسولِ مقبول صلّی اللہ علیہ وسلّم کے اسوۂ حسنہ کو اپنا لیا جائے۔ ماسویٰ اس کے کوئی کامل فقیری نہیں ہے۔ عملیات اور چلّہ کشی بے سود شغل ہیں۔ جو چیز توکّل، ادب اور تسلیم و رضا کے زمرہ میں نہیں کیونکر صحیح ہوگی۔ وُہ غیر اسلامی فقیری تو ہو سکتی ہے۔ مگر اہلِ اسلام کو اس سے کیا واسطہ۔ جمیع بزرگانِ دین نے جو کمال و مدارج حاصل کیے ہیں۔ وُہ آنحضور صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی محبت اور تابعداری کا نتیجہ ہیں۔

ایک پولیس آفسر کی ترقّی

مورخہ ۸ رجون ۱۹۵۰ء کو بمقام بستی جیون ھسانہ گارڈن ٹاؤن کوٹھی نمبر ۶، لاہور ارشادِ عالی ہوا:

ایک مرتبہ ہم ہندوستان سے بغرض شرکت عُرس مبارک پاکپتن شریف حاضر ہوئے۔ اس وقت مسعود الدین خاں نے جو اُس وقت چونیاں کے ڈی۔ ایس۔ پی کے ریڈر تھے۔ (حال سب انسپکٹر پولیس لاہور) نے کہا۔ حضرت! ڈی۔ ایس۔ پی صاحب سے اِس شرط پر رخصت حاصل ہوئی ہے کہ اُن کے حق میں دُعا کراؤں کہ وہ ایس۔ پی کے عہدہ پر ترقی پا جائیں۔ اور میں اس کے ساتھ وعدۂ دُعا کر کے آیا ہوں۔ آئندہ حضور کی مرضی پر منحصر ہے۔ میں نے کہا کہ جب میں " بابا صاحب " کے آستانۂ عالیہ پر حاضر ہوں تو یاد کرا دینا۔

چنانچہ بوقتِ حاضری یاد دلایا گیا اور میں نے " بابا صاحب " کی خدمت میں التماس کیا کہ حضرت! مسعود الدین خاں آپ کا خادم میرے وسیلہ سے اپنے ڈی۔ ایس۔ پی کے لیے ترقی کا خواستگار ہے اور وعدۂ دُعا بھی کر آیا ہے۔ اسے ترقی یاب ہو جانا چاہیے۔ حضرت بابا صاحب کی طرف سے مجھے ارشاد ہوا کہ " وہ ترقی یاب ہو جائے گا۔" میں نے خیال کیا۔ جانے کب وُہ ترقی یاب ہوگا۔ لہٰذا دوبارہ التماس کیا کہ حضرت اُسے جلدی ہو جانا چاہیے۔ حضرت بابا صاحب نے فرمایا " کر دیا گیا۔" اور میں (حضرت قبلہ تاج الاولیاءؒ) نے اُسی وقت ____ مسعود الدین خاں کو خوش خبری سُنائی (کہ اُس کا ڈی۔ ایس۔ پی ترقی یاب ہو جائے گا) ہم لوگ ابھی وہیں قیام پذیر ہی تھے کہ شام کے وقت ایک سپاہی " چونیاں " گیا اور اس نے

ڈی۔ایس۔پی صاحب موصوف سے کہا کہ آپ ایس۔پی ہو گئے ہیں۔ اُس نے کہا کہ جب تک گزٹ میں میرا نام نہ نکلے گا میں اپنی ترقی کا یقین نہیں کر سکتا۔ چنانچہ دُوسرے ہی دن صبح کے وقت گزٹ میں اس کا نام شائع ہو گیا۔ (اور ڈپٹی صاحب موصوف دِل و جان سے حضرت قبلہ تاج الاولیاءؒ کے معتقد ہو گئے۔)

عبدالحیّ کی پیدائش

مورخہ ۳۰ اکتوبر ۱۹۵۰ء کو بمقام گارڈن ٹاؤن لاہور ارشاد عالی ہُوا:

آج رؤف میاں (چھوٹے صاحبزادے) کو اللہ تعالیٰ نے پسر عطا فرمایا ہے۔ گھر بھر میں مسّرت ہوئی ہے۔ نومولود کو میرے پاس بھی لایا گیا۔ میں بھی دیکھ کر خُوش ہُوا۔ اور دُعا کرتا ہُوں۔ حالانکہ میں نے کبھی اپنے لیے دُعا کی۔ اور نہ ہی کسی آرزو میں مُبتلا رہنا پڑا۔ بچّوں کے لیے اب دُعا کر دیا کرتا ہُوں۔

قدّوس میاں (خلف الرشید مخدوم زادہ جناب محمد عبدالرؤف صاحب) بہت چُست اور بے باک طبیعت رکھتے ہیں۔ جی چاہے تو ہاتھ پیر چُومتا رہے۔ اور جی چاہے تو بُلانے پر بھی نہ آتے۔ بعض بے باک اس راہ میں بہت اچھے ثابت ہُوا کرتے ہیں۔ جانے کیا بنے گا اور چھوٹے بچّے کا نام ہم نے "عبدالحیّ" رکھا ہے۔ اس کی خندہ پیشانی اس کے بخت کی نشانی ہے۔ کئی روز تک آنکھیں بھی نہ کھولیں۔ جب بچّہ پیدا ہوتا ہے تو سرِ بسجود ہوتا ہے۔ کئی روز تک آنکھوں کا بند رہنا اِسی کیفیت کا تاثر ہوتا ہے۔

قلب کی تاریکی

فرمایا: اگر بجلی کی تار خراب ہو جائے تو مکان میں اندھیرا ہو جاتا ہے اور اس میں بجلی گھر کا کیا قصور۔ اگر مُرید اپنے پیر کے تعلّق کو کسی وجہ سے خراب کر دے تو دِل میں اندھیرے کا ہو جانا لازمی ہے۔ خُدا کرے محبّت کی تار کبھی خراب نہ ہو۔ اور کلام اللہ میں حبل اللہ سے حقیقتاً یہی مراد ہے۔ پیرِ کامل اس مقدّس رابطہ کا محافظ ہوتا ہے۔ اگر اس (تار) میں کوئی کمزوری یا خرابی

واقع ہو جائے تو شفقت سے یا سختی سے بہر صورت درست کرنے کا مجاز ہے۔ مرید کو چاہیے کہ پیر کی محبت میں کوئی چیز حائل نہ ہونے دے۔ اور اس معاملہ میں عنا لب ہی رہے۔

حدیث شریف میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمھارے اعمال اور نیات پر نظر فرماتا ہے اور دُوسری جگہ آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اعمال دیکھتا ہے نہ صورتیں بلکہ دِل و نیت دیکھتا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ روزِ حشر بھی دِل و نیت کو دیکھا جائے گا اور اسی پر فیصلہ ہو گا۔

پیرِ کامل کی نایابی

مورخہ ۱۰ نومبر ۱۹۵۰ء کو بمقام بستی جیون ھانہ گارڈن ٹاؤن لاہور ارشادِ عالی ہُوا:

جہاں تک میں جانتا ہوں۔ لوگوں میں طلب پائی جاتی ہے مگر پیرِ کامل کا مِلنا آسان نظر نہیں آتا۔ پنجاب کے لوگ (زیادہ تر) آباء و اجداد سے بندھے چلے آرہے ہیں۔ اور (انھیں) صحیح تعلیم نہیں دی جاتی۔ ہم بھی اپنے آپ کو کسی سے بہتر نہیں گردانتے مگر ہمیں موجودہ دَور کے رسم و رواج سے کوئی سروکار نہیں۔ تعلیم و تلقین کے معاملہ قدیم پر سختی سے کاربند ہیں۔ یہ دَور کچھ بھی ہے مگر ہمیں منجانب اللہ تعالیٰ آٹھ سو سال قبل کا زمانہ مِلا ہے (یعنی آج سے آٹھ سو سال پہلے والی فقیری عطا ہُوئی ہے) اور ہماری تعلیم کا تمام تر دارومدار ذِکر اور عشق و محبت اور اتباع پر ہے۔ آدمی کو مرید کرنے سے قبل دیکھ لینا چاہیے کہ میں صرف اللہ کے لیے جس کے ھاتھ پر بیعت کر رھا ہوں۔ کیا وہ کامل طور پر متبع شریعت ہے۔ اور سرمایۂ عشق و محبت بھی رکھتا ہے ؎

اے بسا ابلیس آدم روئے ھست
پس بہر دستے نباید داد دست

مستان شاہ کی آمد پر مسرت

ایک روز دربارِ عالیہ "جیون ھانہ" (گارڈن ٹاؤن لاہور) شریف میں محفلِ سماع

ہو رہی تھی ۔ حضرت اقدس بنفسِ نفیس محفلِ سماع میں تشریف فرما تھے ۔ اور محفل میں ذوق و شوق اور کیفیت کا پُرجوش عالم تھا کہ ناگہاں حضرت قبلہ پیر شاہ مستان صاحب مدظلہٗ العالی سامنے سے نمودار ہُوئے ۔ تو آپ نے فرمایا " لو مستان شاہ بھی آ گئے ۔" اور اس پر آپ نے انتہائی فرحت و مسّرت محسُوس فرمائی ۔ موصُوف نے آتے ہی زار و قطار گریہ کرتے ہُوئے حضرت کے مبارک قدموں پر بوسۂ شوق و نیاز دیا اور رحمت بھرے ہاتھوں نے سہارا دے کر سینۂ اطہر سے لگا لیا ۔ عاشقِ زار کی حالت زار اور محبوب کی شفقت کا نقشہ چند الفاظ میں پیش کرنا ناممکن ہے ۔ محفلِ عشاق شمع صفت جمالِ ابوالعلائی کے انوارِ مقدسہ پر پروانہ وار نثار ہو رہی تھی ۔ سردار علی قوّال بھی پہلی بار اس محفل میں صاحبِ کیفیت دیکھے گئے اور جھوم جھوم کر تکرار یہ انداز میں وہ مصرعہ قوالی پیش کرتے رہے ؎

تو ئی سلطان عالم یا محمّد   ز روئے لُطف سوئے من نظر کُن

ایک مرتبہ حضرت اُقدس قبلہ تاج الاولیا ، مجمع عشاق میں رونق افروز تھے ۔ اور حضرت سُلطان العارفین شاہ محمد نبی رضا خاں اسدِ جہانگیری لکھنوی ؒ کے عُرس شریف کی تقریب کا اہتمام ہو رہا تھا کہ ناگہاں ایک اجتماعِ کثیر باصد ادب و احترام دُور سے آتا ہُوا دکھائی دیا جو کہ باواز بلند خُوشِ الحانی سے ذکرِ کلمہ شریف کی صدائیں فضا میں بکھیرتا چلا آ رہا تھا ۔ معاً کانوں میں یہ مقدس جملہ گونجتا ہُوا عاشقانِ حضرت قبلہ کو ماہئ بے آب کی طرح تڑپا گیا ۔ ؎

گڈی آئی اے نور و نُور میاں   وِچ بیٹھے شاہِ شکُور میاں
حق خالق نُوں منظُور میاں   پڑھ لا اِلٰہ اِلّا اللہ

سرِ خیلِ عاشقاں جناب حضرت قبلہ پیر شاہ مستان صاحب مدظلہٗ العالی بحیثیت میرِ کارواں اور دیگر یارانِ طریقت بصُورتِ حلقہ چشم گریاں و سینہ بریاں تشریف لا رہے تھے اور حضرت اقدس بہر دو چشمانِ مہر و کرم بارانِ رحمت کی گوہر ریز تھے ؎

بہرِ دید حسن کامل ضبطِ کامل چاہیے
دیکھنا اے دل نہ لغزش ہو یہ بزمِ ناز ہے

دربارِ عالیہ شکوُریہ کے بالمقابل ایک کوٹھی میں جناب پیر اسرار حسین شاہ صاحب سیّد

بخاری جو کہ جناب پیر قطب علی شاہ صاحب بخاریؒ کے پوتے ہیں مقیم تھے۔ اُن کے مرید حاجی غلام قادر عباسی (جو کہ منڈی حاصل پور کے بڑے زمیندار تھے) اِس نظارہ کو دیکھ کر بے تابانہ خدمتِ خلق حضرت تاج الاولیاء میں حاضر ہوئے اور تمام واقعات عرض کر کے حلقہ بگوش بیعت ہونے کی اِلتجا کی۔

جواباً ارشادِ عالی ہوا۔ تمہارے پیر و مرشد (سیّد قطب علی شاہ صاحب سندیلیا نوالی) بہت بڑے بزرگ تھے۔ اِن کے وصال کے بعد آپ کا قائم نہ رہنا اور ان کی اولاد کے حال سے پریشان ہونا آپ کے لیے مفید نہیں ہے۔ حاجی صاحب موصوف نے عرض کیا۔ حضرت! مجھے طلبِ حق ہے تمام عمر اسی مقصد کے حصول کے لیے صرف کی۔ مدینہ منورہ، بغداد شریف اور اجمیر شریف بھی حاضر ہوتا رہا ہوں۔ جو بات مجھے مطلوب تھی وہ آپ کے دربارِ گوہر بار میں دیکھتا ہوں۔ خدارا میری آرزو رَد نہ فرمائی جائے۔ لاہور میں بغرضِ علاج ٹھہرا ہوا ہوں۔ اپنی غلامی میں قبول فرما لیا جائے۔ ورنہ حشر کے دِن دامنگیر ہوں گا۔ فرمایا۔ حاجی صاحب بڑے بے باک آدمی ہو تم اپنا علاج جاری رکھو۔ اگر طلب حق ہے تو مرید کر لیا جائے گا۔ کسی فکر کی ضرورت نہیں۔ ہماری صحت بھی ٹھیک ہو لے۔ یہ گھر کی بات ہے۔

آخر کار حاجی صاحب موصوف حضورِ اقدس کے قدومِ میمنت لزوم سے لپٹ گئے کہ گھر کی بات ہے تو پھر بات ہی کیا ہے۔ سرفراز فرما دیا جائے۔ اس پر حاجی صاحب کو مرید کر لیا گیا۔ بعدہٗ فرمایا:

حاجی صاحب! مبارک ہو ہم جہاں عام مریدوں کی اِنتہا سمجھتے ہیں۔ وہاں آپ کی ابتداء رکھ دی۔ اور قائم رکھنا تو اللہ کے اختیار میں ہے۔

حکمِ فوتیدگی بحالت سماع و وَجد

مورخہ ۸ دسمبر ۱۹۵۰ء کو بمقام بستی جیون ھانہ گارڈن ٹاؤن لاہور ارشاد عالی ہوا:

بدوران عُرس شریف کہ ہزارہا افراد کا اجتماع کثیر موجود تھا۔ اور محفل سماع نہایت گرم تھی۔ محفل پر رقت اور وجد کا عالم تھا۔ بدورانِ وجد و کیفیت محمد صادق راولپنڈی والے

(مُرید جناب غلام محمد صاحب راولپنڈی) میرے قدموں پہ جھکے اور جاں بحق ہو گئے۔ وجُود میں گرمی کے آثار برابر موجُود رہے۔ اسی بنا پہ ڈاکٹر کرنل ضیاء اللہ خاں کو بھی ٹیلیفون پہ بلوا لیا گیا۔ اور علاج معالجہ کی کوشش کی جاتی رہی۔ قلب اور وجُود کو گرم دیکھ کر اُمید پائی جا رہی تھی۔ مگر میں نے کہہ دیا تھا کہ وہ جاں بحق ہو چکے ہیں اور گرمی تو کچھ اور گرمی ہے۔ شاید ہم سے (بزرگانِ دین کی) یہ سُنت بھی ادا ہونی تھی۔ لاہور کا واقعہ اور اجتماعِ کثیر بھلا کیا یہ خبر محدود (اور چھپی) رہ سکتی تھی۔ اخبارات میں یہ خبر دیکھ کر چند مولوی صاحبان تشریف لائے اور پوچھا۔

"حضرت! یہ جو بحالتِ سماع و وجد فوتیدگی ہوئی ہے۔ از روئے شریعت اسے کیا کہا جائے گا؟"

مَیں نے کہا۔ مولوی صاحبان! آپ کی کیا رائے ہے۔ قدرے تامّل کے بعد ایک صاحب بولے۔ "ایک امام صاحب کے نزدیک حرام ہے۔ اس کے سوا اور کیا کہا جا سکتا ہے۔

مَیں نے کہا۔ یہ فتویٰ تحریر کر دیجیے۔ اب ذرا ہچکچائے اور دُوسرا پہلو بدل لیا کہ "حضرت! ہم تو آپ سے اطمینان کے لیے آئے ہیں کہ کس طرح یہ واقعہ پیش آیا اور اسے شرعاً کیا کہا جائے گا۔ ہم تو بزرگانِ دین کے غلام ہیں۔ فتویٰ کیا دے سکتے ہیں۔" میں نے کہا۔ سُنیے۔ سماع کو شرعاً مُباح تسلیم کیا جاتا ہے اور یہ بزرگانِ دین کا فعلِ مبارک ہے۔ چونکہ آپ لوگ فوتیدگی کے بارے میں معلوم کرنے آتے ہیں۔ اِس لیے زیادہ وضاحت مناسب نہیں ہے۔

محمد صادق پر وجدانی کیفیت کا عالم طاری تھا اور اسی عالم میں وہ فوت ہُوا اور حقیقتِ وجد یہ ہے کہ جب تک کوئی غیر خیال دِل میں نہ آئے۔ کیفیت قائم رہتی ہے۔ خیالِ غیر ہی سے کیفیت ختم ہو جاتی ہے۔ معلوم ہُوا کہ جب بحالتِ کیفیت محمد صادق فوت ہُوا۔ تو اس کے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان کوئی پردہ نہ تھا۔ اب بتائیے کہ یہ موت حرام ہے یا حلال؟ وُہ حیران اور خاموش بیٹھے رہے۔ مَیں نے کہا۔ حضرت خواجہ معین الدّین اجمیریؒ کے محبُوب خلیفہ اور خواجہ بحر و بر فریدالدین گنج شکر کے پیر و مُرشد حضرت خواجہ قطب الدّین بختیار کاکیؒ

کا وصال بھی عین حالتِ سماع و وجد میں ہوا۔ یہ تو سعادتِ اَزلی ہے۔ اللہ تعالیٰ جسے نصیب فرمائے۔

سیّدنا "امیر ابوالعلاؒ" کی اَولاد کا اِحترام

۱۹۵۴ء کا واقعہ ہے کہ لاہور میں سکونت کے دوران ایک نوجوان جو کہ خود کو اولاد سیّدنا حضرت امیر ابوالعلاؒ سے بتاتے تھے۔ تشریف لائے اور مُلاقات کا اِشتیاق ظاہر کیا۔ حضرت اقدس کی طبیعت مبارک بے حد علیل اور کمزور تھی اور آپ نئے مکان میں تشریف رکھتے تھے۔ نوجوان کی تشریف آوری اور اشتیاقِ مُلاقات کی اطلاع حضرت اَقدس کی خدمت میں اُسی وقت پہنچائی گئی۔ اس پر فوراً پردہ کا انتظام کرا کر نوجوان کو اندر بلا لیا گیا۔ آپ نے بسترِ علالت پر دراز ہونے کے باوجود نوجوان کو دیکھتے ہی ہر چند اُٹھنے کی سعی کی مگر نقاہت کی وجہ سے اُٹھا نہ جا سکا۔ اس وقت کے موجودہ خِدمت گار نے حضرتِ اقدس کو اُٹھنے کے لیے اپنی خدمات پیش کیں تو مہمان موصُوف نے کہا۔ "سرکار آرام فرمائیے تکلیف ہوگی۔" اس پر فرمایا:

"خادم کو تکلیف سے کیا واسطہ"؟ اور اس کے ساتھ ہی مُبارک آنکھوں سے آنسو نکل آئے۔ آہ و گریہ کا ایک بے پناہ سیلاب اُمڈ آیا۔ نوجوان موصُوف سے مِل کر فرمایا۔ آپ سے مِل کر بڑی مَسرت ہوئی ہو رہی ہے۔ یہ جو کچھ آپ دیکھ رہے ہیں حضرت سیّدنا (امیر ابوالعلاؒ) کا ہی فیض ہے۔ مَیں تو حضرت کے نام کا ایک بندہ ہوں۔ ڈاکٹر صاحبان بھی کہتے ہیں کہ حضرت آپ کے اندر خُون نہیں ہے۔ آپ کیسے زندہ ہیں؟ میں کہہ دیتا ہُوں کہ یہ میرے حضرات کا تصرف ہے۔

حضرت اقدس کے حُکم سے ایک کُرسی منگوائی گئی مگر نوجوان موصوف نے بصد اصرار معذرت پیش کر کے حضرتِ اقدسؒ کے سامنے کُرسی پر بیٹھنے سے احتراز کیا۔ لیکن حضرت ایسا کب گوارا کرنے والے تھے۔ ناچار موصُوف کو کرسی پر تشریف رکھنا پڑی اور موصُوف کی چائے سے ضیافت کی گئی۔ موصُوف بھی بڑے صاحبِ فہم و دانش تھے کہنے لگے۔ "حضرت کے فیض کا شُہرہ تو جا بجا سُنا تھا مگر الحمدللہ کہ دیکھنے سے اِطمینان کچھ سوا ہی ہُوا ہے۔ ہمارے سیّد نا

(امیر ابو العلاؒ) ہم سے دُور نہیں ہیں بفضلِ خُدا تعالیٰ ہم میں موجود ہیں۔"

بعدازیں موصُوف کو نہایت ہی احترام کے ساتھ رُخصت کیا گیا۔ مخدوم زادہ حضرت محمد عبدالرؤف صاحب نے پانچ روپے نقدر کے طور پر ایک خادم کے ذریعے پیش فرمائے

رضا کے بندے

ایک مرتبہ آپ کی خدمت میں حضرت قبلہ پیر مستان شاہ نے حضرت خواجہ محمد سلیمان صاحب تونسویؒ کی بڑی تعریف کی اور فرمایا کہ ان کی بڑی شاہانہ ٹھاٹھ باٹھ سے زندگی گزری ہے۔ اس پر فرمایا۔ خواجہ محمد سلیمان صاحبؒ بڑے باکمال اور صاحبِ اختیار بزرگ ہوئے ہیں۔ اگر دُنیاداری کو قبول فرما لیا تو کیا ہُوا۔ بااختیار جو تھے اور ہم تو رضا کے بندے جو ہُوئے۔ یہی کافی سمجھتے ہیں۔

اعلان خاص

مارچ ۱۹۴۹ء کو بمقام گارڈن ٹاؤن لاہور بموقع عُرس شریف بوقت دس بجے صُبح مجلسِ خاص میں حضرت قبلہ تاج الاولیاء نے اعلان فرمایا:

"میں آج اعلان کرتا ہوں کہ میری جانب سے مستان شاہ، غلام محمد اور علیم الدین (صاحبان مدظلہم العالیہ) کو اجازتِ خاص ہے کہ خلقِ خُدا سے جو کچھ واسطہ کریں، مجاز ہیں کسی کو اجازت خلافت دیں تو بھی دے سکتے ہیں اور مجھ سے اجازت حاصل کرنے کی ضرورت نہیں۔ وہ سب کچھ میری جانب ہی سے ہوگا اور میں دُعا کرتا ہوں۔

ایک اہم مسئلہ

کو حضور تاج الاولیاء مجلس میں رونق افزا ہوئے۔ اور یکے بعد دیگرے بعثتِ انبیاء کے سلسلہ میں گفتگو شروع ہوئی کہ یہ جو پے درپے انبیائے عظام علیہم السلام مبعوث ہوتے رہے ہیں۔ سب ہی حق پر تھے۔ ان میں کئی اُولوالعزم مُرسلین صاحبِ کتاب بھی تھے۔ جب تک یہ حضراتِ مُرسلین اپنی اپنی اُمتوں میں موجود رہے تو ان کی اطاعت فرض رہی۔ مگر اُن کے اس دارِ فانی یعنی دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد دُوسرے صاحبِ کتاب مُرسل کی بعثت ہو جاتی ہے اور حکمِ ربانی ہوتا ہے کہ اِس مبعوث شُدہ مُرسل کی اطاعت قبول کرو۔ حالانکہ پہلے مبعوث ہونے والے پیغمبر بھی حق پر تھے۔ اور ان کی شریعت بھی حق تھی۔ جو لوگ اُن پر ایمان لا چکے تھے وُہ بھی سب کے سب مومن تھے۔ لہٰذا اُن تمام مومنین صالحین کو بھی حکم ہوتا ہے کہ اس نئے مبعوث ہونے والے پیغمبر پر ایمان لائے اور اطاعت کی تو وہ پہلے بھی مومن تھے اور اب بھی مومن ہی رہے۔ مگر جن لوگوں نے ایمان لانے سے انکار کیا وُہ کافر ہوئے۔ اب غور طلب بات یہ ہے کہ مومنین صالحین کو جو نئے مبعوث شُدہ پیغمبر پر ایمان لانے کا حکمِ ربانی ہوتا ہے۔ اس میں کیا راز ہے؟

حضور تاج الاولیاء نے اپنے ایک خاص مُرید سے فرمایا۔ کیا تم بتا سکتے ہو کہ جب ایک پیغمبر مبعوث ہوتا ہے۔ اور وُہ تبلیغ و تلقین کرتا ہے۔ تو لوگ اس کے اخلاقِ حسنہ، صفاتِ ستودہ، فیضِ صحبت سے متاثر ہو کر حلقہ بگوش ہو جاتے ہیں۔ اور دعوتِ اسلام کو خُوشی سے قبول کر لیتے ہیں۔ حتیٰ کہ ایک کافی بڑی جماعت بن جاتی ہے۔ حکمِ خداوندی سے پیغمبر اپنی تبلیغ کا فرضِ منصبی پُورا کر کے اس دُنیائے فانی سے تشریف لے جاتا ہے تو پیچھے دُنیا میں اس کی جاں نثار قوم باقی رہ جاتی ہے۔ جو اُس پیغمبر کی فرماں بردار بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی وحدت کا اقرار کرنے والی ہے۔ فرشتوں، یومِ آخرت اور بہشت و دوزخ پر ایمان لانے والی ہے۔ صحائفِ آسمانی اور تمام کتبِ سماوی پر بھی ایمان رکھتی ہے۔ ظاہری اعمال اور عقیدت میں ذرہ بھر بھی فرق نہیں باوجود اس کے اللہ تعالیٰ ایک اور نبی کو مبعوث فرما دیتا ہے۔ اور

حکم ہوتا ہے کہ اے پہلے نبی پر ایمان لانے والو! اب اس نئے نبی پہ ایمان لاؤ۔ جو نئے نبی پہ ایمان لائے وُہ پہلے بھی مُسلمان تھے۔ اب بھی مسلمان رہے مگر جنھوں نے انکار کیا اور نئے نبی پہ ایمان نہ لائے۔ وُہ کافر ہُوئے۔

خُود ہی جواباً فرمایا۔ غور سے سُنو یہ بہت ہی اہم مسئلہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کے نئے نبی مبعُوث کرنے میں ایک خاص راز ہے کہ وہ زمانہ جس میں نبی مبعوث ہُوئے۔ اس زمانہ کے مسلمانوں کو "نسبت" حاصل تھی۔ ان کے دل زندہ اور تازہ تھے۔ اُن میں تڑپ تھی اور اُسی قوم میں جو لوگ بعد میں پیدا ہُوئے۔ اُنھوں نے اُس نبی کو نہیں دیکھا۔ وہ اس سے فیض یاب نہ ہو سکے۔ حالانکہ ایمان اُسی نبی پر تھا۔ اور عمل بھی اُسی شریعت پر تھا مگر اس نبی سے "نسبت" حاصل نہ ہو سکی۔ آثارِ زندگی دل میں نہ تھے۔ اس لیے اس عمل پر اعتبار نہیں کیا گیا۔ اور نئے نبی کو مبعوث فرمایا گیا تاکہ اس کے فیضِ صحبت سے لوگوں کو فائدہ حاصل ہو۔ اور دل میں تڑپ پیدا ہو۔ یعنی (اُس قوم کی) اولاد کو پہلے نبی کی صحبت میّسر نہ ہُوئی۔ اور "نسبت" حاصل تو ہُوئی۔ گو عمل اُسی شریعت پر رہا۔ مگر دل سوئے ہُوئے رہے۔ نئے نبی (کو مبعوث فرمانے اور اُس) پہ ایمان لانے کا مقصد یہ ہے۔ کہ لوگوں کے دل اس کی صحبت سے تازہ ہو جائیں اور زندہ ہو جائیں۔ اُن میں تڑپ اور مُبتلا ہونے کا جذبہ عود کر آئے۔ جنھوں نے نئے نبی کی صُحبت سے فیض حاصل کیا۔ وہ خدا کے مقبول بندوں میں شامل ہو گئے اور مُسلمان کہلائے۔ لیکن جو لوگ غلط فہمی میں مُبتلا رہے اور اپنے دلوں کو زندگی نہ بخشی۔ وہ غافل رہے اور کافر ہُوئے۔ مقصود نسبت حاصل کرنا ہے۔ نسبت سے ہی دل زندہ ہوتے ہیں۔ اور توحید حاصل ہوتی ہے۔ (پہلے نبی کے اس دنیا سے پردہ فرمانے کے بعد جو لوگ دوبارہ غافل ہو گئے اور غفلت کے باعث آثارِ زندگی کھو بیٹھے اگرچہ وہ مُسلمان تھے مگر ایسے غافل دل لوگوں کے ظاہری اعمال اور عبادات کا اعتبار نہ کیا گیا۔ لہٰذا دوسرے نبی کو مبعوث فرما کر اس پہ ایمان لانے اور اس کی اطاعت کا حکم ہُوا تاکہ اس نئے نبی کی صحبت سے اپنے دلوں کو زندگی بخشیں۔ اور اپنے جذبوں کو بیدار کریں)

جناب خاتم الانبیاءؐ کے بعد یہ مقصد کیسے حاصل ہو سکتا ہے؟

بعثتِ جناب رسولِ محترم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے نبوت ختم ہو گئی اور اب کوئی نبی نہیں آسکتا۔ مگر قانونِ قدرت قیامت تک جاری رہے گا۔ اور کوئی اللہ تعالیٰ نے ولایت کو جاری کیا۔ اور وہ کام جو نبی سرانجام دیتے تھے۔ وہ حضرات اولیائے کرام سے لیا۔ یہ سلسلہ تا قیامت جاری رہے گا۔ اور کوئی زمانہ خالی نہ رہے گا۔ کہ جس میں کوئی ولی موجود نہ ہو۔ جس نے کسی ولی اللہ کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنے دل کو زندہ کر لیا وہ زندہ ہو گیا۔ اُس شخص نے اس ولی کو نہیں دیکھا۔ بلکہ جناب سرکار مدنی صلی اللہ علیہ وسلم کو پایا۔ اس سلسلہ اور تعلق کو "نسبت" کہتے ہیں۔ جس شخص نے کسی بزرگ سے تعلق پیدا کر لیا۔ اُس کا تعلق جناب شاہِ امم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہو گیا اور یقیناً اس کا تعلق اللہ تبارک و تعالیٰ سے ہو گیا۔ اس کی مثال یہ ہے کہ: پاور ھاؤس سے بجلی آرہی ہے۔ راستہ میں جا بجا کھمبے نصب ہیں۔ جس نے بھی کسی قریبی کھمبا سے تار لگا کر کنکشن قائم کر لیا اور اپنا بلب روشن کر لیا وہ یہ نہیں سمجھے گا کہ اُس نے بجلی اس کھمبا سے حاصل کی ہے۔ بلکہ بجلی تو پاور ھاؤس سے آرہی ہے۔ درحقیقت اس نے اپنا تعلق اس قریبی کھمبا کی وساطت سے پاور ھاؤس سے پیدا کر لیا۔ بعینہٖ جس کسی نے کسی قریبی بزرگ سے رشتہ پیدا کر کے اپنا تعلق سرکارِ مدینہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاور ھاؤس سے قائم کر لیا۔ تو یقین رکھو کہ وہ کامیاب ہو گیا۔ اگر کوئی یہ خیال کرے کہ میں اپنا بلب سیدھا (ڈائریکٹ) پاور ہاؤس سے (کنکشن) جوڑ کر اپنا گھر روشن کر لوں تو یہ ہر شخص کے لیئے ناممکن ہو گا اور وہ کھمبوں کی وساطت کے بغیر کبھی کامیاب نہیں ہو سکتا۔ اُسی طرح بغیر وسیلہ اولیائے کرام کے اللہ تعالیٰ اور رسُولِ مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک رسائی ناممکن ہے۔ اِلّا ماشاء اللہ (مگر جسے اللہ چاہے)۔

اور یہ بات بھی خُوب یاد رکھو کہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاور ہاؤس سے انوار و تجلیات کی برقی رو برابر آرہی ہے۔ یہ تو تمھاری مرضی (پر منحصر) ہے کہ تعلق یا

نسبت پیدا کر کے چاہے بڑی طاقت کا بلب لگا کر اپنا گھر (کاشانۂ دل) روشن کر لو۔ چاہے کم طاقت کا۔ جتنی تمھاری نسبت زیادہ ہوگی۔ اسی قدر تمھارا بلب زیادہ روشن ہوگا۔ سب کچھ اسی نسبت میں نہاں ہے۔ کیونکہ اِس نسبت کے بغیر زندہ زندہ نہیں ہو سکتے اور سرکارِ دوعالم صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی محبّتِ کامل پیدا نہیں ہو سکتی۔ اور ہمیشہ اعتبار دل کا کیا جاتا ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے: اِنَّ اللّٰہَ لَا یَنْظُرُ اِلٰی صُوَرِکُمْ وَلَا اِلٰی اعمالکم ولکن ینظر الی قلوبکم و نیاتکم۔ یعنی "بے شک اللہ تمھاری صُورتوں اور تمھارے اعمال کی طرف نہیں دیکھتا۔ لیکن وہ تمھارے دلوں اور تمھاری نیتوں کی طرف دیکھتا ہے۔" کہ کیا تمھارے دل زندہ ہیں۔ ان میں غیریت اور دوئی کی کدورت تو نہیں۔ کیا یہ ہر لحاظ سے صاف ہیں۔ ان میں کچھ تڑپ بھی ہے۔ ان میں مُبتلا ہونے کا جذبہ بھی پیدا ہے۔ پس جس کا دل زندہ ہو گیا۔ وہ واصلانِ الٰہی سے ہو گیا اور اس کا شمار اہلِ اللہ میں ہو گیا۔

دل کی زندگی حصولِ نسبت سے ہے۔ نسبت ہی ایک ایسی چیز ہے کہ جس کے حصُول سے تمام منازلِ سلوک طے ہو جاتی ہیں۔ یہی فقیری کا راز اور تصوّف کی جان ہے۔ اس کو اللہ تبارک و تعالیٰ اور تاجدارِ دوعالم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کی تائید حاصل ہے۔ اور وُہ اٹل ہے۔ تمام بزرگانِ دین کے اقوال و افعال اور آثارِ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے بھی یہی ثابت ہے اور اسی پر عمل ہو رہا ہے۔ قرونِ اولیٰ سے آج تک اس پر اس قدر عمل ہوا ہے کہ یہ معاملہ تواتر کی حد تک پہنچ گیا ہے۔ سوائے فرائضِ معمولہ کے اس سے زائد کسی شے پر اتنا عمل نہیں ہوا۔ کونوا مع الصادقین کے عملی نتیجہ کا نام نسبت ہے۔ جب تک کسی کے ساتھ دلی مناسبت حاصل نہ ہو۔ اُس وقت تک "ساتھ ہونا" کوئی معنیٰ نہیں رکھتا۔ اسی مناسبت کو طریقت میں "نسبت" کہا جاتا ہے۔ عقائد سے لے کر اعمال تک یہ عمل جاری و ساری ہے۔ گو اس کی ابتداء زبان سے ہوتی ہے پھر دماغ متأثر ہوتا ہے لیکن انتہا دل کی گہرائیوں میں جاگزیں ہو جاتی ہے اور یہ نسبت پیر سے حاصل ہوتی ہے۔ یہی قُربِ رسولِ مقبول علیہ الصلوٰۃ والسلام اور قُربِ الٰہی کا ذریعہ ہے اس کی تکمیل کے لیے صحبتِ شیخ لازمی ہے اور عدم موجودگی میں تصوّرِ شیخ اس کا قائم مقام ہے

اُمّی اور عالم کی عقیدت کا فرق

بمقام گارڈن ٹاؤن لاہور ارشاد ہوا ۔

"ایک دفعہ ایک بزرگ کامل سے دو شخص مرید ہوئے ۔ ایک صاحب عالم و فاضل اور دوسرا مطلق اُمّی (اَن پڑھ) تھا ۔ تھوڑا عرصہ بعد اُمّی (اَن پڑھ) سے تو کشف و کرامات کا ظہور ہونے لگا ۔ اور ہر جگہ شہرت پھیل گئی ۔ مگر صاحب علم زمین جنبد نہ جنبد گل محمد کے مصداق ویسے کے ویسے ہی رہے ۔ بالآخر ایک روز بڑی بے تابی کے ساتھ حاضر خدمت ہو کر عرض کیا ۔ حضرت ! آپ نے عالم اور جاھل میں کچھ تمیز نہ فرمائی ۔ آپ کی توجہ اور تصرف کا بحیثیت عالم میں زیادہ مستحق تھا ۔ مگر ابھی تک کورا ہی ہوں ۔ اور میرا جاھل پیر بھائی تو صاحب کشف و کرامات ہو گیا ۔ یہ سن کر پیر صاحب خاموش رہے ۔ کچھ دیر بعد وہ اُمّی مرید بھی حاضر خدمت ہوا ۔ اور ایک جانب بڑے احترام کے ساتھ بیٹھ کر رقت اور گریہ میں مشغول ہوا ۔

دریں اثناء پیر صاحب مجلس میں گفتگو فرماتے رہے ۔ معاً بعد آپ نے اپنے عالم مرید سے خطاب فرمایا ۔ مولانا ! جانا ذرا مکان کی چھت پر میرا اُونٹ بندھا ہوا ہے ۔ اسے نیچے اتار کر پانی پلاؤ اور پھر وہیں چھت پر باندھ دو ۔ مولانا صاحب بولے ۔ حضرت ! مکان کی چھت پر اُونٹ ؟ اور اُترے گا کیونکر مجھے بے وقوف تو نہ بنایا جائے ۔ قبلہ اس قدر تو علم و فہم رکھتا ہوں کہ مکان کی چھت پر اُونٹ نہیں ہو سکتا ۔

عالم مرید کی یہ گفتگو سن کر پیر صاحب نے دوبارہ سلسلۂ کلام جاری فرمایا اور کافی دیر بعد اُمّی مرید کو فرمایا ۔ او اُمّی ! تو ہی چلا جا ۔ چھت سے اُونٹ کو اتار کر پانی پلا دے اور پھر وہیں باندھ دے ۔

اُمّی مرید فوراً بغیر سوچے سمجھے مکان کی چھت پر چڑھ گیا ۔ اور عالم و فاضل اُمّی کی جہالت اور بے وقوفی پر تبسم فرمانے لگے ۔

چھت پر اُونٹ کہاں تھا ۔ اور کہاں ملتا تھا ۔ مگر وہ اُمّی مرید چھت پر اُونٹ تلاش کرتا رہا ۔ مولانا صاحب سے نہ رہا گیا اور چلا کر بولے :

ادبے وقوف! بھلا چھت پر اُونٹ کہاں۔ اور اگر نظر نہیں آتا تو اِدھر اُدھر تلاش کیا کرتا ہے۔ عقل سے کام لے۔ اُمّی نے جواب دیا۔ مولانا صاحب چھت پر اُونٹ ضرور ہے۔ اگر مجھے نظر نہیں آتا تو یہ میری نگاہ کا قصور ہے۔ پیر صاحب کا فرمان غلط نہیں ہو سکتا۔ یہ کہہ کر وہ پھر تلاش میں مصروف ہو گیا۔ اِس پر پیر صاحب نے اس اُمّی مرید کو بلا کر سینہ سے لگا لیا۔ اور نہایت ہی شفقت فرمائی۔ اور عالم و فاضل مُرید سے فرمایا۔ مولانا صاحب! یہ اُمّی ہمیں بے دلیل (بے شُبہ) مانتا ہے اور آپ ہم پر دلیل رکھتے ہیں۔ بھلا ماننے والا اور نہ ماننے والا برابر ہو سکتا ہے۔ دنیا عالمِ اسباب ہے جو چیز یہاں نہ مل سکی۔ تو آخرت میں کیا مل سکے گی۔ طلبِ حق ہے تو ذاتِ شیخ کو بِلا دلیل قبول کرنا ہو گا۔ ؎

یقیں پیدا کر اے غافل یقیں سے ہاتھ آتی ہے
وُہ درویشی کہ جس کے سامنے جھکتی ہے فغفوری (اقبالؔ)

فسادات میں نُصرتِ غیبی

تقسیمِ ہند کے بعد جب تبادلہ آبادی کا سلسلہ شروع ہُوا۔ تو ہندوؤں اور سکھوں نے حکومت کی منظم سازش کے تحت اہلِ اسلام کے قتل و غارت بالعموم اور اہلِ اسلام کے با اثر طبقہ کی تباہی و بربادی کا بالخصوص پروگرام بنا لیا تھا۔ چنانچہ ایسے رُوح فرسا۔ اور وحشت ناک ظُلم و ستم مُسلمانوں پر ڈھائے جا رہے تھے۔ کہ حدِ بیان سے باہر ہیں۔ میرا قیام اُس وقت سکندر آباد (یوپی) میں تھا۔ حکومتِ ہند کی سازش سے ایک منظم پروگرام بنا کر سکندر آباد پر حملہ کر دیا گیا اور ہمیں پہلے ہی معلوم ہو گیا تھا کہ سکندر آباد پر حملہ کر دیا سازش کے تحت چاروں طرف سے حملہ ہونے والا ہے اور ہمیں باخبر کرنے والے ہمارے عقیدت مند اور حکومت کے ذمہ دار افراد تھے۔ بعض لوگ بہت اصرار کے ساتھ ہمیں کسی محفوظ جگہ پر لے جانے کی آرزو اور کوشش کرتے رہے مگر اہلِ دیہہ اور دیگر پناہ حاصل کنندگان کو بے سہارا چھوڑ دینا میرا دل کب گوارا کر سکتا تھا۔

درحقیقت گرد و نواح سے لاتعداد افراد مع اہل و عیال قصبے میں میری ہی وجہ

سے قیام پذیر و پناہ گزین ہوئے تھے۔ اگر میں اپنی اور اہل و عیال کی عافیت کی خاطر کسی محفوظ جگہ کو ترجیح دے دیتا تو ان کے حوصلے پست ہو جاتے اور وہ مصائب میں گھر جاتے۔ اُدھر حملہ کی خبریں برابر موصول ہو رہی تھیں۔ لوگ بھی میری حفاظت کی بہت فکر کر رہے تھے۔ مگر بفضلِ خدا تعالیٰ میرے دل پر کوئی فکر انگیز تاثر نہ تھا۔ توکل بر خدا حسبِ دستور و حسبِ معمول کام سرانجام دیتے رہے۔ قصبے کے لوگ اور دیگر پناہ گزین مع اہل و عیال دُعا کے لیے نہایت اِستدعا کرتے رہے۔ بالآخر آنے والا وقت آ ہی پہنچا۔ اور ایک رات حملے کی مکمل تفصیل سے مطلع کر دیا گیا۔ چنانچہ مقابلے کے لیے اِدھر بھی تیاری شروع کر دی گئی۔ اور میں نے مناسب تدابیر و ہدایات جاری کر دیں۔ غلام محمد (راولپنڈی) اور مستان شاہ صاحبان نے ہماری رہائش گاہ پر مورچے بنا لیے۔ دیگر تمام قصبہ میں بھی اسی قسم کا مکمل انتظام کر لیا گیا۔ اِنتظام کیا تھا؟

بے چارے مسلمانوں کے پاس کیا تھا۔ اسلحہ اور دیگر ساز و سامان تو پہلے ہی چھن چکے تھے۔ یہ تو توکل بر خدا حیلہ ہی اختیار کیا گیا تھا۔ اینٹ پتھر وغیرہ جو کچھ بھی وقتی طور پر دستیاب ہو سکتا تھا۔ تیار کر لیا گیا۔ دوسری جانب ساز و سامانِ حرب اور حکومت کے اعانت و ایما سے مکمل تیاریاں تھیں۔ تقریباً اڑھائی بجے رات چاروں طرف سے بھرپور حملہ کر دیا گیا۔ ادھر سے نعرہ ہائے تکبیر و رسالت بلند ہوئے۔ اور پھر کیا ہوا مسلمانوں کا کچھ بھی بگاڑ نہ سکے۔ اور حملہ آور ذلیل ہوئے۔ اس سے آگے میں کچھ نہیں کہوں گا۔ اللہ تعالیٰ قادرِ مطلق ہے۔ جو کچھ چاہتا ہے۔ وہی ہوتا ہے۔ یہ نصرتِ غیبی تھی۔ میرے حضرات کے تصرفات اور احسانات روزِ روشن کی طرح عیاں ہیں اور حق غالب ہی رہا کرتا ہے۔ (سبحان اللہ)

پیکرِ عشق و محبتِ الٰہی

بمقام کوٹھی نمبر ۱۶ گارڈن ٹاؤن لاہور فرمایا:

نصیر آباد (اجمیر شریف) کے قرب میں رام سر ایک قصبہ تھا۔ ایک مرتبہ اتفاق

سے شکار کی صورت میں دھسان جانا ہوگیا۔ وہاں اکثریت وہابیت کی تھی۔ پہلے روز ہی معمولی بات چیت سے پچاس کے قریب وہابی تائب ہوئے۔ دوسرے روز ڈیڑھ سو کے قریب اور تیسرے روز ایک آگ لگی ہوئی تھی۔ جو کسی کے بجھائے نہ بجھ سکتی تھی۔ ہر آنکھ خدا اور رسول کی محبت میں گریاں نظر آتی تھی۔

دھسان سے روانگی کے وقت لوگ بہت منت سماجت کرتے رہے۔ مگر میں نے انھیں انتظار و اشتیاق میں رکھنا مناسب سمجھتے ہوئے مزید قیام نہ کیا۔ اور پھر کبھی وہاں نہ جاسکا۔ صرف دو دن کی صحبت سے قصبہ والوں کی مدتوں کی بگڑی بن گئی۔ اور لوگ مست و دیوانے ہوکر آتے جاتے رہے۔ ان کی حالت پر قرب و جوار کے لوگ حیرت کرتے تھے۔ کہ پیر صاحب (جناب تاج الاولیاء) نے دو دن میں ان کے ساتھ کیا کر دیا ہے۔

جب میرا قیام سکندر آباد دیوپی میں تھا۔ وہ دور بھی کچھ عجیب ہی تھا۔ کسی ساز و سامان کا فکر یا کسی حیلہ اور وسیلہ کی ضرورت ہی محسوس نہ ہوا کرتی تھی۔ اور وہ قصبہ بھی وہابیت کا گڑھ مشہور تھا جہاں کسی سُنی حنفی بزرگ کی کوئی وقعت و پرسش نہ کیا کرتا تھا۔ میں نے وہاں بھی بتائیدِ غیبی قیام کیا تھا اور مشیتِ ایزدی شاملِ حال تھی۔ میرے حضرات بزرگانِ سلسلۂ عالیہ کی یاد و محبت میرے لیے جملہ ساز و سامان ہے۔ اس کے علاوہ اور کسی چیز کی ضرورت ہی کیا تھی؟

سلسلۂ تبلیغ و اشاعت حسبِ معمول عام اور مختصر سی گفتگو سے شروع ہوا۔ تھوڑی دیر لوگوں میں بات چیت کی جاتی تھی۔ مگر جوق در جوق لوگ مرید ہوتے رہتے تھے۔ طالبان مولیٰ کا تانتا بندھا رہتا تھا۔ شب و روز ذکر و فکر کی محفل گرم رہا کرتی تھی۔ لوگ کہتے تھے کہ پیر صاحب کے پاس کوئی بڑا جادو ہے۔ جو بھی مرید ہوتا ہے۔ اُس کی کایا پلٹ جاتی ہے۔ انھوں نے سکندر آباد میں عشق و محبتِ الٰہی کا ایک انقلاب پیدا کر دیا ہے۔ یہ سب میرے بزرگوں کے تصرفات ہیں۔

جن لوگوں نے میرا نصیر آباد اور سکندر آباد کا زمانہ ہے دیکھا۔ وہ بخوبی جانتے ہیں

کہ میں جہاں سے گزرا وہاں عشق و محبت کی ایک آگ لگاتا ہوا اور دلوں میں انقلاب بپا کرتا ہوا چلا گیا۔

صراطِ مستقیم

بمقام گارڈن ٹاؤن لاہور

ایک مولوی صاحب بیعت ہوئے۔ اس موقع پر فرمایا۔ صراطِ مستقیم کیا ہے؟ صراط الّذین انعمت علیھم۔ یعنی ان لوگوں کا راستہ جن پر تُو نے انعام فرمائے حضرات علمائے مفسّرین نے متفقہ طور پر منعم علیہ گروہ حضرات انبیاء کرام، شہداء وصلحاء رضوان علیہم اجمعین کو تسلیم کیا ہے اور ارشادِ باری تعالیٰ بھی یہی ہے۔ الذین انعم اللہ من النبیین وصدّیقین والشھداء والصالحین وحسُنَ اولٰٓئِکَ رفیقاً۔ حضرات انبیاء و اولیاء کے افعال، اقوال، احوال و اعمال مقدّسہ اور اخبار و آثار سے یہی ثابت ہے۔ یہی راہ خاصانِ خُدا تعالیٰ ہے۔ اور اسے صراطِ مستقیم تسلیم کرنا پڑے گا۔ حضرات بزرگانِ دین جس قدر بھی ہوئے ہیں۔ کسی نہ کسی صاحبِ نسبت بزرگ سے نسبت رکھتے تھے۔ صراطِ مستقیم پر چلنا یہ ہے کہ پیر کامل کی مکمل طور پر اتباع کی جائے۔ اسی سے نعمت اور فلاح حاصل ہو جائے گی۔ باریک اور دقیق مسائل میں نہ الجھنا چاہیے اس سے مسلمانوں میں نفاق اور خطرۂ ایمان کے سوا اور کوئی نتیجہ نہیں نکلتا۔

اسلام اخلاق ہی سے پھیلا ہے۔ آدمی خود صحیح ہو جائے اور اتباعِ کامل اختیار کرلے تو اس کا ہر قول و فعل بجائے خود مبلغِ دین ہے۔

احکامِ الٰہیہ کے ماتحت دُنیاداری

بمقام گارڈن ٹاؤن لاہور ارشاد ہوا:

اللہ اللہ کرنے کے لیے خلوت کیا معنی؟

چاہیے کہ بیوی بچّوں میں رہ کر یادِ خدا کی جائے۔ اور دُنیا داری خوب کی جائے

مگر اتنی احتیاط رہے کہ رضائے حق مدِ نظر ہو۔ اگر دُنیاداری احکامِ الٰہیہ کے تحت ہے تو عین دینداری ہے اور نفلی عبادت ہے۔ اس سے لُطف خاص بھی حاصل ہوگا۔ وُہ شخص کامیاب عالم ہے جو ہر مقبوضہ چیز کو مالکِ حقیقی کی ملکیت اور عنایت سمجھے اور خُود کو ایک خادم ہی سمجھتا رہے۔ اور یہ اُسی وقت صحیح متصوّر ہوگا۔ جبکہ حقِ ملکیت و امانت ادا کر کے دکھلائے۔ اور خُود امین و خادم ہو جائے۔

ایسی صُورت میں عبادات و ریاضات سونے پر سہاگہ ہیں۔ میرے نزدیک خالص فقیری اُسوۂ حسنہ جناب سرکارِ دوعالم علیہ الصلوٰۃ والسّلام کی کامل پیروی اور تابعداری میں ہے۔ یاد رکھیے۔ کامل فقیری یہی ہے کہ حضرت سرکار دوعالم علیہ الصلوٰۃ والسّلام کے اسوۂ حسنہ کو مکمل طور پر اپنا لیا جائے۔ آپ کے ہر قول و فعلِ مبارک کے مقدّس سانچے میں ڈھل جانا چاہیے۔ ماسوا اس کے اور کوئی کامل فقیری نہیں ہے۔ عملیات اور (اس سلسلہ میں) چلّہ کشی بے سُود شغل ہیں۔ جو چیز توکّل اور تسلیم و رضا کے زُمرہ میں نہیں ہے۔ کیونکر صحیح ہو سکتی ہے۔ وہ غیر اسلامی فقیری تو ہو سکتی ہے۔ مگر اہلِ اسلام کو اس سے کیا واسطہ؟

جمیع بزرگانِ دین اور اولیائے کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے جس قدر بھی کمالات و مدارج حاصل کیے ہیں۔ وُہ سب آنحضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام کی محبت اور اسوۂ حسنہ کی تابعداری کا ثمرہ ہے۔ ؎

بمصطفےٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر باو نہ رسیدی تمام بولہبی است

کوئی راہ نامعلوم و معدوم نہیں

بمقام گارڈن ٹاؤن ارشاد ہُوا۔

ہمارے اور علماء حنفیہ (ظاہر بیں) کے درمیان چند امُور کے علاوہ اور کوئی اختلاف نہیں۔ سب سے اہم معاملہ مسئلہ وحدت الوجود ہے۔ اور بڑا اختلاف اسی

نازک مسئلہ میں ہے۔

دراصل انسان کے اندر تمام مقامات موجود ہیں۔ اللہ تعالیٰ توفیق دے اور سمجھنے کی کوشش کرے تو اور بات ہے۔ ورنہ یہ معاملہ و مسئلہ کہنے اور سننے سے باہر ہے۔ اور راز کھلے بغیر بیان کرنا بھی ہرگز مناسب و مفید نہیں۔

فی الحقیقت بزرگانِ دین کی مقدس روش کی روشنی میں کوئی راہ نامعلوم و معدوم نہیں۔ اِسی رَوِش پر کاربند رہتے ہوئے خود کو باریک و دقیق مسائل میں الجھانے کے بجائے منزلِ مقصود کی سعی میں رہنا چاہیے۔

وھابی اور دیوبندی صاحبان ایک ہی چیز ہیں۔ اور مرزائی تو خارج از اسلام ہیں۔ حتی الوسع علماء سے کسی معاملہ میں نہ اُلجھنا چاہیے۔ میں ان حضرات کے ظاہر و باطن سے بخوبی واقف ہوں۔ اور بارہا اِنھیں آزما چکا ہوں۔ میں ان بدعقیدہ علماء کے لیے ننگی تلوار ہوں۔ جو طالب علم فارغ التحصیل ہونے کے بعد کسی صاحبِ نسبت بزرگ سے تعلق قائم کرکے مشغول ہوگیا تو بہتر ورنہ ایسے مولوی صاحب کا ایمان خطرہ میں ہے۔ ؎

مولوی گشتی و آگہہ نیستی
خود کجا و از کجا و کیستی

کسی صاحبِ نسبت بزرگ کا روزِ اوّل کا مُرید بدعقیدہ مولویوں کے درجۂ ایمان سے ہزار درجہ بڑھ کر بہتر مقام حاصل کر لیتا ہے۔ صاحبِ نسبت بزرگ کا مرید خواہ کیسا ہی کیوں نہ ہو۔ بروزِ قیامت زمرۂ اولیاء اللہ میں ہوگا۔ البتہ فرقِ مراتب ضرور ہوگا۔ خود میں اہلیت پیدا کرنی چاہیے۔ نا اہل کی نیکیاں بھی گناہ ہیں ؎

درخاکدانِ ما گہرے زندگی گم است
ایں گوہرے کہ گم شدہ ما ایم یا کہ اوست

تیس برس کی مسلسل بیداری

بمقام گارڈن ٹاؤن لاہور ارشاد ہوا :

پاکستان کے اکثر مشہور اور قابل ڈاکٹر و حکیم صاحبان وقتاً فوقتاً مختلف امراض کی تکالیف کے باعث میری طبیعت دیکھتے اور علاج کرتے رہے ہیں۔ اکثر میرے متعلق حیرت ہی کا اظہار کرتے رہے ہیں۔ طبیعت ذرا سی زیادہ گرم اور ذرا سی زیادہ سرد ادویات سے تھوڑی دیر میں کیفیات بدلا کرتی ہے۔ عجیب طرح کی لطیف طبیعت ہو گئی ہے۔

ایک مرتبہ ایک ڈاکٹر صاحب (شاید کرنل ضیاء اللہ صاحب لاہور) نے دورانِ تشخیصِ طبیعت دریافت کیا کہ آنجناب سے کچھ باتیں دریافت طلب ہیں۔ میں نے کہا۔ بہتر ہے آپ خود تشخیص کر لیں مجھ سے کیا پوچھنا ہے۔ کہنے لگے۔ کچھ باتیں ضروری طور پر معلوم کرنی ہیں۔ میں نے سوچا۔ خدا جانے کیا پوچھا جائے۔ اس لیے کہہ دیا کہ آپ ڈاکٹر ہیں۔ طبیعت دیکھ لیں۔ کیوں تکلیف دیتے ہیں۔ کہنے لگے۔ حضرت جب یاد فرمایا ہے تو مشکور بھی فرما دیا جائے۔ تشخیص کے معاملہ میں کچھ ضروری اُمور معلوم کرنے ہیں۔ تاکہ صحیح نظریہ پر علاج معالجہ کیا جا سکے۔ میں نے کہا۔ کوشش کروں گا۔ کہنے لگے حضرت! آپ کو نیند آتی ہے یا نہیں کہنے لگے۔ کب سے؟ میں نے کہا۔ مدّت سے۔ پوچھا۔ آخر کتنی مدّت سے؟ میں نے کہا کیا تجزیہ کیا جا رہا ہے۔ کہہ تو دیا ہے کہ بڑی مدّت سے نیند نہیں آتی۔ کہا حضرت کو بتا دینا چاہیے کہ کب سے نیند نہیں آتی۔ میں نے کہا۔ غالباً تیس برس سے۔ کہا یہ حضرت کا اختیاری فعل ہے یا طبعی (قدرتی) طور پر ایسا ہوتا ہے۔ میں نے کہا ابتداء میں تو نیند آنے نہیں دی جاتی تھی۔ مگر اب آتی ہی نہیں۔ کہنے لگے۔ حضرت اُونگھ تو آجاتی ہو گی۔ میں نے کہا۔ یہ آپ خود اندازہ لگا لیں۔ کہ میرا سونا بھی جاگنے کے برابر ہے۔ لیٹا رہتا ہوں مگر غفلت طاری نہیں ہوتی۔ جس طرح جاگنے میں باتیں سُنتا ہوں، ویسے ہی لیٹے ہوئے بھی سُنتا ہوں۔ کہنے لگے۔ حضرت! آپ کے وجود میں خون کی اس قدر کمی ہے۔ کہ جس سے انسان زندہ نہیں رہ سکتا۔ آپ کو دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ آپ کس طرح زندہ ہیں۔ میں نے کہا۔ یہ میرے حضرات بزرگان

کا فیض و تصرّف ہے۔ کہنے لگے۔ حضرت! آپ معقول غذا کا استعمال فرمایا کریں۔ اور ایسا کرنا بہت ضروری ہے۔ آپ انڈے اور مچھلی کے علاوہ مرغی کے چوزے بھی پکوا کر کھایا کریں۔ اِن میں بڑی طاقت ہوتی ہے۔ اِن سے کوئی فُضلہ نہیں بنتا سب خُونِ صالح پیدا ہوتا ہے۔

چنانچہ ان کی ھدایت پر روٹی کا چھلکا شوربا میں بھگو کر کچھ لے لیا کرتا ہوں۔ مریض کو معالج کا کہنا ماننا ہی پڑتا ہے۔

کرامتِ اولیاء

بمقام گارڈن ٹاؤن لاہور ارشاد ہُوا:

حضرت سیدنا احمد جامؒ اکابر اولیائے کرام اور حضرت عبدالرحمٰن جامیؒ سے پہلے کے بزرگ ہیں۔ آپ کی توجّہ مشہور عوام و خواص ہے۔ آپ کی توجّہ کو نہایت سریع الاثر کہا جاتا ہے۔ شاید آپ کا سلسلہ تو مابعد نہیں چلا۔ جیسا کہ آپ خُود ایک شعر میں فرماتے ہیں۔ ؎

احمد تو عاشقی بہ مشائخت ترا چہ کار

دیوانہ باش سلسلہ شد شد نہ شد نہ شد

اور آپ کے مندرجہ ذیل شعر پر حضرت خواجہ قُطب الدّین بختیار کاکیؒ کو وجد ہُوا۔ اور تیسرے روز اسی حالت میں وصال فرمایا۔ ؎

کشتگانِ خنجرِ تسلیم را

ہر زماں از غیب جانے دیگر است

ایک مرتبہ آپ ارادتمندوں میں جلوہ افروز تھے۔ ارادہ مبارک اندرونِ خانہ جانے کا ہُوا۔ اُٹھ کر کھڑے ہُوئے تو زبانِ مبارک سے یہ کلمات ارشاد فرمائے۔ ٹھہر جانا چاہیے۔ شاید کوئی کام درپیش ہے۔ تھوڑی دیر بعد ایک مرد اور عورت اپنے ایک نابینا بچے کو لے کر حاضرِ خدمت ہُوئے اور عرض کیا۔ حضرت ہم بُوڑھے میاں بیوی اس نابینا بچے کے والدین ہیں۔ از راہِ کرم اسے آنکھیں بخش دی جائیں اور نہایت ہی شدت سے گریہ و زاری کرنے لگے۔ ارشاد ہُوا۔ ہم کب اچھا کر سکتے ہیں۔ یہ تو حضرت عیسٰی علیہ السّلام کا کام تھا۔ ہم کب

اچھا کر سکتے ہیں۔ یہ فرما کر آپ چل دیے۔ ابھی چند قدم ہی دُور تشریف لے گئے تھے کہ مڑک گئے اور پیچھے مڑ کر فرمایا۔ بچے کو یہاں لاؤ۔ اور آپ نے دونوں ہاتھوں کے انگوٹھے بچے کی دونوں آنکھوں پر رکھتے ہوئے فرمایا۔ ہم اچھا کرتے ہیں ہم۔ عیسٰی علیہ السلام کب اچھا کر سکتے تھے۔ ہم اچھا کرتے ہیں ہم۔ اور اس کے ساتھ ہی بچے کی آنکھیں نُورِ بصارت سے منوّر ہو گئیں۔ عُلما مُصر ہوئے کہ حضرت پہلے کیا ارشاد فرمایا اور پھر کیا ارشاد ہُوا۔ شرعاً و عقلاً خلاف ہے ارشاد ہوا۔

مجھے اِذن منجانب اللہ ایسا ہی ہُوا ہے۔ کہ جس کی تعمیل و تکمیل کر دی گئی ہے۔ حکم ہُوا کہ اچھا تو ہم کرتے ہیں۔ حضرت عیسٰی علیہ السلام کب کرتے تھے۔ ہم اچھا کرتے ہیں ہم۔ اور واقعی یہ حقیقت ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی اچھا کرتا ہے۔ ورنہ میرا پہلا جواب بھی غلط نہ تھا ؎

گفتہ او گفتہ اللہ بود
گرچہ از حلقوم عبداللہ بود

اعتقاد کلیدِ کامیابی ہے

بمقام گارڈن ٹاؤن لاہور ارشاد ہُوا :

اعتقاد کا قائم ہونا خلوص و صدق سے ہے۔ اور یہی کلیدِ کامیابی ہے۔ عرصہ دراز سے یہ بات مشاہدہ میں ہے کہ علماء اور اَن پڑھ آدمیوں کے اعتقاد میں بڑا فرق ہے۔ راہِ حق میں اہلِ علم کو جلد تر کامیاب ہو جانا چاہیے۔ بتقاضائے فضیلتِ علم یہی مناسب معلوم ہوتا ہے اور علم کی اہمیت سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا۔ علم لازوال دولت ہے۔ بہت ہی ضروری ہے۔ مگر اعتقاد اور پختہ یقین کے معاملہ میں ان پڑھ جلد تر کامیاب ہو جاتے ہیں اور مقصودِ حقیقی حاصل کر لیتے ہیں۔ علم بہمہ صفات موصوف سہی مگر عمل کے بغیر کچھ بھی نہیں ہے ؎

علم گر بر تن زنی مارے بود
علم گر بر دل زنی یارے بود

ہمیں ایک نہایت فاضل شخص کی باطنی اصلاح میں اکثر بہت دِقّت پیش آتی ہے اور وقت لگتا ہے۔ مگر اَن پڑھ نہایت قلیل وقت میں جلد کامیاب ہو جاتا ہے۔ حضرت بابا فریدالدین گنج شکرؒ کے بڑے صاحبزادہ صاحب علم حاصل کرنے سے کنارہ کشی کرتے رہتے۔ اور باباصاحبؒ کے خدّام سعی فرماتے رہے مگر موصوف ہمہ وقت خاموش ہی رہا کرتے۔ ایک بار باباصاحبؒ کے خدّام کہ جن کا شمار جیّد علماء و اکمل صلحاء میں ہوتا تھا۔ سب مل کر سعی فرمانے لگے۔ تو جناب صاحبزادہ صاحب نے ایک جملہ بزبانِ عربی ادا کر کے اُن سب کو حیران کر دیا "العلم حجاب الاکبر" حضرت باباصاحبؒ سے عرض کیا گیا تو ارشاد ہوا۔ رہنے دیجیے اور کیا پڑھے گا۔

شغل نفی و اثبات

بمقام گارڈن ٹاؤن لاہور ارشاد ہوا:

ایک مولوی صاحب مرید ہوئے۔ کچھ عرصہ کے بعد آئے تو کہنے لگے۔ حضرت جب میں حاضر ہوا تھا۔ تو آپ نے میری نفی کر دی تھی۔ مگر اثبات باقی ہے۔ میں نے کہا: مولوی صاحب۔ اثبات باقی ہے اور باقی رہے گا۔ کسی فکر کی ضرورت نہیں۔ لا اِلٰہ سے مراد نفی غیر اللہ ہے۔ اولیائے کرام نفی میں خود کو بھی خصوصیت سے شامل کرتے ہیں۔ جب وجود کی صورت کی نفی ہو جائے تو باقی کیا رہ جائے گا۔ اور طالبِ حق کو چاہیے کہ کلمۂ نفی و اثبات میں بدرجۂ کمال مشغولیت و محویت رکھے۔ ؎

چیست توحید خدا آموختن

خویشتن را پیش واحد سوختن

؎ فقر چیست کارِ خویش را سنجیدن است — بر دو حرف لا الٰہ پیچیدن است

فقر ذوق و شوق و تسلیم و رضا است — ما امینیم ایں متاعِ مصطفٰےؐ است

اتباعِ پیرِ کامل

بمقام گارڈن ٹاؤن لاہور ارشاد ہُوا:

آج میری طبیعت گرد تھی۔ اِس لیے محفلِ سماع میں حکیم جی (مخدوم زادہ جناب علاؤالدین صاحبؒ) کو بھیج دیا تھا۔ سردار علی قوال سے پُوچھا کہ محفل کیسی ہُوئی؟ تو وہ رونے لگ گئے۔ اور دیگر حاضرین نے بھی اِسی طرح نگاہوں سے جواب دیا۔

یاد رکھیے!

یاد سلامت رہے تو جدائی کوئی چیز نہیں۔ پھر دُوری کیسی؟ بس قریب ہی سمجھنا چاہیے۔ اور پیرِ کامل کا ہاتھ تو ہر جگہ پہنچ سکتا ہے۔

اور مسئلہ اتباع تو ایک نہایت ہی غور طلب مسئلہ ہے۔ لوگ ظاہری اتباع کی کوشش کرتے ہیں۔ اگر دل توہمات اور وساوس میں مُبتلا ہے تو صحیح اتباع نہیں ہو سکے گی۔ لازم ہُوا کہ ظاہری اتباع کے ساتھ ساتھ دل بھی مُبتلائے رسولِ مقبول علیہ الصلوٰۃ والسلام ہو۔ اگر دل مُبتلائے عشق و محبتِ رسولؐ ہے۔ تو دل ہی ظاہری اتباع کے لیے از خود مجبور کرے گا۔ اور جب دل مائل باتباع ہُوا۔ پھر دُشواری کیسی آسانی ہی آسانی ہے۔

میں کہتا ہوں اگر طلبِ حق صدق سے ہے۔ تو اتباع آسان ہو گی۔ محبت کو زندگی بنا لیا جائے۔ جب محبت میں مکمل ہُوا تو اتباع آسان ہو گی اور پھر جینا۔ مرنا، اٹھنا بیٹھنا سونا جاگنا سب کچھ اُسی کے تحت ہو جائے گا۔ جب آدمی کسی کی ذات میں گم ہُوا تو وہی ہو گیا۔ جس میں وہ گم ہُوا۔ قطرہ دریا میں مل کر دریا ہُوا۔ پھر دُوری کیسی اور غیریت کیسی؟

پیر و مُرشد کی محبت کو خود پر اوڑھ لینا چاہیے۔ اور اسی کے زیرِ سایہ عافیت اور سکون دائمی ہے۔ جس کسی نے پیر کو صرف راہ بتانے والا ہی سمجھا اور اس کے آگے کچھ نہ سمجھا تو وہ اس راہ پر چل بھی نہ سکے گا۔ آگے سمجھتا جائے اور چلتا جائے۔ حتیٰ کہ منزلِ مقصود پہ پہنچ کر معلوم ہو گا۔ کہ پیر کی ذات کیا ہے۔ میرے حضرت پیر و مُرشد کا تصرف ہے کہ میں جسے مرید کرتا ہوں اُس کا دل و دماغ بدل دیتا ہوں اور ایک انقلاب بپا کر

دیتا ہوں۔ کم از کم پیرِ کامل میں یہ صفت تو ہونی چاہیے۔ ورنہ پیرِ کامل سے تو بہت کچھ حاصل ہو سکتا ہے۔

کوئی شخص بغیر نسبت کے واصل باللہ نہیں ہو سکتا۔ اور پیرِ کامل کے بغیر یہ نعمتِ عظمیٰ حاصل نہیں ہو سکتی۔ فنا فی اللہ ہونا اپنا ہستی یعنی خیالِ غیر کو مٹانا ہے۔ (اس راہ میں اپنی ہستی بھی خیالِ غیر کا درجہ رکھتی ہے) بالفاظِ دیگر غرقِ وحدت ہونا ہے۔ گویا قطرۂ آب کا بحر میں ملنا ہے۔ اور بحرِ وحدت باقی اور قائم ہے۔

تصحیحِ نیت کے بغیر علم و عمل بے سُود ہیں

بمقام گارڈن ٹاؤن لاہور ارشاد ہُوا:

دل و نیت کو صحیح رکھو۔ یاد رکھیے:

قُدرتِ کاملہ کی نظر اسی پر رہتی ہے۔ اور جو کچھ جس نیت سے کرو گے۔ اسی کا نتیجہ ظاہر ہوگا اور حشر کے روز اسی کو دیکھا جاتا ہے۔ میں کہتا ہُوں۔ اگر ہزار علُوم بھی حاصل کر لیے جائیں۔ مگر اللہ تعالیٰ کا تعلق تو دل سے ہے نہ کہ علوم سے۔ دل کی اس طرح سے نگہداشت کی جائے اور ایسی دربانی کی کہ ماسویٰ اللہ کا قیام اس میں نہ ہو سکے۔ پھر تو علم فائدہ مند ہے۔ اگر دل میں توہّم اور وساوس نے قرار پکڑ لیا۔ تو علم سانپ کی طرح کاٹتا رہے گا۔ اللہ تعالیٰ نے دل میں ایک مخفی (پوشیدہ) قوتِ مؤثرہ رکھ دی ہے۔ جس پر غفلت کا قُفل لگا ہوا ہے۔ اور اس کی کُنجی اولیاء اللہ کے تصرّف میں دے دی ہے۔ انگریز محقق بھی تسلیم کرتے ہیں کہ ہر انسان کے وجود میں ایک ایسی مخفی طاقت موجود ہے۔ اگر اسے اُجاگر کر لیا جائے اور اس سے شناسائی ہو جائے۔ تو انسان جو چاہے کر سکتا ہے۔ تعویذ ہوں یا تسبیح سب جائز سہی۔ باعثِ ثواب ہی سہی۔ اللہ تعالےٰ کی معرفت کے حصول کے لیے ان میں سے کونسی چیز سُود مند کہی جا سکتی ہے۔

کم از کم مرید کو ایسی تعلیم دے دینا چاہیے۔ کہ وُہ راہِ حق پر چلنے میں مصروف ہو جائے۔ ورنہ پیری مریدی تو ایک ایسا روحانی رشتہ ہے۔ جس کی حقیقت مسلّم ہے۔ کم از کم

مُرید کے دل و دماغ کو بدل دینا اور باطن میں ایک انقلاب پیدا کر دینا اور مُبتلائے عشق و محبت کر دینا پیر کے اوّلین فرائض میں سے ہے تاکہ مرید کامل طور پر راہِ خدا تعالیٰ پر گامزن ہو جائے۔

انتباہ

فرمایا۔ آپ لوگ مجھ سے مرید ہیں۔ عقیدت اور محبّت بھی رکھتے ہیں۔ آتے جاتے ہیں۔ خدا اور رسول کا ذکرِ خیر بھی سُنتے ہیں۔ میں بھی تمھیں عزیز از جان سمجھتا ہوں۔ اس لیے تمھاری بہتری بھی میری نظر میں ہے۔ آج میں ایک تنبیہ کرتا ہوں۔ لو غور سے سنو!

حقوق العباد کا خاص خیال رکھا کرو۔ اللہ اللہ خُوب کرو مگر حقوق العباد کا بھی پورا پورا خیال رکھو۔ اللہ تعالےٰ غفور الرحیم ہے۔ اپنے فرائض اور واجبات کو معاف فرما دے تو یہ اُس کی شانِ رحیمی کے عین شایان ہے۔ اور عادلِ حقیقی ہونے کے لحاظ سے حقوق العباد کیونکر معاف فرما دے۔ یہ تو بندوں کا حق ہے۔ ایسی صُورت میں کوئی چارۂ کار نظر نہیں آتا۔

ہمارے حضرات نے اس کی پُوری پوری نگہداشت کی ہے اور بہت تاکید کی گئی ہے۔ میں تم میں سے بعض کو اس معاملہ میں بہت غافل دیکھتا ہوں۔ اور اس سے تکلیف محسوس کرتا ہوں کیونکہ تم مجھے بہت ہی عزیز ہو۔ اِس لیے تنبیہ کرتا ہُوں کہ ہوشیار ہو جاؤ۔ تُمھارے لیے فلاح یہی ہے کہ میرا راستہ اختیار کرو۔ دیکھیے بفضلِ خدا تعالیٰ میرے ذمّہ کوئی حقوق العباد واجب الادا نہیں۔ دُنیا میں ہوشیاری سے رہنا چاہیے۔ فقیر کی زندگی دُنیا میں اس شعر کے مطابق ہے۔ پھر غفلت چہ معنی دارد ؎

درمیان قعر دریا تختہ بندم کردہ
بازمے گوئی کہ دامن تر مکن ہوشیار باش

سرکار تاج الاولیاءؒ کے معاملہ کی صفائی

بمقام گارڈن ٹاؤن لاہور ارشاد ہُوا:

آج تم دیکھ رہے ہو کہ میرے پاس ایک دُنیا کھنچی چلی آ رہی ہے۔ اگر میں چاہوں تو کروڑوں روپے کی جائیداد پیدا کر سکتا ہوں۔ مگر میں اس سے بے نیاز ہوں۔ میرے بزرگوں کے کرم نے مجھے غنی کر دیا ہے۔ اُن کی یاد و محبت ہی بہت ہے۔ تمہارا صحیح الحال ہونا میرے معاملہ کی صفائی کا نتیجہ ہے۔ تمھیں بھی ایسا ہی برتاؤ سیکھنا چاہیے۔ صحیح معنوں میں کسی نعمت کا شکریوں ادا کیا جا سکتا ہے۔ کہ اس کی قدر دانی کی جائے۔ اور اُس نعمت کا ذکر عام کر کے بھی شکر ادا کیا جا سکتا ہے۔ بعض لوگ بعض دیگر پیر صاحبان کے مُرید ہوتے ہُوئے یہاں آ کر لوگوں کا مودب بیٹھنا۔ عشق و محبت میں چشم گریاں اور احوالِ بیاں دیکھنا انھیں متعجب و متوجہ کر دیتا ہے۔ میں اُن کی حالت اور طلب دیکھ کر حیران ہو جاتا ہوں۔ کہ پیر کی خدمت میں عمرِ عزیز اور رزقِ حلال نذر کرتے رہے۔ مگر مدارجِ رُوحانی کے معاملہ میں ہنوز روزِ اوّل است۔ اُن کے اصرار و گریہ پر انھیں مرید کر لیتا ہوں۔ اور ہدایت کر دیتا ہوں کہ نذر و نیاز انھیں پیر صاحبان کو دیا کریں اور تعظیم و تکریم میں بھی فرق نہ آنے دیں۔ تاہم پیر صاحبان ناراض ہو جاتے ہیں اور انھیں بد دعائیں دینے لگ جاتے ہیں۔ ہر قسم کے ظلم و ستم روا سمجھتے ہیں۔ کیسے پیر مجھے اور کیا کرنا چاہیے۔ جبکہ ان کے مریدین پریشان ہو کر اور اُن سے تنگ آ کر میرے پاس فریاد کُناں ہوتے ہیں۔ تعجب ہے کہ خود بھی راہِ خُدا میں مُرید کی تشفی نہ کر سکیں اور کہیں اور سے بھی کچھ حاصل نہ ہونے دیں۔

آج میں اعلانیہ طور پر تمھاری تسکین کر دوں گا۔ گھبرانے کی کوئی ضرورت نہیں کیونکہ تمھارا کوئی کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ میں نے کبھی کسی کو مرید نہیں کیا تاوقتیکہ اس کا ہاتھ جنابِ رسُولِ مقبول صلّی اللہ علیہ وسلّم کے دستِ رحمت میں نہ دے دیا ہو۔ بس تم اپنے مولا و مالک کی پناہ میں ہو۔

اللہ تعالیٰ کی شکل و صُورت کے متعلق ایک سوال

بمقام گارڈن ٹاؤن لاہور ارشاد ہُوا:

بعض مولوی صاحبان بھی عجیب و غریب خیالات رکھتے ہیں۔ ان کے تذبذب ایسے خیالات کی نشان دہی کرتے ہیں۔ کہ وہ علم زدہ ہیں علم یافتہ نہیں ہیں ؎

علم گر بر تن زنی مارے بود
علم گر بر دل زنی یارے بود

ایک مولوی صاحب نے مجھے پوچھا کہ حضرت! اللہ تعالیٰ کی شکل و صورت کیسی ہے؟ میں نے کہا۔ کلام اللہ میں تلاش کیجیے۔

کہنے لگے۔ حضرت میں مطمئن نہیں ہو سکا۔ علومِ ظاہرہ سے تشفی کا کوئی امکان نہیں۔ اِس معاملہ میں آپ سے پوچھنا چاہتا ہُوں۔

میں نے کہا۔ مولانا صاحب! پہلے ایک (شاہ منصورؒ) سے جو پوچھا تھا۔ تو اُس کا کیا حشر کیا تھا۔ اب ہم سے بھی پوچھا جا رہا ہے۔ افسوس ہے کہ آپ دیر سے آئے اب صبر کے سِوا کوئی چارہ نہیں۔

ایک اور مولوی صاحب چند علماء کے مواجہ میں پند و نصائح فرماتے ہُوئے کہنے لگے حضرت! مسلمان مصیبتوں میں گھرے ہُوئے ہیں۔ میدان میں آئیے۔ یہ گوشہ نشینی کا وقت نہیں ہے۔ میں نے کہا۔ مولانا صاحب! میں بیمار اور ضعیف آدمی ہُوں۔ کیا کر سکتا ہُوں مگر اُنھوں نے پھر اصرار کیا۔ میں نے صاف اُن سے کہہ دیا۔ مولانا صاحب۔ وقت آنے پر یہ فقیر گوشہ میں بیٹھ کر جو کچھ کرے گا۔ وہ آپ مِل کر بھی نہیں کر سکیں گے۔

اثباتِ حق کا سائل

ایک مرتبہ علاقہ راولپنڈی کے ایک مولوی صاحب نے اخبار میں اشتہار دیا۔ کہ مجھے اثباتِ حق کی تسکین مطلوب ہے۔ علومِ ظاہرہ سے کما حقہٗ بہرہ ور ہُوں۔ لہٰذا علمائے ظاہر کوئی تکلیف نہ فرمائیں۔ بزرگانِ دین میں سے کوئی صاحبِ فیض و تصرّف بزرگ تسکین کرا دے تو مشکور رہوں گا۔ مضمون ھذا ملاحظہ سے گزرے اور صاحبِ توفیق توجہ نہ دے تو بروزِ حشر دامن گیر ہوں گا۔ میرا ایمان خطرہ میں ہے۔

اخبار کا یہ مضمون کہیں غلام محمد صاحب (راولپنڈی والے) کی نظر سے گزرا تو انھوں نے مولوی صاحب کو خط لکھ دیا۔ کہ میرے حضرت (تاج الاولیا۔) شاہ محمد عبدالشکورؒ) فلاں تاریخ کو بمقام پاکپتن فلاں مکان پر تشریف فرما ہوں گے۔ وہاں آ جاویں۔ تسکین ہو جائے گی.

چنانچہ جب میں بغرضِ حاضری بموقع عرس شریف باباصاحبؒ پاکپتن شریف پہنچا۔ تو وہ مولوی صاحب بھی آ گئے۔ میں نے اُن سے کہا ایسی صورت میں کہ جب کوئی شخص ایمان سے خارج ہو رہا ہو اور وہ رجوع بھی کرتا ہو۔ معاملہ حدقیل وقال سے باہر بھی ہو تاہم مجھ پر یہ فرض ہے کہ اس کی تسکین کرا دوں۔

مولوی صاحب کو تاکید کر دی گئی کہ آپ صبح فلاں وقت جناب باباصاحبؒ کے روضۂ اقدس کے دروازہ پر پہنچ کر وہیں کھڑے ہو جانا۔ میں عین اُسی وقت حاضری کے لیے آؤں گا۔ اور آپ کی تسکین کرا دی جائے گی۔

میں وقتِ مقررہ پر جناب باباصاحبؒ کے دروازہ پر پہنچ گیا۔ مگر مولوی صاحب ندارد۔ تگ و دو بسیار اور لمبی تلاش و انتظار کے باوجود وہ نہ ملے اور نہ ہی کوئی پتہ چل سکا۔ اگر وہ پہنچ جاتے تو خدا معلوم کیا ہونا تھا۔ مگر وہ مولوی صاحب ہیبت زدہ ہو گئے اور قائم نہ رہ سکے۔ میں کہتا ہوں کہ حضرت باباصاحبؒ کے در سے وہ ہرگز محروم نہ جا سکتے تھے۔ مگر اُن کی شومیٔ قسمت کو کیا کہا جائے۔

مقصدِ خلافت

سید فیض الحسن شاہ صاحب خلیفہ مجاز جناب مولانا سید علیم الدین شاہ صاحب مرحوم بلند شہری کو بمقام گارڈن ٹاؤن لاہور ارشاد فرمایا:

فیض الحسن! سلسلۂ عالیہ کی کیا خدمت کر رہے ہو۔ کچھ کر رہے ہو یا آرام سے بیٹھے ہو؟

عرض کیا۔ حضور کچھ کر ہی رہا ہوں۔ دعا فرمائی جائے۔

فرمایا۔ کچھ کا کیا مطلب ہے؟ کام کرو گے تو اختیارات ملیں گے۔ مخلوق سے واسطہ قائم کرو گے تو اہلیت دی جائے گی۔ تمھیں اجازت و خلافت مل چکی ہے۔ کیا یہی کچھ طلب تھی۔ کیا تکمیل ہو گئی؟ شاید تم نے یہ خیال کر لیا ہے کہ اب ہم فقیری حاصل کر چکے ہیں سُنو! فقیری تو بہت دُور کی بات ہے۔ البتہ تمھیں راہ دکھلائی گئی ہے۔ ہمّت سے قدم اُٹھاؤ اب منزلِ مقصود قریب ہے۔ خلقِ خُدا کو فیض یاب کرو ورنہ کل جواب ہونا پڑے گا۔

جب حلیم الدین بلند شہری مرحوم و مغفور نے میری دعوت بلند شہر اور دھاپڑ میں کی تھی تو میں نے وہاں ایک انقلاب بپا کر دیا تھا۔ ہمارے ہاں کا کوئی دیوانہ کہیں سے گزرے۔ عشق و محبت کی اِک آگ لگا دیتا ہے ؎

بتاتی ہے یہ شوخیِ نقشِ پا کی
ابھی اس راہ سے گزرا ہے کوئی

یاد رکھیے:

خواہ کوئی کتنا بڑا بزرگ ہو جائے۔ دُنیا میں مخلوق کو فیض یاب کرے گا۔ بعد وصال بھی سلسلۂ فیض قائم رہے گا۔ ورنہ کچھ نہیں۔ آدمی اپنی کمزوریوں کو دیکھتا ہے۔ توکل بر خدا، ہمت اور خُود اعتمادی سے کام کرنا چاہیے۔ قوتِ ارادی کے بغیر کچھ نہیں ہوتا۔ سالکانِ طریقت کو اِسی لیے مرد کہا جاتا ہے کہ اُن کی خود اعتمادی، خُودداری اور قوّتِ ارادی نہایت مضبوط اور قوی ہُوا کرتی ہے۔ اور حضرات پیرانِ سلسلۂ عالیہ کو اپنے سلسلہ کی خُود لاج ہے۔ بروقت کوئی کمی نہیں رہتی۔ یاد رکھیے۔ خادم وہی ہے جو بلا دلیل و چون چرا الحکم کی تعمیل میں مصروف و مشغول ہے۔

بصحبتِ ثانی ارشاد ہُوا:

جب سے محمد صادق (مرید جناب غلام محمد صاحب مدظلہ راولپنڈی) محفلِ سماع میں فوت ہُوا ہے۔ ہم نے عام مجالسِ سماع بند کر دی ہیں۔ محمد صادق کی فوتیدگی بحالتِ کیفیت یعنی وجد میں ہُوئی۔ یہ ایک شاندار موت ہے۔ اللہ تعالیٰ جسے نصیب فرمائے۔

جب تک یکسوئی حاصل رہے کیفیت قائم رہتی ہے۔ خیالِ غیر کے دِل میں آتے ہی کیفیت برقرار نہیں رہ سکتی۔ اور حام کیفیت میں مابین حق و صاحب کیفیت کوئی حجاب نہیں رہتا۔ کیفیات کی مختلف اقسام ہیں؛

اب تو شاید لوگ ڈرنے لگے ہیں کہ یہاں تو جان لینے کا معاملہ ہے۔ شوقِ وصال رکھنا اور موت سے ڈرنا کیا بات ہوئی ؎

تیرے دیوانے کا یہ انداز ہونا چاہیے
سر بکف خستہ جگر باز ہونا چاہیے

بمقام چک نمبر R.۸/۱۴ دولت کدہ حضرت قبلہ مستان پاک ارشاد ہُوا:

سکندر آباد ایک وھاب گڑھ یعنی وھابیوں کا مرکز تھا۔ کبھی باقاعدہ مناظرہ تو نہیں ہُوا۔ البتہ ایسی صورت میں لوگ آتے رہے اور مختصر سی بات چیت سے اُن کے شکوک رفع کر دیے جاتے تھے۔ میری تو صرف کوشش رہی۔ یہ تو اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم تھا کہ علاقہ بھر کے لوگ صحیح العقیدہ اور باذوق مسلمان بن گئے۔ اگر کوئی اپنے مقدر سے رہ بھی گیا تو وہ معترف رہا اور جرأت لب کشائی نہ رکھتا تھا۔ علیم الدین صاحب مرحوم (خلیفۂ مجاز جناب تاج الاولیاء) نے جو کہ ایک وکیل اور رئیسِ اعظم بھی تھے۔ ایک روز بلند شہر (یوپی) میں میری دعوت کی اور علاقہ بھر کے معززز، شرفاء، وکلاء اور علماء بھی موجود تھے۔ ایک صاحب نے سوال کیا۔ حضرت! آنجناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلّم کے علمِ غیب کے متعلق کوئی دلیل ارشاد فرمائیے۔ میں نے کہا حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلّم کے علمِ غیب پر کیا دلیل دی جا سکتی ہے۔ بحیثیتِ مسلمان ہم وحدت اور رسالت کو بے دلیل تسلیم کرتے ہیں۔ رہا یہ سوال کہ کتنا علم تھا۔ یہ تعیّن کسی کے بس کا نہیں۔ دینے والا خداوند کریم جو کہ محبّ ہے اور لینے والے رسولِ کریم جو کہ محبوب ہیں۔ محبُوب و محبّ کے درمیان دیگر قیاس آرائی چہ معنی دارد۔ آنحضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلّم کے جملہ ارشاداتِ عالیہ بشمولِ قرآنِ کریم علمِ غیب سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس کے علاوہ کسی اور دلیل کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ سُنو! حدیث شریف سے کیا دلیل ملتی ہے۔ جب آنجناب

رحمت مآب صلّی اللہ علیہ وسلّم نے شبِ معراج کا ذکرِ خیر بیان فرمایا۔ تو صحابہ کرام نے کوئی دلیل طلب کی۔ صرف عرض کیا گیا۔ صدقت یا رسول اللہ فداہ امّی وابی۔

آنحضور پر نور کے علمِ غیب کو بے دلیل ماننا چاہیے۔ اس معاملہ میں کوئی دلیل (شبہ) رکھنا گستاخی ہے۔ افسوس ہے۔ ایسے اُمّتی پر کہ حضرت سراپا رحمت صلی اللہ علیہ وسلّم کی ذات اور صفات پر شک وشبہ بھی رکھتا ہو۔ اور اُمّتی بھی کہلاتا ہو۔ حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کو اور ان کی صفات کو بے دلیل ماننا ہی حق ہے (صحابہ کرام نے کبھی کوئی دلیل آپ کی ذات وصفات پر نہیں رکھی)۔

قبر میں جسم و رُوح کے متعلق

قبر میں جسم و رُوح کے تعلق کے متعلق فرمایا۔ کہ دُنیا میں جسم و رُوح کا جو کچھ تعلق ہے۔ بعد از مرگ بھی ایسا ہی ہے۔ ایک حدیث میں آتا ہے۔ قبرستان میں جوتے ست پہنو اور آنے والے پاؤں کی آہٹ سے صاحبِ قبر باخبر ہو جاتا ہے۔

دُوسری حدیث شریف ہے کہ قبر سے پیٹھ لگا کر مت بیٹھو۔ یہ تو ہے عام اصحابِ قبور کا معاملہ اور خاصانِ خدا کا معاملہ تو بالاتر از وہم و قیاس ہے۔ جب عام قبر والے سُنتے ہیں تو خاص خاص ہی متصوّر ہوں گے۔ بلکہ بدرجہ کمال سماعت فرماتے ہیں۔ حضرات خاصان خدا تعالیٰ مزار ہی سے توجہ، تصرّف اور فیض عطا فرماتے ہیں۔ ایک حدیث شریف میں آتا ہے۔ جنگِ بدر میں آنجناب رحمت مآب صلّی اللہ علیہ وسلّم نے کفار کی موت کی بشارت، وقت، مقام اور نام تک کا اظہار فرمایا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ خدا جانے اور علمِ غیب کیا ہوتا ہے کہ جسے لوگ پوچھتے پھر رہے ہیں۔ پھر ایک گڑھا کھودا گیا اور تمام کفّار نابکار کی نعشوں کو ایک ہی گڑھے میں دفن کر دیا گیا۔ حضرت سراپا رحمت صلّی اللہ علیہ وسلّم گڑھے پر تشریف لائے۔ اور ایک ایک کافر کا نام لے کر فرماتے رہے۔ کیا تم سے کہا نہیں تھا کہ اللہ اور اُس کے رسول پر ایمان لے آؤ۔ اب بتاؤ تمھارا کیا حال ہے۔ تمھارے ساز و سامان وغیرہ کہاں گئے ہیں؟

صحابہ کرام نے عرض کیا۔ یارسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم فداک امی وابی۔ آج مُردوں سے گفتگو فرمائی جارہی ہے۔ فرمایا۔ یہ تُم سے زیادہ سُن رہے ہیں۔" دیکھو ہمارے لیے تو آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے ارشادات اور افعالِ مقدسہ کافی ہیں۔ اللہ تعالیٰ اتباعِ کامل نصیب فرمائے۔

جملہ ارواح اپنے اپنے اعمالِ حسنہ وقبیحہ کے مطابق علیین وسجّین میں قیام رکھتے ہیں مگر تعلق جسم ورُوح اعمال کی جزا وسزا کے لیے قریب تر ہوتا ہے۔ بعد از مرگ رُوحانی بُعد (دُوری) کچھ نہیں ہوتا۔

جناب سیدالانبیاء صلّی اللہ علیہ وسلّم کی معصومیت

بمقام گارڈن ٹاؤن لاہور ارشاد ہُوا:

ایک مرتبہ ایک مولوی صاحب سے مناظرہ ہُوا جس کے فیصل ایک انگریز کلکٹر تھا۔ موضوعِ بحث آنحضور پرنُور صلّی اللہ علیہ وسلّم کی معصومیت وغیر معصومیت تھا۔ بحث کا آغاز مجھے کرنا تھا۔ مَیں نے آغاز ہی میں مولوی صاحب پر سوال کیا۔ کیا آپ جناب رسالتمآب علیہ الصلوٰۃ والسلام کو معصوم مانتے ہیں یا غیر معصوم؟

اُنھوں نے ایک طویل بحث کی اور بہت سے دلائل وثبوت پیش کرنے شروع کر دیے۔ مَیں نے کہا۔ مجھے تو جواب میں صرف اقرار یا انکار درکار ہے۔

مولوی صاحب نے جواب دیا۔ غیر معصوم۔

مَیں نے حاضرینِ مجلسِ مناظرہ کو اپنا عقیدہ وعندیہ اور مولوی صاحب کا عقیدہ ذہن نشین کرانے کے بعد مناظرہ کے فیصل یعنی انگریز کلکٹر پر سوال کیا۔ کیا آپ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو معصوم مانتے ہیں یا غیر معصوم؟

اُنھوں نے کہا "ہم معصوم مانتے ہیں۔ کیونکہ غیر معصوم پیشوائے خلق نہیں ہو سکتا۔ اور غیر معصوم پر ہمارا ایمان صحیح نہیں ہو سکتا۔ اور غیر معصوم مانا جائے تو اللہ تعالیٰ کی ذات پاک منزّہ صفات سے غیر معصوم کا (بحیثیتِ نبی) کیا تعلق ہو سکتا ہے اور غیر معصوم

رہنمائے خلق (یعنی نبی) نہیں ہو سکتا۔ اِس لیے ہم اُن کو معصوم مانتے ہیں۔"

انگریز کلکٹر کا یہ بیان سُن کر مولوی صاحب پر آثارِ ندامت و ہیبت طاری ہونا شروع ہو گئے۔ اور کچھ کہنا چاہا۔ مگر حاضرین و سامعین نے نہایت حقارت سے مولوی صاحب کو ٹھکرا دیا اور ذلیل ہو کر رُخصت ہُوا۔

اِیاک نعبد و اِیاک نستعین کا مفہوم

بمقام گارڈن ٹاؤن لاہور ارشاد ہُوا:

ہم نمازِ جمعہ ادا کرنے کے لیے کل جیون ھانہ کی مسجد میں گئے۔ ایک گشتی مولوی صاحب بھی وارد ہو گئے۔ جھٹ سے تقریر کا وقت مانگ کر اللہ کے دین کی تبلیغ کرنے لگے۔ الحمد شریف (سُورۃ فاتحہ) موضوعِ تقریر تھا۔ کہنے لگے:

جب ہم پانچ وقت (نماز میں) اقرار کرتے ہیں۔ ایاک نعبد یعنی تیری عبادت کرتے ہیں۔ وایاک نستعین اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں۔ تو پھر ہم غیر اللہ سے امداد کیوں مانگتے ہیں۔ بزرگوں کی تعظیم اور بات ہے۔ مگر ہر چیز خُدا سے مانگیں۔ ورنہ بُت پرستی اور شرک ہو گا۔ وغیرہ وغیرہ۔

میں نے بعد نماز مولوی صاحب کو بُلا لیا۔ اور لوگ بھی جمع ہو گئے۔ میں نے کہا۔ مولوی صاحب غور سے سُن لو۔ ہم پانچ وقت (اوقات نماز میں) یہ اقرار کرتے ہیں:

الحمد للہ ربّ العالمین الرّحمٰن الرّحیم مالک یوم الدّین ایاک نعبد وایاک نستعین اھدنا الصّراط المستقیم ۵ صراط الذین انعمت علیھم غیر المغضوب علیھم ولا الضّالین ۵

سب تعریف اللہ کے لیے ہے۔ جو بخشش کرنے والا نہایت مہربان ہے۔ مالک ہے روزِ جزا کا۔ ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھی سے مدد چاہتے ہیں۔ دکھا ہم کو راہ سیدھی۔ راہ اُن لوگوں کی کہ جن پر تو نے انعام کیا۔ نہ کہ مغضوب اور گمراہوں کی۔

یہ ہے عام فہم ترجمہ۔ کہ جسے ہر شخص آسانی سے سمجھ سکتا ہے۔

آپ نے ایاک نعبد کے مفہوم میں بلا وجہ بزرگان دین کو بھی شامل کر لیا۔ کیا کوئی شخص ان حضرات کو معبود یعنی مستحق عبادت سمجھتا ہے۔ یا ایسا کرتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ اور ایاک نستعین کے مفہوم میں بلا تشریح و تخصیص غیر اللہ سے مدد چاہنا بت پرستی و شرک ٹھہرا دیا۔ حالانکہ یہاں بت پرستی اور شرک کا شائبہ تک نہیں۔ حضرات اولیاء اللہ بُت نہیں ہیں اور نہ ہی اُن کی پوجا کی جاتی ہے۔ رہا امداد کا سوال۔ تو یہاں کسی امداد کی تخصیص و تعیین نہیں اور کوئی چیز منسوب و معلوم بھی نہیں۔ آپ ایسی تشریح کس بنا پر کرتے ہیں۔

عالمِ اسباب میں ایک دوسرے کی امداد کے بغیر کوئی کام سر انجام نہیں دیا جا سکتا۔ ہر کام میں براہِ راست خدا تعالےٰ سے کیونکر امداد حاصل ہوا کرتی ہے؟

اللہ تبارک و تعالیٰ نے جو چیز جس شخص کے دائرۂ اختیار میں دے رکھی ہے۔ وہی اُس میں تصرّف کا مجاز و مختار بھی ہے۔ قرب و معرفتِ الٰہی کے حصول اور خلقِ خدا کی حاجت روائی جیسے تصرفات اولیاء اللہ سے ثابت ہیں۔ جو کہ مسلّم بھی ہیں۔

جب کوئی علم بغیر اُستاد اور کوئی کام بغیر امداد حاصل نہیں ہو سکتا۔ تو اولیاء اللہ جو کہ قرب و معرفتِ الٰہی کے حصول کے لیے مامور من اللہ اور بحیثیت نائب رسولِ مقبول صلّی اللہ علیہ وسلّم اس پیغمبرانہ خدمت کو سر انجام دے رہے ہیں تو پھر آپ کو کیا اعتراض ہے؟

ایاک نعبد کا فقط یہی معنیٰ و مفہوم ہے۔ اور اس میں کسی کمی بیشی کی گنجائش نہیں۔ اور وایاک نستعین۔ یعنی تجھی سے مدد چاہتے ہیں۔ کس بات کی؟ یہ کوئی تعیین و تخصیص نہیں۔ ایاک نعبد و ایاک نستعین کے درمیان کی واؤ اضافہ ہے۔ جو پچھلے امر کی جانب متوجہ کرتا ہے۔ کہ نعبد سے متعلق ہے۔ یعنی مدد چاہتے ہیں عبادت کے لیے۔ صاف مطلب و مفہوم یہ ہوا۔ کہ اے اللہ ہم تیری عبادت کرتے ہیں اور عبادت کے لیے تجھی سے مدد چاہتے ہیں۔ آگے ہے۔ اھدنا الصراط المستقیم۔ دکھا ہم کو راہ سیدھی۔ الّذین۔ اُن لوگوں کی راہ۔ انعمت علیھم۔ جن پر تُو نے انعام کیا۔ جمیع مفسّرین نے اس کا مفہوم یہ لیا ہے۔ کہ منعم علیہ گروہ انبیاء صدّیقین، شہداء۔ اور صالحین یعنی اولیاء۔

اللہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین ہی ہیں۔

اور ہم دُعا مانگتے ہیں کہ یا الٰہی ہمیں ان حضرات یعنی منعم علیہ گروہ کا راستہ دکھا اور اسی راستہ پر چلا۔ مگر آپ لوگ ان حضرات سے نفرت کرتے ہیں اور نفرت دلاتے ہیں سچ ہے کہ سندر کی بلی دیوتا سے نہیں ڈرتی۔ مولوی صاحب اپنی اصلاح کرو۔ دیگراں را نصیحت وخود را فضیحت۔ صراط المستقیم۔ حضرات انبیاء۔ شہداء۔ صالحین یعنی اولیاء اللہ ہی کا راستہ ہے۔ الحمد للہ کہ ایسے مادیت پرست اور پُر فتن دور میں بھی اللہ تعالیٰ نے ہمیں محفوظ رکھا۔ اللہ تعالیٰ حضرات اولیاء اللہ کے مقدس راستہ پر ہی قائم بدائم رکھے۔ آمین

یک زمانہ صُحبتے با اولیاء

بمقام کوٹھی نمبر ۶ گارڈن ٹاؤن لاہور ارشاد ہوا:

آج قدوس میاں (خلف الرشید صاحبزادہ محترم جناب محمد عبدالرؤف صاحب) کی رسمِ ختنہ تھی۔ مقامی طور پر محفلِ سماع کا بھی اہتمام کر لیا گیا۔ جب میری صحت اچھی تھی تو رات بھر محافلِ ذکر میں گزر جاتی۔ نصیر آباد میں ہر جمعرات کی شب کو محفلِ سماع کا انعقاد ہوا کرتا۔ اور ویسے عام حالت میں بھی اکثر عشاء کے وضو سے بیٹھے اور صبح ہو گئی۔

اب تو میری صحت اچھی نہیں رہتی۔ تم لوگ جوان ہو۔ ہمت سے کام لو تو سب کچھ ہو سکتا ہے۔ جو آدمی ذکر و فکر میں لگا رہے تو آخر کامیابی حاصل کر لیتا ہے۔ میں تو سب کے لیے دُعا کرتا ہوں۔ مگر تمہیں بھی غفلت چھوڑ دینا چاہیے۔

یاد بڑی چیز ہے۔ یاد ہی سے انسان آباد ہوتا ہے اور یاد ہی سے یاد ہوتی ہے۔ فاذکرونی اذکرکم کا یہی مطلب ہے کہ یاد کرو۔ یاد کیے جاؤ گے۔

کراچی سے ایک صاحب کا خط آیا ہے۔ شاید کہیں سے پتہ مل گیا ہوگا۔ ہم نے خط دیکھتے ہی اندازہ کر لیا کہ وہ صحیح الحال ہے۔ اور کوئی وُہ دُور نہیں رہا۔ ورنہ میرے خیال میں وُہ جب سے مُرید ہوا ہے پھر نہیں مل سکا۔ اور کم از کم بیس۲۰ سال کا عرصہ گزر گیا ہوگا۔

مگر اُسے ایک دن کی یا اس سے بھی تھوڑی دیر کی صحبت ہی بہت کچھ فائدہ پہنچا چکی تھی۔

رمضان شریف میں ذکر کے متعلّق

رمضان شریف میں ذکر بند کر دینا چاہیے۔ سحری کے وقت کھانے سے قبل تھوڑی دیر کر لیا جائے تو حرج نہیں۔ البتہ ذکر و فکر سے بالکل غافل نہ ہونا چاہیے۔ اگر بدورانِ ذکر طبیعت زیادہ گرمی عود کر آئے۔ تو کچھ روز کے لیے توقّف کر لینا چاہیے۔ اور صرف درُود شریف پڑھتے رہنا چاہیے۔ ذکر و فکر اور تصوّر اپنی حقیقتیں ظاہر کرتے رہتے ہیں گھبرانا نہ چاہیے۔ بلکہ اور سعی کرنا چاہیے۔ کیفیت (وجد) اور محفلِ سماع کے بعد پانی نہ پینا چاہیے۔ اور ذکر جاتے مفید ہے۔

محفلِ سماع کے وقت خالی پیٹ ہونا چاہیے۔ اور ذکر پابندی سے کرنا ضروری ہے۔ لیکن مراقبہ میں زیادہ وقت لگانا چاہیے۔

راحت میاں کی سجّادہ سے علیحدگی

بمقام گارڈن ٹاؤن لاہور ارشاد ہوُا :

ہندوستان سے راحت میاں (سجّادہ نشین شاہ محمد نبی رضاؒ) یہاں آتے تو حتی المقدوُر ان کی خدمت سے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا گیا۔ یہ سمجھتے ہوئے کہ وہ ہمارے حضرت فیضدرجت کے آستانہ عالیہ کے سجّادہ نشین ہیں۔ ان کی رہائش و آسائش کا خاص اہتمام کیا جاتا رہا۔ اُن پر مجذوبیت کا بہت غلبہ ہے۔ جس کا ہمیں شدید احساس و فکر ہوتا رہا۔ کہ کیا کیا جائے۔ وہ ہندوستان سے پا پیادہ اور بے سروسامانی سے سفر طے کرتے ہوتے یہاں آئے۔ بہت کوشش کی گئی۔ مگر ان کی طبیعت نہ سنبھل سکی۔ وہ ان دنوں ہندوستان میں ہیں۔

آج میں اعلان کرتا ہوں کہ منجانب بزرگانِ سلسلۂ عالیہ اُن کو منصب سجادگی سے علیحدہ کر دیا گیا ہے۔ ہندوستان میں سلسلۂ عالیہ کے لوگوں کو مطلع کر دیا جائے۔ ۱۹۸۰ء

اعلان سے ہندوستان میں سلسلۂ عالیہ کے لوگ حیران ہوں گے۔ اور پاکستان میں بھی لوگ غمزدہ ہوں گے۔ ان کے سلسلہ کے لوگ یہاں بھی موجود ہیں۔ مگر کیا کیا جاتے۔ میں نے اُن کی اصلاح کی ہر ممکن کوشش کی ہے۔ ان کی حالت کوئی اطمینان بخش نہیں۔ اور اس معاملہ میں میرا کوئی ذاتی معاملہ و اختیار نہیں۔ یہ اَمر ہو چکا۔ اور اُوپر سے فیصلہ ہُوا ہے۔ اللہ جو کچھ چاہتا ہے۔ وُہی ہوتا ہے۔

ہمیں سجدے روا ہیں خواجۂ اجمیر کے در کے

بمقام گارڈن ٹاؤن لاہور ارشاد ہُوا:

ایک مرتبہ سیّدنا حضرت خواجۂ اجمیرؒ کے عُرس مبارک پر طرحی مشاعرہ منعقد ہُوا۔ مصرعِ طرحہ ہمارے ہاں سے تجویز ہُوا تھا۔ ؎

ہمیں سجدے روا ہیں خواجۂ اجمیرؒ کے در کے

مشاعرہ میں ایک مولوی صاحب جو کہ شاعر بھی تھے نیازمندانِ حضرت خواجہ پر ایک لطیف سی چوٹ کر گئے کہ ؎

ہم تو شریعت کے بندے ہیں بھلا یہ کیوں کہہ دیں
ہمیں سجدے روا ہیں خواجۂ اجمیرؒ کے در کے

اس پر ہمارے مُنّے میاں (صاحبزادہ عبدالستار صاحب تیغؒ) نے فی البدیہہ جواب دیا ؎

شریعت کی حقیقت کھل گئی جن پر پکار اُٹھے
ہمیں سجدے روا ہیں خواجۂ اجمیرؒ کے در کے

ناراضگیٔ شیخ کا احساس

بمقام گارڈن ٹاؤن لاہور ارشاد ہُوا:

سیالکوٹ سے چودھری عزیز الدین صاحب اسٹیشن ماسٹر (خلیفہ جناب حضرت غلام محمد صاحب مدظلہ) نے خط میں لکھا حضرت مجھ سے ناراض ہیں۔ مجھے بڑا

فکر لاحق ہوا۔ حالانکہ میں ناراض بھی نہیں اور بظاہر یہ بات بھی کوئی ایسی تشویش ناک معلوم نہیں ہوتی۔ یاد رکھیے۔

پیر و مُرشد کے حق یہی سمجھ لینا بڑے نقصان کی بات ہے۔ ایسے خیالات نقصان کا باعث بن جایا کرتے ہیں۔ سالک کی ترقی رُک جاتی ہے اور حجابات روک لیتے ہیں۔ ہم کبھی کسی پر ناراض نہیں ہوتے۔ بلکہ اس قدر احتیاط سے کام لیتے ہیں کہ اکثر لوگوں کو حق بات اور ایک نیک رائے کا اظہار کر دیتے ہیں اور امر کرنے سے گریز کرتے ہیں۔ ممکن ہے۔ کسی سے تعمیل نہ ہو تو وہ گنہگار ہو۔ البتہ یہ میرے فرائض میں سے ہے کہ کوئی کام خلافِ شریعت دیکھوں تو تنبیہ کر دوں اور تعلیم و تلقین کے معاملات ایسے بھی ہوتے ہیں کہ بیان نہیں کیا جا سکتا۔ میرا رویہ ہر مرید کے ساتھ اُس کے ذوق اور تعلق کی نسبت سے ہوتا ہے۔ پیر کا کام صرف ورد و وظائف بتا دینا ہی نہیں ہوتا۔ کچھ اور بھی ہوتا ہے۔

ہمارے نزدیک اگر پیر کامل راہِ خدا میں کسی طالبِ حق سے ایسا مجاہدہ کرا لے یا توجہ دے کہ طالبِ حق جاں بحق ہو جائے تو عند الشریعت پیر پر کوئی قصاص واجب نہیں اور حق تعالیٰ بھی کوئی مواخذہ نہ فرمائے گا۔

حضرت کی اپنی صحت کے دُعا کے متعلق

بمقام کوٹھی نمبر ۶ گارڈن ٹاؤن لاہور ارشاد ہوا :

تم لوگ پریشان مت ہو میری صحت اچھی نہیں رہتی۔ مگر اس قدر تشویش کی ضرورت نہیں۔ اگر یاد اور محبت سلامت رہے تو دُوری کوئی دُوری نہیں۔ یہ بات یاد رکھنا۔ جناب پیرانِ عظام سلسلہ عالیہ کی اتباع اور یاد و محبت سے کسی دم غافل نہ رہنا۔ کوئی کمی نہ رہے گی۔

کل مجھے کہا گیا۔ کہ حضرت ہمارے لیے ہی دُعا فرما دیں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو صحتِ کاملہ عطا فرما دے۔ ہم (مریدین) بہت پریشان ہیں۔ میں کہتا ہوں۔ ہمارے لیے ہمارے

حضرات بزرگانِ سلف صالحین کا اسوۂ حسنہ کافی ہے۔ ایسی کونسی پریشانی ہے جسے سکون میں نہیں بدلا گیا اور کونسی مشکل ایسی ہے جو حل نہیں فرما دیا گیا۔ ہمیں زندگی تسلیم و رضا پر گزارنی چاہیے۔ اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کا موجب اور حیاتِ مستعار کا سرمایہ یہی تسلیم و رضا ہے۔ حضرت جنید بغدادیؒ بہت بڑے بزرگ ہوئے ہیں۔ ایک مرتبہ سخت بیمار ہوئے۔ بدوران علالت اُن کے خدام دعا کے لیے ملتجی ہوئے کہ اپنی صحت کے لیے دعا فرمائی جائے۔ یہ سُن کر خاموشی اختیار فرمالی۔ خدام بیقرار ہو کر دوبارہ ملتمس ہوئے تو فرمایا:

"دعا کی بھتی۔ امر ہوا۔ ہماری ملکیت میں تمہارا کیا دخل ہے۔"

یاد رکھیے۔ بزرگانِ صاحب ذیشان کے ہر قول و فعل کی تعمیل کرنا اور ہر ظاہری و باطنی اتباع اختیار کرنا ہی کلیدِ کامیابی ہے۔ اور اسی کو گوہرِ مقصودِ حیات سمجھنا چاہیے اللہ تعالیٰ استقامت نصیب فرمائے۔ میں تم سب کے لیے دعا کرتا ہوں۔"

یادِ ایامِ رفتہ

میرا جوانی کا عالم بھی عجیب گزرا ہے۔ اکثر راتیں ذکر و فکر میں گزر جاتی تھیں۔ عشاء کے بعد محفلِ ذکر سجی تو اسی میں صبح ہو گئی۔ اور ہر جمعرات کی رات کو محفلِ سماع ہوا کرتی۔ میں تو اب بھی چاہتا ہوں کہ وُہی ذوقِ جوانی ملے اور عشق و محبت میں بسر کروں بفضلِ خدا میری صحت اور دُنیوی حالت خواہ کسی مرحلہ میں بھی رہی۔ مگر ذوق و شوق فزوں تر ہی رہا۔

میں ابتداء میں نذر و نیاز وغیرہ قبول نہیں کیا کرتا تھا۔ اور بہت عرصہ تک یہی معمول رہا۔ اکثر فاقہ مستی بھی رہا کرتی۔ کبھی تو تین تین دن تک نوبت آجاتی۔ اندر حقہ کے لیے آگ سلگ رہی ہوتی اور باہر لوگ خیال کرتے کہ پیر صاحب کے ہاں کچھ پک رہا ہوگا۔ باہر کسی نے نذر و نیاز پیش کی تو قبول کرنے سے انکار کر دیا جاتا۔

آخر کار تعمیلِ حکم کے طور پر نذر و نیاز کو قبول کرنا پڑا۔ اور یہ حکم اُس وقت ہوا۔

جبکہ نذر و نیاز کی آرزو ہی نہ رہی۔ جب اپنی آرزو نہ رہی تو نذر و نیاز پیش کرنے والوں کی آرزو رد نہ کرنے کا امر ہوا۔ اب بھی یہی کیفیت ہے۔ کہ نذرانہ پیش کرنے والے کی حالت سے بخوبی واقف ہو جاتا ہوں اور مناسب حال قبول کر لیتا ہوں۔

یہاں (لاہور میں) بھی چند ماہ تک نُور محمد خاں صاحب لغاری (زمیندار و رئیس ڈیرہ غازی خاں) نے ہر ماہ ایک مقررہ رقم بھیجنے کا معمول بنا لیا تھا۔ بلا ناغہ ہر ماہ منی آرڈر موصول ہوتا رہا۔ مجھے جب اُن کے معمول کا علم ہوا تو منع کر دیا کہ اگر کبھی وہ ایسا نہ کر سکے تو وہ نادم نہ ہو۔ اور یہاں انتظار کیوں ہو۔ میں نے ہر جگہ مسافرانہ زندگی گزاری ہے۔ اگر چاہتا تو کروڑوں روپے کی جائیداد پیدا کر لیتا۔ مگر میں نے ہمیشہ حضرتؒ ہی کی محبت کو کافی سمجھا۔ اور کوئی کمی محسوس نہ کی۔

کسبِ معاش منافیٔ توکّل نہیں

کوٹھی نمبر ۶ گارڈن ٹاؤن لاہور کا واقعہ ہے۔ ایک روز جناب عبدالصمد صاحب تسلیم نے حضرت قبلۂ عالم کی خدمتِ اقدس میں عرض کیا کہ محکمہ ڈاکخانہ جات میں ملازمت مل سکتی ہے۔ اگر اجازت ہو تو یہ ملازمت اختیار کر لی جائے۔ موصوف محکمہ کے ریٹائرڈ بھی تھے۔ ارشاد ہوا:

کوئی حرج کی بات نہیں۔ کسبِ حلال کی سعی ہر وقت مناسب ہے۔ اگر کوئی ایسا ذریعہ مل رہا ہے۔ تو اچھا ہے۔ ملازمت اختیار کر لی جائے۔ کسبِ معاش توکّل کے منافی نہیں ہے

گفت پیغمبر بآوازے بلند　　　بر توکّل زانوئے اُشتر ببند

بزرگوں کے اختلافی معاملہ میں عدم مداخلت کی نصیحت

بدورانِ سکونت کوٹ سلطان (ضلع مظفر گڑھ) حضرت قبلۂ عالم کی خدمتِ اقدس میں حاضری دینے کے لیے لاہور سے جناب مقبول النبی صاحب مع اہل خانہ کوٹ سلطان

آئے۔ اور عرض کیا۔ حضرت! میں نے ہندوستان جانے کے لیے پرسٹ بنوایا ہے۔ ارادہ ہے کہ لکھنؤ شریف جناب دادا پیر و مرشد (سلطان العارفین شاہ محمد نبی رضاؒ) کے دربارِ عالی وقار پر حاضری دوں۔ اجازت کی استدعا ہے۔ فرمایا:

ضرور حاضری دینا۔ اور حاضری کے سوا اور کوئی مقصد نہ ہونا چاہیے۔ اور وہاں آستانہ عالیہ کے خدام کا باہم اختلاف ہے۔ اُن سے فقط مِل لینا۔ وہاں کسی کے معاملہ میں دخل دینا یا طرفداری کرنا مناسب نہیں۔ اگر کچھ فرمائیں تو خاموشی سے سُن لینا۔ اور مؤدب و محتاط رہنا۔ اور بچشم پُرنم فرمایا مقصود صرف حاضری ہی ہونا چاہیے یہی فائدہ کی بات ہے۔

پیرِ کامل کی پہچان

بمقام کوٹھی نمبر ۶ گارڈن ٹاؤن لاہور ارشاد ہوا:

بعض لوگ کشف و کرامات کے آرزومند ہوتے ہیں۔ اور بعض لوگ بزرگانِ عظام سے کرامات دکھانے کی آرزو کرتے ہیں۔ عجیب بات ہے۔ معجزات تو کفار طلب کرتے رہے ہیں۔ اہلِ ایمان تو بے دلیل مانا کرتے ہیں۔ پیرِ کامل کو کرامات سے نہیں بلکہ شریعت کی کسوٹی پر پرکھا جا سکتا ہے ؎

شریعت را محکم دار اکنوں
طریقت از شریعت نیست بیروں

پیرِ کامل کی محبت اور اتباع میں فلاح ہے اور یہ راہ بے دلیل اختیار کرنی چاہیے پیرِ کامل عشقِ رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کا سرمایہ بھی وافر مقدار میں رکھتا ہو۔

ازالۂ شکوک و شبہات

نصیر آباد شریف (چھاؤنی اجمیر شریف) میں ایک بار محفلِ سماع ہو رہی تھی میاں امام بخش اور ماسٹر چھجن قوال کی پارٹی حضرت شیخ سعدی شیرازیؒ کا مشہور نعتیہ قطعہ بطور قوالی پیش

کر رہی تھی۔ اس کلام پر حضرت اقدسؒ کے ایک مطلق اُمی خادم کو انتہائی رقت ہوئی اور اُن پر گریہ کا عالم طاری ہوا۔ اور ما بعد شدید وجدانی کیفیت طاری ہو گئی۔ قطعہ یہ تھا ؎

بلغ العلیٰ بکمالہٖ ۔ کشف الدجیٰ بجمالہٖ

حسُنت جمیع خصالہٖ ۔ صلّو علیہ وآلہٖ

محفلِ سماع میں شکوک و شبہات کے ایک مریض علامہ محمّد اسماعیل صاحب نامی ایک عالم و فاضل بھی موجود تھے۔ علاّمہ صاحب موصُوف نے بعد اختتام محفلِ سماع حضرت اقدسؒ سے نہایت ہی متعجبانہ لہجہ میں دریافت کیا۔ حضرت!

آپ کے مُرید کو حضرت شیخ سعدیؒ کے جس مشہُور قطعہ پر وجد و حال طاری ہُوا ہے وہ عربی زبان کا کلام ہے اور اس قطعہ کو سمجھنے کے لیے بڑی فہم و فراست اور فصاحت و بلاغت درکار ہے کہ جس سے صحیح مفہوم سمجھ میں آسکتا ہے۔ چہ جائیکہ آپ کے جاھل مرید کو وجدانی کیفیت ہو جائے۔ وہ کیا سمجھ سکتا ہے اور اسے تو میں ذاتی طور پر جانتا ہوں۔ میرے محلہ کا آدمی ہے۔ ان پڑھ اور غریب سا انسان ہے۔ مجھے بڑا تعجب ہُوا ہے۔ فرمایا:

مولانا صاحب! آپ تو ان اشعار کا مطلب سمجھ سکتے ہیں؟

عرض کیا۔ ہاں جناب۔ بخوبی سمجھ سکتا ہُوں۔

فرمایا۔ مولانا صاحب! اگر وجد و حال کا طاری ہونا فہم و فراست اور علم و دانش پر منحصر ہوتا تو بحیثیت ذہین و فہیم ہونے کے اور از روئے علم و فضل آپ کو ایسے عمدہ و بہترین کلام پر رقت و کیفیت ہونا چاہیے تھی۔ مگر افسوس کہ علوم کے عالم و فاضل محروم ہے اور ایک مُطلق اُمی گریہ و رقت جیسے لُطف و سرور سے مستفیض ہُوا۔

ما بعد حضرت اقدسؒ نے حال و قال پر ایک ایسی مبسوط و جامع فہم تقریر فرمائی کہ مولانا صاحب معذرت کرنے لگے اور خُود بھی حاضرینِ مجلس کے ساتھ بچشمِ گریاں دکھائی دے رہے تھے۔

عورتوں کی صحبت کے متعلق ارشاد

بمقام گارڈن ٹاؤن لاہور ارشاد ہوا:

چند لوگوں نے ایک معاملہ میں مجھ سے استفسار کیا ہے۔ تم بھی غور سے سن لو!
پنجاب کے بعض مشہور و معروف سلسلوں کے پیر صاحبان عورتوں کی صحبت زیادہ پسند کرتے ہیں۔ خیال یہ بھی کیا جاتا ہے کہ وہ نفس کو ضبط میں رکھتے ہیں۔ اور قوتِ ارادی کے پختہ جذبہ کے تحت نفس کشی کا موثر ذریعہ گردانتے ہیں اور لوگ ہم سے دریافت کرتے ہیں کہ یہ جائز ہے یا نہیں۔ اپنا فیصلہ یہی ہے۔

کسی بھی سلسلہ کے پیر صاحبان ہوں۔ جو کچھ کریں وہ اس کے خود ذمہ دار ہیں اور خود جواب دہ ہوں گے۔ ہم کسی کے معاملہ میں دخل و فیصل مناسب نہیں سمجھتے۔ اپنا عمل یہ ہے کہ جو کچھ حق سمجھتے ہیں اس پر عمل کرتے ہیں اور اُسی پر عمل کرنے کی تلقین کرتے ہیں۔ دُوسروں کی اصلاح سے اپنی اصلاح کو مقدّم سمجھتے ہیں۔ اور اپنے اصُول پر سختی سے عمل کرتے ہیں اور یہ بات اپنے فہم سے بعید ہے کہ عورتوں کی صحبت فقیر کو کیا فائدہ پہنچا سکتی ہے۔ یہ ذریعۂ نفس کشی نہیں ہے۔ خواہشات سے مغلوبیت ہے۔ نفس پر غالب ہونا اُس وقت صحیح ہوگا جب کہ جملہ خواہشاتِ نفسانی مغلوب ہو جائیں۔ اور خواہشات مغلوب ہیں تو عورتوں کی صحبت کیا بلا ہے۔ کہ جس کو ذریعۂ نفس کُشی گردانا جاتا ہے ہم اسے نہایت خطرناک سمجھتے ہیں۔ ہوشیار رہنا چاہیے۔

یاد رکھیے۔ فقیر جب تک قبر سے باہر ہے۔ ہرگز خطرہ سے باہر نہیں۔ حضراتِ سلف صالحین تادمِ حیات ہوشیار رہے اور ہوشیاری کا امر فرمایا۔ میں بھی تمہیں خبردار کرتا ہوں کہ ہر وقت رضائے حق و اتباع کو مدِ نظر رکھو۔ اور میری باتوں کو غور سے سمجھا کرو۔
میرے حضرات (بزرگانِ سلسلۂ عالیہ) نے مجھے خوددار اور بے باک بنا کر فیضِ عام کر دیا ہے۔

تو مگو تی درجہاں یک بایزیدؒ بود و بس ہر کہ واصل شد بجاناں بایزید وقت است

ملنے کا پتہ : ملک پیر محمد شکوری
مکان نمبر M II E 1085 ۔ طورٗ بابا روڈ، بلاک سی
خیر شاہ کالونی، کراچی ۳۸